فردوسیہ سلسلۂ تصوف شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے حوالے سے

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی

محمد اکرم رضا

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز

فیکلٹی آف ہیومینیٹیز اینڈ لینگویجز

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ستمبر ۲۰۱۷

DECLARATION

I, Mohd Akram Raza hereby declare that the Ph.D. thesis entitled "**Firdausi Silsila-e-Taswwuf – Shaikh Sharfuddin Ahmad Yahya Manyari ke Hawale se."** which is submitted by me to the Faculty of Humanities and Languages, Jamia Millia Islamia, New Delhi in partial fulfillment of the requirement for the award of the degree of Doctor of Philosophy has not previously formed the basis for the award of any degree, Diploma Associateship, Fellowship or other similar title or recognition. This is to declare further that I have also fulfilled the requirements of Para 8(VIII and IX) of the Ph.D Ordinance.

Place: New Delhi **MohdAkramRaza**

Date :

CERTIFICATE

On the basis of declaration submitted by **Mohd Akram Raza**, student of Ph.D. I, hereby certify that the thesis titled 0f "**Firdausi Silsila-e- Taswwuf – Shaikh Sharfuddin Ahmad Yahya Manyari ke Hawale se."** which is submitted to the Faculty of Humanities and Languages, Jamia Millia Islamia, New Delhi in partial fulfillment of the requirement for the award of the degree of Doctor of Philosophy, is an original contribution with existing knowledge and faithful record of research carried out by him under my guidance and supervision.

To the best of my knowledge this work has not been submitted in part or full for any Degree orDiploma to this University or elsewhere.

Place: New Delhi **(Prof.Mohd Ishaque)**

Date: **Supervisor**

Prof. Mohd Ishaque

Head of the Department

Department of Islamic Studies

Faculty of Humanities and Languages

Jamia Millia Islamia

New Delhi-110025

فہرست

ہدیۂ تشکر

تشکر کا جذبہ ایک فطری چیز ہے جو ہر انسان کے اندر پایا جاتا ہے اور نیکی وحسن سلوک کے نتیجے میں ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔

حمد وثنا اور تشکر کی اولین حقدار وہ ذات والا صفات ہے جس نے انسان کو دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا! اللہ رب العزت فرماتا ہے **لئن شکرتم لاذیدنکم** . یعنی شکر ادا کرنے والوں کی نعمت میں کمی نہیں کی جائے گی بلکہ مزید اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس لیے سب سے پہلے میں شکر ادا کرتا ہوں اپنے پروردگار عالم کا جنہوں نے مجھے علم کی دولت عطا فرمائی اور مقالہ ہذا کا کام مکمل کرنے کی توفیق بخشی۔

وماتوفیقی الا با للہ،علیہ توکلت والیہ انیب. ہزاروں لاکھوں درود وسلام ہو پیغمبر آخر الزماں نبی برحق حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی ال پر۔ نبی کا ارشاد گرامی ہے؛ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** کے مدنظر میں ان تمام لوگوں کا شکر گذار ہوں جو اس مقالے کی تیاری میں کسی طرح بھی میرے لیے معاون ثابت ہوئے۔

میں اپنے استاذ محترم، مشفق ومہربان پروفیسر محمد اسحاق صاحب کا جو میرے نگراں رہے ہیں ان کا میں بے حد مشکور ہوں جنہونے آغاز مقالہ سے لے کر انجام تک ہر مرحلے میں میری رہنمائی فرمائی، مجھے تحقیقی شعور بخشا، میری اغلاط پر گرفت کر کے تصحیح فرمائی اور مجھے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کروائیں جس کے تحت میں آج اپنا مقالہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔ میں ان کی مخلصانہ سرپرستی پر دعاء گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

میرے شعبہ کے تمام اساتذۂ کرام بالخصوص پروفیسر اختر الواسع صاحب ثابق پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ، پروفیسر اقتدار محمد خان صاحب کا میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ہمیشہ ہمیں اپنے کام کی طرف رغبت دلائی اور بہترین مشوروں سے نوازا جو ہمیشہ یادرہیں گی۔

میں شکر ادا کرتا ہوں اپنے مشفق ومہربان مرحوم ومغفور والد گرامی کا جن کی کوششوں سے یہ مقالہ مکمل ہو سکا۔ میں اللہ کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور کردے اور ان کو فردوس بریں

میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

اس وقت میں اپنی والدہ محترمہ کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ وہ ہمیشہ میری کامیابی کے لئے دعاء گو رہتی تھیں، اللہ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔

میں اپنی شریک حیات کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے گھر کے کام وغیرہ سے فارغ رکھا اور میں بہ آسانی اپنا کام انجام دیتا رہا۔

میں مشکور ہوں استاد محترم ڈاکٹر محمد ارشد، ڈاکٹر مفتی مشتاق تجاروی، ڈاکٹر خالد عمری اور ڈاکٹر عمر فاروق صاحب کا جن کی سرپرستی اور شفقت ومحبت ہمیشہ مجھے حاصل رہی۔ان کی غیر معمولی توجہات اور مفید مشوروں نے مشکل ترین مقصد کو آسان کر دیا۔

مقالے کی پرف ریڈنگ کے حوالے سے میں ڈاکٹر محمد ظفر الدین برکاتی ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان اور محمد نیاز احمد مصباحی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے میرا کام آسان کر دیا اور مقالے کو بہتر بنانے میں میری مدد فرمائی، ان کے علاوہ مولانا محمد اشرف الکوثر، محمد تحسین الزماں، محمد عمار عبدالحی، محمد انیس الرحمٰن، وغیرہ کا بھی میں تہہ دل سے شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ہر لمحہ محبتوں سے نوازا اور دشواریوں کو حل کرنے میں میری مدد فرمائی۔

اس کے علاوہ میں مشکور ہوں ڈاکٹر علی ارشد شرفی، صاحبِ سجادہ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ بھینسا سور بہار شریف، نالندہ، بہار، کا جو علالت کے باوجود میری ہر طرح سے مدد فرمائی، یہی نہیں اپنا ذاتی کتب خانہ بلخیہ کا دروازہ میرے لیے کھولدیا، وہاں ان کے صاحبزادے احمد غزالی اور ہر دلعزیز نواز بھائی نے مخطوطے سے استفادہ کر نے میں بھر پور مدد کی جس کا میں صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں۔اور دعاء گو ہوں کہ اللہ انہیں دارین کی سعادتوں سے نوازے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہار شریف کی خانقاہ کے موجودہ صاحبِ سجادہ سید سیف الدین فردوسی صاحب کا میں اس موقع پر تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ''مناقب الاصفیاء'' جو سلسلہ فردوسیہ کی بنیاد ہے، اور ''مجموعۂ اوراد وظائف'' جیسی کتابیں مجھے عطا کر کے مجھ ناچیز پر بڑا احسان فرمایا ہے، جو مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔

مقالہ لکھنے میں کتب خانوں کا بڑا اہم رول رہتا ہے، بغیر کتابوں کے کچھ لکھنا پڑھنا بہت دشوار ہے۔اس

لئے میں ان تمام کتب خانوں کے عملہ کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے کتابوں کی دستیابی میں میری مدد فرمائی، مثلاً ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، کے تمام عملہ کا اور خاص کر مولانا انظار احمد مصباحی صاحب کا میں تہہ دل سے شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے کتابوں کی دستیابی کے حوالے سے میری مدد فرمائی اور کتابوں کی تلاش میں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں۔

آخر میں، میں اپنے چھوٹے بھائی غلام اسلم کا بہت ہی ممنون ہوں کہ اس نے والد محترم کے دنیا سے گذر جانے کے بعد سے والدہ محترمہ کو ساتھ میں رکھ کر ان کی ہر طرح کی ضرورتوں کو پورا کیا اور پوری خدمت انجام دی، اور مجھے ان سے الگ رکھا تاکہ میں آسانی اور پرسکون ہو کر اپنا پی، ایچ، ڈی کا مقالہ لکھ سکوں، اور اس کا مجھے بہت فائدہ ہوا۔

اس کے علاوہ جتنے لوگوں نے جس طرح سے بھی میری مدد فرمائی ہے میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد اکرم رضا

باب اول

ہندوستان میں سلاسل طریقت

آغاز و ارتقاء

باب اول

ہندوستان میں سلاسل طریقت۔آغاز وارتقاء

فہرست

باب اول

ہندوستان میں سلاسل طریقت آغاز وارتقاء

تعارف تصوف:

تصوف اصل میں اس طرز زندگی کا نام ہے جو انسانوں کے اندر بنیادی طور پر روحانی تبدیلی کر کے اس کے جملہ اخلاق اور بری خصلتوں کو بدل ڈالے اور پھر انسان اخلاق حمیدہ اور روحانی اقدار کا پیکر بن جائے۔

تصوف کی حقیقت کے بارے میں محمد بن علی القصاب جو حضرت جنید بغدادی کے استاذ تھے انہوں نے فرمایا:

التصوف ما هو قال اخلاق كريمة ظهرت فی زمان كريم من رجل كريم مع قوم كرام [1]

ترجمہ: تصوف رسول اللہ ﷺ کے ان اعمال کا نام ہے جو انہوں نے ایک مبارک عہد میں شرفاء وصلحا کے ایک گروہ کے سامنے انجام دیئے۔

عام طور سے ناقدین تصوف یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں میں صوفیہ کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ اس حوالے سے اگر کوئی تذکرہ ملتا بھی ہے تو فقط زاہدوں، عابدوں، فقراء اور صحابۂ کرام کا ملتا ہے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی ایک اپنی حرمت اور خصوصیت ہے۔ اور جن نفوس قدسیہ کو یہ سعادت حاصل رہی انہیں صحابی کے نام سے ہٹ کر کسی اور نام سے موسوم کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

اہل تصوف مانتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، زاہدوں، عابدوں، اللہ پر توکل کرنے والوں، فقراء، مجاہدہ نفس کرنے والوں کے امام ہیں۔ صحابۂ کرام جو مقام صحابیت پر فائز ہوئے وہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی صحبت کا ہی اثر تھا۔

صحابی رسول ہونا تو خود بہت بڑی بات ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہوسکتی۔ ایسی صورت میں صحابۂ کرام کو کسی اور نام سے یاد کرنا یا انہیں کوئی دوسرا نام دینا درست نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام کو صوفی کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صوفی بعد کے زمانہ کی خودساختہ اصطلاح ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا، جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت حسن بصری جنہوں نے بعض صحابہ کا دور دیکھا تھا، کہتے ہیں کہ:

> ''میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اسے کچھ دینا چاہا، مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ میرے پاس چار درہم موجود ہے جو میرے لیے کافی ہے۔''[۱۰۲]

اسی طرح حضرت صفیان ثوری فرماتے ہیں:

انه قال لو لا ابو هاشم الصوفی ما عرفت دقیق الریآء .[۱۰۳]

اگر ہاشم کوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہوسکتی۔

لیکن بعد میں جب زمانے کے حالات نے کروٹ بدلا تو اس سے جہاں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت میں تبدیلی آئی وہیں اسلامی تصوف میں بھی غیر اسلامی رسم و رواج نے اپنی جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی اور دنیا دار بناوٹی اور نقلی صوفیوں نے اپنی اپنی خانقاہیں سجا کر لوگوں کو نذرانے شکرانے کے نام پر لوٹنا شروع کر دیا جس کا اسلامی تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔

انہیں حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری حضرت ابوالحسن بوسنجی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> **''ابـو الـحسن بو سنجه گوید رحمة الله علیه ' التصوف الیوم اسـم و لا حـقیـقة وقـد کـان حقیقة ولااسم ' تصوف امروز نا**

میست بی حقیقت و پیش از این حقیقی بود" ۲

ابوالحسن بوشنجی فرماتے ہیں کہ تصوف آج صرف نام ہے بغیر حقیقت کے اور اصل میں یہ حقیقت ہے بغیر نام کے۔صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام نہیں، ایک حقیقت تھی سب پر ساری وطاری، لیکن آج کل صرف نام ہے بے حقیقت۔یعنی پہلے معاملہ معروف تھا اور ظاہر داری مجہول ،اب معاملہ مجہول ہے اور ظاہر داری معروف۔

میرے خیال میں اس وقت اور بھی بدتر حالت ہو چکی ہے۔زیادہ تر اہل تصوف کی جگہ اہل دنیا نے قبضہ جما رکھا ہے۔ بے شمار خانقاہیں بنی ہوئی ہیں مگر جن مقاصد کے تحت خانقاہیں قائم ہوئی تھیں آج ان مقاصد کا فقدان ہے۔اسی بنیاد پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ خانقاہوں میں رائج خلاف شرع امور کی وجہ سے آج علم تصوف ہی کو غیر شرعی قرار دیا جا رہا ہے جو میری نظر میں صحیح نہیں ہے، تصوف کے نام پر جو کچھ بھی خرافات ہو رہے ہیں اس کی تردید ہونی چاہئے نہ کہ تصوف کی، کیونکہ علم تصوف پورا کا پورا قرآن وحدیث پر قائم ہے۔اس پر آگے بحث ہوگی۔

تصوف کے سلسلے میں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ جو افراد تصوف پر کما حقہٗ عمل کرتے اور اس کے طریقے پر چلتے ہیں تو وہ مکمل طور پر قید حرص ودنیا سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتے ہیں۔

یہاں تصوف کی تعریف لکھی جا رہی ہیں جو بزرگوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔

تصوف کی تعریف

تصوف کی کوئی ایسی تعریف جو جامع اور مانع ہو اور سب کے لئے کافی ہو ممکن نہیں، اسی لئے تمام بڑے سرخیل بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں مختلف تعریفیں کی ہیں۔

صوفی اور تصوف کی تعریف صوفیہ نے مختلف انداز میں اپنے ذوق اور حال کے مطابق کی ہے۔کبھی کبھی بعض صوفیہ کی تعریف آپس میں ایک دوسرے سے متضاد بھی نظر آتی ہے لیکن غور وفکر کرنے کے بعد وہ تضاد ختم ہو جاتا ہے۔کبھی ایک صوفی تصوف کی کئی کئی تعریفیں بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔مثلاً حضرت ابراہیم بن المولد الرقی،(م۳۴۲ھ مطابق ۹۵۳ء) نے تصوف کی سو سے زیادہ تعریفیں کی ہیں۔۳

شیخ ابوحمزہ بغدادی (م ۲۸۹ھ) کہتے ہیں کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ امیر سے فقیر، مغرور سے ذلیل، مشہور سے گمنام ہوجائے اور جھوٹے صوفی کی نشانی یہ ہے کہ وہ فقیر سے امیر، ذلیل سے مغرور اور گمنامی سے مشہور ہوجائے۔[۴]

حضرت ابومحمد جریری (م ۳۱۱ھ) سے پوچھا گیا کہ ''تصوف'' کسے کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا

''ہر اعلیٰ مخلوق میں شامل ہوجانا اور ذلیل لوگوں سے نکل جانا تصوف کہلاتا ہے۔''[۵]

شیخ محمد بن علی بن الحسین تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف.

ترجمہ: تصوف ایک نیک خصلت ہے جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے۔

مذکورہ قول کی تشریح کرتے ہوئے شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں:

''نیک خصلت دو قسم پر ہے ایک خصلت خدا کے ساتھ اور دوسری خصلت بندوں کے ساتھ، خدا کے ساتھ نیک بختی اس کے احکام کی پابندی ہے اور بندوں کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ صرف خدا کے لئے ان سے میل جول برقرار رکھا جائے۔''[۶]

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنا ہی تصوف ہے۔''[۷]

حضرت جنید بغدادی تصوف کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں:

''تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے۔''[۸]

اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ 'صفت' صرف اللہ کے لئے یا پھر بندہ کے لئے بھی ہے؟

اس کے جواب میں شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ معنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے لیکن اسماء صفت بطور مجاز بندہ کے لئے بھی ہوا کرتی ہے۔

حضرت عمر عثمان مکی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

''تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حال میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔''[9]

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں:

''تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے نا امیدی کا نام ہے۔''[10]

حضرت ابونصر سراج سے کسی نے تصوف کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر ترجیح دے دی۔''[11]

صوفیہ کون ہوتے ہیں:

تصوف کی جو تعریفات ابھی گذریں ان پر کما حقہ عمل پیرا ہونے والی شخصیات کو صوفیہ کہا جاتا ہے لیکن بے شمار مؤقر صوفیۂ کرام نے از خود تصوف کی طرح صوفیہ کی بھی تعریف کی ہے۔ چند تعریفات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

صوفیہ کسے کہتے ہیں یا صوفیہ کے لقب سے کن لوگوں کو پکارا جانا چاہئے اس حوالے سے سب سے پہلے حضرت جنید بغدادیؒ کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

'' التصوف مبنی علی ثمان خصال: السخا ، والرضاء والصبر ، والاشارہ، والغربہ، ولبس الصوف، والسیاحة، والفقر، أما السخاء فِلابراھیم وأما الرضاء فِلاسماعیل وأما الصبر

فالأیوب وَ أ ما الاِشارہ فلزکریا وَأما الغربة فلیحیٰ وأمالبس

الصوف فلموسیٰ وأما السیا حة فلعیسیٰ وأما الفقر فلمحمد

ﷺ أجمعین .'' ۱۲؎

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی ،صوفی بنتا ہے۔

۱۔سخاوت حضرت ابراہیم سے حاصل کرے وہ یہ تھی کہ رضائے الٰہی میں اپنے بیٹے کوقربان کر دیا۔

۲۔رضاء،حضرت اسماعیل سے کہ انہوں نے برضائے خداوندی اپنی جان عزیز کو پیش کیا۔

۳۔صبر میں حضرت ایوب کہ انہوں نے اللہ کی رضا پر صبر کیااور کیڑوں کی مصیبت برداشت کی۔

۴۔ اشارات میں حضرت زکریا کہ جن کے لئے باری تعالٰی نے فرمایا کہ تین دن تک لوگوں سے بات مت کرومگراشارہ سے۔۱۳؎

۵۔غربت میں حضرت یحییٰ کہ وہ اپنے وطن میں بھی اپنوں سے بیگانہ تھے۔

۶۔صوف پوشی میں حضرت موسیٰ کہ ان کا تمام لباس اون کا تھا۔

۷۔سیر میں حضرت عیسیٰ کہ وہ راہ خدا میں اس قدر مجرداورتنہا تھے کہ سامان زندگی میں سے صرف ایک پیالہ اور کنگھی رکھتے تھے اور جب دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ سے پانی پی رہاہےتو پیالہ بھی پھینک دیا جب دیکھا کہ ایک شخص انگلیوں سے اپنابال درست کررہاہےتو کنگھی بھی پھینک دی۔

۸۔فقر میں حضرت محمدﷺ کہ جنہوں نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی مجھے ایک روز سیر ہوکر کھانے کو دے اور دوسرے روز بھوکا رکھ۔یہ اصول راہ طریقت میں بہترین ہیں۔

اس عبارت کا مطلب ہے کہ صوفی بننا آسان نہیں۔اگر کوئی صوفی بننا چاہتا ہےتو حضرت جنید بغدادی کے بقول اس کو مذکورہ آٹھ خصلتوں کواپنے اندراتارنا ضروری ہے۔ان کے علاوہ بے شمار مشائخ عظام ہیں جنہوں نے صوفیہ کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

صوفیہ کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کے مطابق باطن کی صفائی اور باطن کے آثار کی وجہ سے صوفی کو صوفی کہا جاتا ہے۔مثلاً

حضرت بشرالحافی (م۸۵۰ھ) فرماتے ہیں:

''صوفی وہ ہے کہ جس کا دل اللہ کی خاطر پاک وصاف ہو۔''۱۴

شیخ ابوبکر الکلاباذی کے بقول صوفیہ کے ایک گروہ کے مطابق، انہیں صوفی اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں پہلی صف میں ہیں، اس لئے کہ ان کی ہمتیں بلند ہو کر اللہ کی طرف چلی جاتی ہیں اور یہ اپنے دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ کے حضور میں اپنے باطن کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔۱۵

حضرت عبدالواحد بن زید صوفی کے متعلق لکھتے ہیں:

''صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور قلوب کو مصائب وآلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں اور نفس کے ہر شعلۂ شر انگیز کو مرشد کامل کی اتباع سے سرد کر دیتے ہیں۔''۱۶

حضرت ذوالنون مصری (المتوفی ۲۰۵ھ) کا نام طبقہ صوفیہ میں بہت معروف ومشہور ہے۔ آپ سے جب صوفیہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''جسے طلب تھکا نہ سکے اور سلب بے قرار نہ کرے وہ صوفی ہے اور صوفیہ ان لوگوں کا طائفہ ہے جنہوں نے ہر شی پر اللہ ہی کو غالب جانا، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انہیں ہر چیز پر غلبہ عطا کیا۔''۱۷

حضرت شیخ ابوالحسن نوری (المتوفی ۲۹۹ھ) فرماتے ہیں:

''صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور اسباب کو تابع کر لیتا ہے۔''۱۸

حضرت شیخ ابونصر سراج (م ۳۸۷ھ) فرماتے ہیں:

صوفیہ کو اہل شام ''فقراء'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں صوفیہ کو 'فقراء' کے نام ہی سے پکارا ہے۔ دلیل کے طور پر قرآن مجید کی یہ آیت نقل کرتے ہیں:

للفقرا ء الذين أحصر وا فى سبيل الله۔''۱۹

ترجمہ: ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت حصری (م ۴۱۳) فرماتے ہیں:

الصوفى لايوجد بعد عدمه ولايعدم بعد وجوده۔۲۰

صوفی وہ ہے جس کی فنا کو ہست نہیں اور جس کی ہست کو فنا نہیں۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ صوفی تمام عوارضات انسانی سے بری ہوتا ہے یہاں تک کہ راز بشریت نمایاں ہوجاتا ہے اور اس کی اصلیت ذات میں مجتمع ہوجاتی ہے اور وہ اپنی ذات میں اپنے آپ قائم ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال نبیوں میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ جن کی حضوری میں کبھی انقطاع نہیں آیا چنانچہ انہوں نے کہا: رب اشّرح لی صدری (القرآن) اے اللہ میرے سینے کو فراخ کردے۔ اور دوسری طرف ہمارے رسول ﷺ جن کی توحید میں کوئی کمی نہ تھی، چنانچہ ان سے کہا گیا: **الم نشرح لک صدرک** ۔ (القرآن) کیا ہم نے آپ کے سینے کو فراخ نہ کیا۔ یعنی ایک طرف تو آرائش وزینت طلب کی گئی تو دوسری طرف بلا درخواست آراستگی عطا فرمائی گئی۔

ملک شام کے ایک بڑے صوفی بزرگ شیخ عبدالقادر بن عیسیٰ (۱۹۹۱۔۱۹۱۹ء) نے اپنی مشہور عربی تصنیف ''حقائق عن التصوف'' میں 'تصوف' کے متعدد مأخذ بیان کرتے ہوئے متعدد تعریفیں بھی بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

☆ تصوف اور صوفی ''صفت'' سے نکلا ہے کیونکہ تصوف وہ علم ہے جس میں اچھی صفات پیدا کرنے اور بری صفات کو دور کرنے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

☆ تصوف کا لفظ 'صوف' سے نکلا ہے جس کا معنی ہے اون۔ کیونکہ قدیم دور کے صوفی بہت ہی سادگی پسند ہوا کرتے تھے اور سادگی کے لئے اون کا کھردرا کھدر کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ صوفی کہلائے۔

☆ تصوف کا لفظ 'صفہ' سے نکلا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں ایک چبوترہ تھا مسجد نبوی کے باہر۔ اس چبوترے پر حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم نہایت ہی غربت کے عالم میں رہا کرتے تھے۔ جب کہیں سے مل جاتا تو کھا لیتے تھے اور اگر نہیں ملتا تو روزہ رکھ لیتے تھے لیکن کسی کے آگے دست سوال بلند نہیں کرتے تھے اور ہر وقت آپ ﷺ سے دین کی تعلیم سیکھا کرتے تھے۔ یہ صحابۂ کرام ''اصحاب صفہ'' کے نام سے معروف ہوئے۔ اہل تصوف کا کہنا ہے کہ یہی لوگ تصوف کے سرخیل تھے اسی وجہ سے انہی کی مناسبت سے اس فن کا نام ہی ''تصوف'' پڑ گیا۔

اشتقاق تصوف:

ہر دور میں صوفی اور تصوف کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف رہا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ رہی ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں موجود نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابۂ کرام نے اس لفظ کا استعمال کیا۔ شاید اسی وجہ سے علماء تصوف اس کی اصل کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن یہ لفظ جب اتنا معروف و مشہور ہے تو اس لفظ کی کہیں نہ کہیں اصل تو ضرور ہوگی اور کسی نہ کسی چیز سے اس کا ضرور کوئی تعلق ہوگا جو اپنے دور میں معروف ہو۔

اس کی مختصر تفصیلات آگے چل کر بیان ہوں گی۔ تصوف کے مادۂ اشتقاق کے متعلق کتب تصوف میں تلاش و جستجو کے بعد مجھے مندرجہ ذیل مآخذ کا پتہ چلا جس کو اکثر بحث کا موضوع بنایا جاتا رہا ہے۔

۱۔ تصوف اور صوفی ''صفت'' سے نکلے ہیں کیونکہ تصوف وہ علم ہے جس میں اچھی صفات پیدا کرنے اور بری صفات دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۲۔ تصوف کا لفظ ''صوف'' سے نکلا ہے جس کے معنی پشمینہ یا اون کے ہیں۔ قدیم زمانے کے صوفی حضرات اون یا کھدر کا لباس پہنا کرتے تھے اس وجہ سے صوفی کہلائے۔

۳۔ ''صفہ'' لفظ سے تصوف نکلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ مسجد نبوی میں موجود صفہ نامی چبوترے پر نہایت ہی غربت کے عالم میں اپنی زندگی گزارا کرتے اور ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ یہ حضرات اصحابہ صفہ کے نام سے معروف ہوئے۔ اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ یہی لوگ تصوف کے سرخیل تھے اور اسی مناسبت سے اس فن کا نام ہی تصوف پڑ گیا۔

۴۔ تصوف کا لفظ ''صف'' سے نکلا ہے کیونکہ اہلِ تصوف نیک لوگوں کی صف اول میں شامل ہیں اسی وجہ سے انھیں صوفی کہا گیا۔[۱۰۴]

۵۔ ''صفاء'' سے صوفی مشتق ہے جس کا معنی صفائی اور پاکیزگی کے ہے۔

۶۔ ''صوفہ'' عہد جاہلیت میں صوفہ کے نام کی ایک قوم تھی جو خانہ کعبہ کی حفاظت کے لیے وقف تھی اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے صوفی کہا گیا۔ صوفہ کو صوف کا ٹکڑا بھی کہا جاتا ہے۔

۷۔ صوفی ''صوفیہ'' سے نکلا ہے کیونکہ صوفیہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی روحوں کو صاف کیا۔

۸۔ صوفی ''صفوۃ'' سے لیا گیا ہے۔ یہ حضرت امام قشیری (۳۷۶-۴۶۵ھ/۹۸۶-۱۰۷۲ء) کا خیال ہے۔

۹۔ صوفی ''مصافات'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ بندے جسے حق نے صاف کیا۔

۱۰۔ صوفی ''سوف'' سے ماخوذ ہے، یونانی زبان میں سوف حکمت کے لیے بولا جاتا ہے۔

اب یہاں سے تصوف کے مادۂ اشتقاق پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔لفظ ''تصوف'' جب اتنا مشہور ومعروف ہے تو اس کی ضرور کوئی نہ کوئی اصل ہوگی جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان حضرات کو صوفی کہا گیا۔

مختلف مؤرخوں نے لفظ صوفی کی تحقیق کی ہے اوراس کی اصل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے مگر اختلاف سے نہ بچ سکے۔لفظ صوفی کی ابتداء کب سے ہوئی، اس حوالے سے حافظ محمد بن طاہر المقدسی (۴۴۸-۵۰۷ھ ۱۰۵۶-۱۱۱۳ء)[۲۱] پہلے شخص ہیں جنھوں نے زمانۂ جاہلیت میں اس لفظ کی اصل تلاش کی ہے۔ان کے بقول کوفہ شہر میں ایک محدث ولید بن قاسم (م:۸۳ھ۷۰۲ء)[۲۲] تھے۔ان سے کسی نے صوفی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا:

قوم فی الجاھلیة یقال لھم صوفه انقطعو الی اللّٰہ عزوجل

وقطنوا الکعبة فمن تشبه بھم فھم الصوفیة.[۲۳]

ترجمہ: جاہلیت میں صوفہ کے نام سے ایک قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو

ہوگئی تھی اور جس نے خانۂ کعبہ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا

تھا۔پس جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے۔

کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صوفہ ایک قبیلہ تھا جس کی قوم کے لوگ خانۂ کعبہ کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے جس طرح آج کے دور میں مجاور لوگ کرتے ہیں۔حاجیوں کو ہر طرح کی سہولتیں مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی اسی قوم کی تھی۔ان تمام لوگوں میں غوث پہلا شخص تھا جس کا نام صوفہ پڑا، غوث کی والدہ لا ولد تھی، اس زمانے میں نذر وغیرہ کا بڑا رواج تھا، اس لیے غوث کی ماں نے بھی یہ نذر مانی کہ اگر مجھے لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی۔چنانچہ لڑکا ہی پیدا ہوا۔اس نے اپنے بیٹے کا نام غوث رکھا، کئی عرصہ بعد یہی غوث صوفہ کہلایا بعد میں پھر اس کی اولاد بھی صوفہ کہلائی۔غوث کا نسبی سلسلہ اس طرح ہے: غوث بن مُر بن اُد بن طانجہ بن الیاس بن مُض۔[۲۴]

کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قوم صوفہ کے اعلان کے بعد ہی حاجیوں کو حج کرنے کی اجازت ہوتی تھی حتیٰ کہ میدانِ عرفات سے جب قوم صوفہ اپنا خیمہ ہٹا لیتے اس کے بعد ہی سارے لوگ اپنا خیمہ ہٹاتے تھے۔ مذکورہ واقعہ کے متعلق کئی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک دوسری روایت میں بقول ابن جوزی کے غوث بن مُر کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہیں بچتا تھا، اس لیے اس نے یہ نذر مانی کہ اگر اس کا یہ بچہ بچ گیا تو اس کے سر پر صوفہ (صوف کا ٹکڑا) باندھے گی، چنانچہ لڑکا صحیح سلامت بچ گیا تو اس نے اپنی منت پوری کی۔ اس وجہ سے اس لڑکے کا نام ہی صوفہ پڑ گیا۔ اس کے بعد اس کی قوم بھی صوفہ کے نام سے معروف ہوئی۔ ۲۵

ایک تیسری روایت کے مطابق غوث بن مُر کی ماں کا کوئی لڑکا نہیں تھا تو اس نے نذر مانی کہ اگر اسے کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اسے بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دے گی۔ چنانچہ اسے بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام غوث رکھا گیا اور نذر پوری کرنے کے لیے اس کی ماں نے اسے خانہ کعبہ کے پاس باندھ دیا۔ جب دھوپ تیز ہوئی اس کی گرمی اور تپش سے وہ بچہ زمین پر گر پڑا۔ اس کی ماں نے جب یہ دیکھا تو اس کی طرف دوڑی۔ اس وقت اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''ارے یہ تو صوفہ ہو گیا ہے۔'' اس وجہ سے اس کا نام ہی صوفہ پڑ گیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی صوفہ ہی کہلائی۔ ۲۶ اساس البلاغۃ کے مطابق قوم صوفہ کو آلِ صوفان، آلِ صفوان بھی کہا جاتا ہے۔ ۲۷

حضرت ابوعبیدہ معمر بن مثنی (۱۱۰-۲۰۹ھ/ ۷۲۸-۸۲۴ھ)، جو قرآن، نحو ولغت میں بڑے پائے کے عالم گزرے ہیں، کے بقول صوفہ یا صوفان ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ شریف سے غیر تعلق ہوتے ہوئے بھی بیت اللہ کی کوئی ذمہ داری اس کے سپرد ہو یا حج کے دوران کوئی اہم ذمہ داری اس کے ذمہ ہو۔

حضرت علامہ ابن جوزی صوفہ کو صوفی کا اشتقاق مانتے ہیں لیکن مستشرقین اور بعض مشرقی علماء صوفہ سے صوفی کا اشتقاق اس وجہ سے صحیح نہیں مانتے کہ عربی نحو کے اعتبار سے صوفہ سے صوفی نہیں بن سکتا۔ ہاں صوفانی بن سکتا ہے۔ غلام قادر لون کے بقول صوفہ سے صوفی کا اشتقاق اس بنیاد پر درست ہے کہ اگر عربی زبان کے قواعد کی رو سے ''صوفہ'' سے صوفی کا بننا غلط ہے تو پھر کوفہ سے کوفی بننا بھی غلط ہوگا مگر ایسا نہیں ہے۔ اگر کوفہ سے کوفانی کا الف نون گرا کر کوفی بنایا جا سکتا ہے تو پھر صوفی بننے پر یہ اعتراض کیوں؟ اس بنیاد پر یکسر اس اشتقاق کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ۲۸ شاید اسی بنیاد پر علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) نے عربی لفظ کے اعتبار سے اس اشتقاق کو غلط نہیں ٹھہرایا ہے۔ ۲۹ اس کے باوجود اس اشتقاق کو مقبولیت حاصل

نہ ہوسکی۔ وجہ یہ ہے کہ صوفہ کا قبیلہ غیر معروف تھا، یہ باتیں ابن تیمیہ سے منقول ہیں۔ ہوسکتا ہے کوئی اور وجہ بھی رہی ہو۔ مقبول عام نہ ہونے کی وجہ سے صوفی کو''صف'' سے بھی مشتق مانا جاتا ہے۔

جولوگ یہ مانتے ہیں کہ صوفی کو صف کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے ان کے مطابق صوفی کا مطلب وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ اللہ کے حضور صف اول میں کھڑے ہیں، اس رائے کی تائید شیخ ابوالحسین احمد نوری (م ۲۹۵ھ/ ۹۵۷ء) علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

الصوفية هم الذى صفت ارواحهم فصاروا فى الصف الاول بين يدى الحق. [۳۰]

ترجمہ: صوفیہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی روحوں کو صاف کیا پس وہ اللہ کے حضور صفِ اول میں ہوگئے۔

لیکن عربی قواعد کے اعتبار سے صوفی، صف سے ماخوذ نہیں ہوسکتا، اسی لیے اس اشتقاق کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ حضرت امام ابوالقاسم قشیری (۳۷۶-۴۶۵ھ/ ۹۸۶-۱۰۷۲ء) کے بقول صوفی ''صفوۃ'' سے ماخوذ ہے اور اپنے اس قول کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں، جس میں حضور نے فرمایا:

ذهب صفو الدنيا وبقى الكدر فالموت اليوم تحفة لكل مسلم. [۳۱]

دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہی پس موت آج ہر مسلم کے لیے تحفہ ہے۔

امام قشیری یہ بھی کہتے ہیں کہ عربی زبان وقواعد کے اعتبار سے یہ اشتقاق درست نہیں ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ لقب کے طور پر استعمال ہوا ہو۔

ليس يشهد لهذاالاسم من حيث العربية قياس ولااشتقاق والاظهرانه فية كاللقب. [۳۲]

صوفیہ کے ایک بڑے طبقے کی رائے یہ ہے کہ صوفی ''صفا'' سے ماخوذ ہے۔ حضرت شیخ بشر بن

حارث الحافی (۱۵۰-۲۲۷/ ۷۶۷-۸۴۱ء) بھی اسی طرف گئے ہیں، فرماتے ہیں:

الصوفی من صفا قلبه للّٰه.

ترجمہ: صوفی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دل کو صاف کیا۔ ۳۳

حضرت شیخ ہجویری (۴۰۰-۴۶۵ھ/ ۱۰۰۹-۱۰۷۲ء) نے بھی صوفی کو ''صفا'' سے مشتق مانتے ہوئے صفا کو کدر کا ضد قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

''پس صفا در جمله محمود باشد وضد آں کدر بود، رسول الله صلی الله علیه وسلم گفت: ''ذهب صفو الدنیا وبقی کدرها'' ونام لطایف اشیاء صفو آں چیز بود، ونام کثایف اشیاء کدر آں چیز بود، پس چوں اهل ایں قصه اخلاق ومعاملات خود را مهذب کردند و از آفات طبیعت تبرا جستند، مر ایشان را صوفی خواندند۔'' ۳۴

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۴۷۱-۵۶۱ھ/ ۱۰۷۸-۱۱۶۶ء) بھی صوفی کو ''صفا'' سے مشتق مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

وصوفی علی وزن فُوعل ماخوذ من المصافاة یعنی عبداً صافاه الحق عزوجل. ۳۵

ترجمہ: صوفی ''فوعل'' کے وزن پر ہے اور مصافاۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ بندہ جسے حق نے صاف کیا۔

فارسی شعراء میں حافظ شیرازی (۷۲۰-۷۹۲ھ/۱۳۲۰-۱۳۸۹ء) نے بھی صوفی کو صفا سے مشتق مانا ہے۔

صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را
تا بنگری صفائی مے لعل فام را۳۶

ان سب کے علاوہ اور بھی بہت سے مسلم مؤرخین نے صوفی کو 'صفا' سے مشتق مانا ہے۔اس کے علاوہ عربی قواعد کے اعتبار سے صوفی کا اشتقاق صفا سے درست نہیں کیونکہ مفاعلہ کا ماضی مجہول لیا جاتا ہے یعنی صَافَی سے صُوْفِیَ بروزن قُوْبِلَ مجہول قَابَلَ ۔اگر لغوی طور پر یہ اشتقاق صحیح قرار پائے تو صوفی کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرتا ہے،لیکن معروف اصولوں کی روشنی میں صفا سے صفائیہ یا صفویہ ہی بنے گا۔۳۷

امام ابن تیمیہ کے بقول اگر اس میں اشتقاق اکبر یا اشتقاق اوسط کا استعمال کیا جائے تو صفا ہی سے نہیں بلکہ صفہ اور صف سے بھی صوفی بنے گا۔شاید اسی لیے امام ابن تیمیہ اور امام قشیری اس اشتقاق کو صحیح نہیں مانتے۔۳۸

مستشرقین اور مسلمانوں میں کچھ ایسے مؤرخین بھی ہیں جو صوفی کو یونانی لفظ''سوف'' سے ماخوذ مانتے ہیں۔علامہ ابوریحان البیرونی ۳۶۳-۴۴۰ھ/۹۷۳-۱۰۴۸ء) کے بقول:

هذا رأى السوفية وهم الحكماء فان 'سوف' باليونانية الحكمة وبهاسمى الفيلسوف پيلاسوپا اى محب الحكمة ولما ذهب فى الاسلام قوم الى قريب من رايهم سموا باسمهم. ۳۹

ترجمہ: یہ سوفیہ کی رائے ہے جو حکماء ہیں کیوں کہ سوف یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں اسی لیے فلسفی کو فلاسفر کہا گیا یعنی حکمت کا شیدائی، جب مسلمانوں میں ایک طبقہ ان کی رائے کے قریب ہو گیا تو وہ بھی انھیں کے نام سے موسوم ہوا۔۴۰

ملاّ کاتب چلپی (۱۰۱۷-۱۰۶۷ھ/ ۱۶۰۸-۱۶۵۷ء) کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ یہ اصطلاح اشراقیوں کی اصطلاح سے ماخوذ ہے۔(کشف الظنون،مصر،۱۲۷۴ھ۱:۲۲۲)

علامہ شبلی نعمانی (۱۲۷۲-۱۳۳۲ھ/ ۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ تصوف کا لفظ

''سین'' سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا۔ یونانی زبان میں یہ لفظ حکمت کے لیے بولا جاتا ہے۔[۴۱]

لفظ صوفی کے اشتقاق کی حقیقت جاننے کے لیے صرف مسلم مؤرخوں ہی نے طبع آزمائی نہیں کی بلکہ مستشرقین نے بھی اس کی تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن یہاں بھی حالت یہ ہے کہ لفظ صوفی کی تحقیق پر مستشرقین کی رائے ایک نہیں بلکہ مختلف ہے۔ مثلاً وان ہیمر Van Hamer (۱۲۴۳-۱۳۰۶ھ/ ۱۲۲۸-۱۸۸۹ء) کے بقول صوفی کا لفظ Gymmosophist سے نکلا ہے جس کا معنی ہے عریاں حکیم اور تارک الدنیا۔ قدیم زمانے میں یونانی اس لفظ کا استعمال ان لوگوں کے لئے کرتے تھے (خاص کر قدماء ہنود کے لیے) جو ذکر و فکر اور زہد و عبادت میں رہا کرتے ، مگر یہاں بھی لفظی مقاربت کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں پائی جا رہی ہے۔[۴۲]

مارکس Merks ایک مشہور جرمنی نژاد مستشرق بھی وان ہیمر کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔[۴۳]

تھیوڈر نالڈیکی Theodor Naldeke (۱۸۳۶-۱۹۳۰ء) ایک بڑے مشہور مستشرق گزرے ہیں جنھیں کئی زبانوں کا علم تھا۔ تاریخ القرآن، رسول اللہ کی سوانح حیات اور معلقات خمسہ انھیں کی تصانیف ہیں۔ لفظ صوفی کی تحقیق کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ Sigma یہ یونانی زبان ہے اور اس کے لیے عربی زبان میں ''س'' آتا ہے نہ کہ ''ص'' اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آرامی زبان میں کوئی لفظ اس طرح کا نہیں جسے ''سوفوس'' اور ''صوفی'' کی درمیانی صرت کہا جا سکے۔[۴۴]

لہٰذا تھیوڈر نالڈیکی کی رائے کو بھی معقول دلیل نہ ہونے کی بنیاد پر نا قابلِ اعتبار مانا گیا۔

بیان کردہ لفظ ''صوفی'' کے تمام ماخذ اور مسلم اور غیر مسلم تمام مؤرخوں کی اس پر تحقیق کے تجزیے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف کے صرف دو ایسے ماخذ ہیں جن کی تائید میں مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں کی کثیر تعداد متفق نظر آتی ہے وہ ہے لفظ ''صفہ'' اور ''صوف''۔ ''صفہ'' چبوترہ کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کے شمال کی جانب ایک چبوترہ تھا، اس چبوترے پر جو صحابہ کرام قیام کرتے تھے، انہیں ''اصحاب صفہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ صحابہ کی جماعت تھی جو نہایت ہی غریب تھے اور ان کے فقر و توکل کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی روز تک فاقے کی حالت میں گزر جاتا تھا، بقول ڈاکٹر غلام قادر لون، دورِ نبوی میں صفہ کی حیثیت ایک کیمپ کی تھی جہاں غیر مستطیع مہاجرین قیام کرتے تھے۔ اہل تصوف میں اکثریت ان حضرات کی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''اصحاب صفہ'' ہمارے پیش رو تھے۔ حضرت شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ

صحابۂ کرام میں کچھ لوگ مستقل طور پر مسجد نبوی میں قیام پذیر تھے، ان لوگوں نے دنیا ترک کر دی تھی حتیٰ کہ کھانا کھانا بھی ترک کیے ہوئے تھے ان کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُونَ وَجْهَهُ.[۴۵]

ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضامندی کا قصدر کھتے ہیں۔[۴۶]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۹-۶۳۲ھ/ ۱۱۴۵-۱۲۳۴ء) کی بھی یہی رائے ہے کہ صفہ ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے بعد میں صوفی نام معروف ہوگیا اور قرآن مجید میں اصحاب صفہ کے لیے مذکورہ آیت کریمہ بھی نازل ہوئی۔ آپ نے لفظ ''صوفی'' کے اثبات پر کئی مثالیں بھی دی ہیں لیکن صفہ پر زیادہ زور دیتے ہوئے ایک حدیث بھی نقل کی جسے شیخ ابوزرعہ نے اپنے مشائخ کی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَوْمَ كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسىٰ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْف وَسَرَاوِيْل صُوْفٍ وَكِسَاءُ صُوْفٍ وَعَهُ مِنْ صُوْفٍ وَنَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِحِمَارٍ غَيْرِ ذَكيٍ.[۴۷]

جس دن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور پر کلام فرمایا تو وہ صوف کا جبہ، صوف کی سلوار، صوف کی چادر جس کی آستین بھی صوف کی تھی پہنے ہوئے تھے اور آپ کے پاؤں میں گدھے کی کھال کی جوتی تھی جو بغیر کمائے ہوئے چمڑے کی تھی۔[۴۸]

عربی قواعد کے اعتبار سے اگرچہ ''صفہ'' سے صوفی کا اشتقاق درست نہ ہو مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور اصحاب صفہ کی گزر بسر صوفیہ کے گزر بسر سے قریب قریب مشابہت رکھتی ہے۔ بیش تر مسلم مؤرخین اور مستشرقین نے صوفی کو ''صوف'' سے ماخوذ بتایا ہے۔ ''صوف'' کہتے ہیں ''اون'' کو یعنی یہ لوگ ہمیشہ اون کا

لباس زیبِ تن کیا کرتے اور کوئی زیب و زینت اختیار نہیں کرتے تھے۔ صوفیہ کے اسی ظاہری لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ ابونصر سراج طوسی (م ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء) لکھتے ہیں کہ:

''میں نے ان کے ظاہری لباس ہی سے انھیں منسوب کیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے) کیونکہ اون کا لباس پہننا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء واصفیاء کا شعار رہا ہے، جیسا کہ بیشتر روایات اس کی موید ہیں۔''۴۹

حضرت ابوبکر محمد بن ابراہیم الکلابازی (م: ۳۸۰ھ/۹۹۰ء) کے بقول صوفیہ کے ظاہری لباس ہی کی وجہ سے ان کا نام صوفیہ پڑا کیونکہ یہ لوگ زیب و زینت کے لیے یہ لباس نہیں پہنتے تھے:

انھیں اپنے لباس اور وضع کی بناء پر صوفی کہا گیا کیونکہ یہ لوگ ایسا نرم و نازک لباس نہیں پہنتے جس سے ان کے نفس کو حظ حاصل ہو اور خوشنما ہو۔ وہ تو صرف ستر ڈھانپنے کی خاطر لباس پہنتے تھے لہٰذا کھر درے بالوں اور گاڑھی پشم کے لباس کو اختیار کر لیتے تھے۔''۵۰

شیخ الکلابازی نے الصفا، الصفہ اور الصّف سے بھی معنوی طور پر صوفی کو ماخوذ بتایا ہے لیکن انھوں نے صوفی کا اشتقاق صوف سے قابلِ ترجیح اور درست بتایا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بھی اس کی تائید کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ ظاہری لباس سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کا نام صوفیہ پڑ گیا۔۵۱ علامہ ابن تیمیہ بھی یہی کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ صوفیہ نام پڑنے کی وجہ ان کا ظاہری لباس ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

''والنسبة فی الصوفیة الی الصوف لانه غالب لباس الزهاد:''۵۲

صوفیہ صوف سے منسوب ہیں کیونکہ زاہدوں کا لباس اکثر یہی ہوتا ہے۔۵۳

ان کے علاوہ علامہ ابن خلدون (۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) کی بھی یہی رائے ہے کہ صوفیہ صوف سے منسوب ہیں۔۵۴
مسلم مؤرخوں کے علاوہ مستشرقین میں رنالڈا لینے نکلسن (۱۸۶۸-۱۹۴۵ء) ۵۵

اور ایڈورڈ براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء) E. G. Brown, Aliterary ۵۶ لوئی ماسینون (۱۸۸۳-۱۹۶۲ء) ۵۷ اور ٹرمنگہام ۵۸ -J.S.Triminghem وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ

تصوف،صوف سے ماخوذ ہے۔

مذکورہ تمام مباحث کے تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ صوفیہ کی اصل ''صفہ'' اور ''صوف'' ہی سے منسوب ہے کیونکہ صوفیہ کی زندگی ان کا رہنا سہنا، کھانا پینا اور عبادت و ریاضت کے طریقے اصحاب صفہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور اصحاب صفہ کی طرح صوفیہ بھی صوف یعنی اون کا لباس پہنا کرتے ہیں۔صوف پوشی ہمیشہ سے اہل تصوف کا طریقہ رہا ہے۔شیخ علی ہجویری نے خرقہ پوشی کو سنت لکھا ہے۔۵۹

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لباسوں میں تمہارے لیے لباس صوف ہے تا کہ تم دلوں میں ایمان کی حلاوت محسوس کرو۔۶۰

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کپڑا رد نہ کرو جب تک اس پر پیوند نہ لگ جائے۔۶۱

ان تمام تفصیلات کے بعد لفظ ''تصوف'' کس سے ماخوذ ہے،اس پر یہاں شیخ شرف الدین کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

مخدوم جہاں حدیث رسول **ذهب الصفاء من الدنيا وبقيت الكدورة فالموت تحفة للمسلم** کے تحت ''تصوف'' کو ''صفا'' سے ماخوذ بتاتے ہیں۔پوری عبارت مندرجہ ذیل ہے:

> ''**التصوف ماخوذ من الصفا والصفاء محمود في كل لسان** ،
> صفا ستودہ شدہ است در ہمہ زبانہا وضد الکدورہ وضد صفا کدورت است ومذموم است در ہمہ زبانہا۔درخبر است از پیغامبر علیہ السلام فرمود کہ: **ذهب الصفاء من الدنيا وبقيت الكدورة فالموت تحفة للمسلم** ،
> گفت صفا از دنیا برفت و باقی ماند کدورت، پس مرگ امروز تحفہ بود ہر مسلمانی راپس ایں نام از صفا خاست وغالب شدہ است،ایں طائفہ را تا گویند رجل صوفی و جماعت ایشاں را متصوفہ گویند و نیز میگویند کہ ایں نام را مشاہد نیست از روئے عربیت نہ قیاسی نہ اشتقاقی واظہر آن است کہ ایں لفظ بر طریق لقب است از بہر صفا کہ در ایشاں است۔''۶۲

تصوف کی تعریفات واشتقاق کے بعد اگر ہم اہلِ تصوف کے جو معاملات ہیں ان کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان میں بہت سارے ایسے امور ہیں جو سب کے یہاں مشترک ہیں۔ مثلاً:

- اللہ تبارک وتعالیٰ سے دلی وابستگی اور اسی کی یاد میں مستغرق رہنا،
- دنیا سے بے رغبتی
- چلہ کشی
- مراقبہ
- بیعت وخلافت
- تزکیہ نفس کے ذریعہ اپنے اندر تبدیلی لانا
- سماع
- نذر ونیاز
- مزارات سے قربت
- کرامات
- لنگر کا انتظام

مذکورہ امور ایسے ہیں جو تما سلاسل کے بزرگوں کے یہاں مشترک ہیں بعض چیزوں میں کچھ اختلاف ضرور ہے مثلاً سماع اور کرامات وغیرہ

تصوف کی چند اصطلاحات

زمانۂ قدیم سے اہلِ تصوف کے یہاں کچھ ایسی اصطلاحات رائج ہیں جن پر صدیوں سے عمل کیا جارہا ہے۔ اب یہاں پر کچھ اصطلاحات ان کے معنی کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

- شریعت: دین کے وہ احکام جو ظاہر وباطن دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔
- طریقت: شریعت کے علاوہ وہ طریقے جن پر عمل کر کے اللہ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- حقیقت: دلوں پر بعض ایسے معاملات کا انکشاف جو حقیقت پر مبنی ہو۔
- سیر: اہلِ تصوف کے نزدیک سیر انسان کے اس سفر کو کہتے ہیں جو اللہ کی جانب ہو۔

- سالک: اسے کہا جاتا ہے جو اللہ کی جانب سفر کرنے کا عزم کرے۔
- مرشد: راہِ سلوک میں رہنمائی کرنے والا جسے عام زبان میں پیر کہا جاتا ہے۔
- مرید: وہ انسان جو کسی پیر کی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا ہو۔
- بیعت: اگر لفظی معنی دیکھا جائے تو بیچنا کے آتے ہیں، اصطلاحی معنی کے اعتبار سے کسی انسان کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا جس میں اس کی حمایت کا عزم کیا گیا ہو۔ بیعت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان جب کسی پیر کے ہاتھ پر ہوتا ہے تو گویا اپنے آپ کو پوری طرح اس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اب پوری زندگی اپنے پیر کی رہنمائی میں گزاریں گے اور کبھی اس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اسی طرح پیر بھی پوری زندگی اس کی رہنمائی کرتا ہے چاہے وہ دنیاوی معاملات ہو یا دینی۔
- خلافت: یہ اصل میں نیابت کے معنی میں آتا ہے یعنی پیر اپنے مریدوں ں میں سے بعض کو ان کی قابلیت وصلاحیت کی بنیاد پر انتخاب کرتا ہے اور پھر ان کو خرقۂ خلافت عطا کرتا ہے اور یہ اجازت دیتا ہے کہ اب وہ بھی مرید کرنے کے حقدار ہیں۔
- صحبت: ساتھ ساتھ رہنا اور اس دوران اچھی چیزوں کو اپنے اندر اختیار کرنا۔
- معرفت: اس کا مطلب ہوتا ہے خدا اور بندے کے درمیان تعلق کا ادراک۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری اصطلاحات ہیں مگر سب کا یہاں ذکر کرنا موضوع کا حصہ نہیں، البتہ ، جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوگی وہاں اس کو ذکر کیا جائے گا۔

مقاصد تصوف

نفس کی پاکیزگی پر صوفیاء عظام بہت زور دیتے ہیں۔ اللہ رب العالمین قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا. فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا. قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا. وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا.[۶۳]

نفس کی قسم اور اس کی جس نے اسے سنوارا پھر اس نے اس کی برائی اور اس کا تقویٰ اس کی جانب الہام کر دیا، جس نے اسے پاکیزہ کر لیا وہ کامیابی کو پہنچ

گیا اور جس نے اسے دبایا وہ نامراد ہوا۔

جو اہل تصوف ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس نفس انسانی کو پاکیزہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی کو سنوارنے اور اس کا تزکیہ کرنے کا نام تصوف ہے۔ معاملات میں دو پہلو ہوتے ہیں چاہے وہ دینی ہوں یا دنیاوی۔ جہاں تک دینی معاملات کا تعلق ہے اس میں بھی دو پہلو ہوتے ہیں ایک کو ظاہری اور دوسرے کو باطنی کہا جاتا ہے۔ دینی معاملات کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، کسی کی مدد کرنا، حج کرنا، والدین کا ادب و احترام بجالانا وغیرہ۔ ان سب کا ایک باطنی پہلو بھی ہے، مثلاً کوئی شخص زکوۃ دے تو اس میں دکھاوا نہ ہو، صرف اللہ کے لیے دے۔ نماز پڑھنے والا شخص یہ سمجھتے ہوئے نماز پڑھے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ سمجھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح روزہ دار خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے روزہ رکھتا ہے اور وہ اس کی لذت محسوس کرتا ہے۔ ایک صوفی بزرگ سید شبیر احمد کاخیل اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''حقیقت میں کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو ظاہراً کرنے کے ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ اور کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو کہ دل کے اعمال ہوتے ہیں جس کا پتہ کسی اور کو نہیں چلتا، اس کا پتہ صرف اللہ کو یاد کرنے والے کو ہوتا ہے اور ان ہی اعمال پر ظاہری اعمال منحصر ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے یہ دل والے اعمال درست نہ ہوں تو چاہے اس کے ظاہر کے اعمال کتنے ہی درست ہوں وہ قبولیت کا درجہ نہیں پاتے۔ یا بعض دفعہ یہ ظاہری اعمال ان باطنی اعمال کی خرابی کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان باطنی یعنی دل کے اعمال کا درست کرنا بھی ضروری بلکہ اشد ضروری ہوا۔ پس وہ طور طریقے اختیار کرنا جن سے یہ دل والے اعمال درست ہو جائیں تصوف کہلاتا ہے۔ شریعت کے طور طریقوں کو چونکہ فقہ بھی کہتے ہیں لہٰذا ان معنوں میں تصوف کو فقہ الباطن بھی کہا جاتا ہے۔'' [۶۴]

تصوف کو زہد کہا جائے یا تقویٰ، احسان کہا جائے یا پرہیزگاری، اس میں کام صرف دلوں کی صفائی کا ہوتا

ہے۔جس طرح دل میں کان، زبان، ناک اور دہن کے ذریعے جو آلودگیاں آتی ہیں ان کا تدارک اور تلافی کی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح تصوف کے ذریعہ انسان کو انسان اور مسلمان کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔ دلوں سے تکبر، برتری، حسد، کینہ، ریاکاری، بدگمانی، خود پسندی وغیرہ کو نکال کر اس میں تواضع، اخلاص، نیک نیتی، توکل اور خود احتسابی کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے اور انسان کے دلوں کو مادہ پرستی سے نکال کر خدا پرستی کی طرف لگا دیا جاتا ہے۔ اس کو ہر دم یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا ہے، تمہارا وجود کیونکر ہے اور تمھیں یہاں کرنا کیا ہے۔ تصوف میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے صرف اللہ کے لیے کرنا ہے۔

سلاسل طریقت کے وجود میں آنے کی وجوہات

سلاسل طریقت کی بنیاد کیوں پڑی اور کن وجوہات کی بنا پر یہ سلاسل وجود میں آئے اس حوالے سے میں تین اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) حضور ﷺ کے بعد مسلمانون کے درمیان جب احوال و معارف اور نکات کی کثرت ہوگئی تو اب ایک عام فہم آدمی کے لئے دشوار تھا کہ وہ کس راہ پر چلے اور کسے اپنائے اور کسے ترک کرے۔ چنانچہ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک ایسے منظّم طریقے اور سلسلے کو اپنائے جس کو وہ زیادہ موزوں تصور کرتا ہے۔ اور چونکہ انسانی طبائع میں اختلاف ہے مثلاً ایک ذکر یا کوئی وظیفہ ایک شخص کو تو فائدہ پہنچاتا ہے مگر وہی ذکر دوسرے شخص کے لئے اتنا مفید ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے صوفیۂ کرام نے مختلف اوراد و وظائف کو مریدین و متوسلین کی فطری مناسبت کے لحاظ سے یکجا کر دیا کہ ایک جیسی فطری طبیعت کے تقاضے رکھنے والے ایسے وظائف کو اپنائیں تو اپنا راستہ تیزی سے طے کرلیں۔ اس طرح انسانی طبیعتوں کا اختلاف اور مختلف نفوس کے مزاج کا جدا جدا ہونا مختلف سلاسل طریقت کے وجود میں آنے کا پہلا سبب بن گیا۔

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ راہ طریقت و تصوف کا سفر کسی صاحب نظر کی صحبت اور کسی سلسلہ کے روحانی فیضان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا، اس لئے اس روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے بھی بہت سے لوگ از خود روحانی منازل طے کرنے کے لئے مشائخ سے منسلک ہو کر سلسلے قائم کرتے رہے اور اس طرح سے مختلف سلاسل کا وجود ہوتا چلا گیا۔

(۳) سلوک طریقت کا تیسرا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ اکثر مشائخ اور بعض قوی روحانی قوت رکھنے والے بزرگوں کے دل پر خصوصی وظائف القاء ہوتے ہیں، قرآن وسنت میں بیان کردہ مفید اذکار یا صحابہ و تابعین کے اشغال میں سے بعض ان پر منکشف ہوئے وہ بطور خاص کسی ذکر یا ورد کو اس روحانی مرض کے ازالے کے لئے مفید پاتے ہیں تو یوں ان اذکار کی تعلیم پانے والے اور اجازت لینے والے اس راہ پر چلنے لگتے ہیں تو ایک تو ان کے لئے راستہ آسان ہوتا ہے اور روحانی الجھن ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح ایک نیا خانوادہ یا سلسلہ وجود میں آ جاتا ہے۔

سلاسل کی ابتدا

دنیا کے بیشتر ممالک میں مختلف ناموں سے سلاسل تصوف وجود میں آ چکے ہیں اور سب اپنی سطح پر فروغ پا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں جو سلسلہ جہاں بھی قائم ہوا وہاں کے حالات سے وہ سلسلہ ہم آہنگ نظر آتا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ سلسلے کو پھلنے پھولنے میں کسی بھی طرح کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

سلاسل تصوف کے پھیلنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک پیر اور مرید کے رشتے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اہل تصوف اس میں نسبت اور تعلق پر خوب زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ درویشی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کسی شیخ کی بیعت نہ کی جائے۔ مرید بننے کے سلسلے میں صوفیہ ایک قول بھی نقل کرتے ہیں:

''**من لیس لہ، شیخ فشیخہ، ابلیس**''، یعنی جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر ابلیس ہے۔ ۶۵

حضرت امام قشیری نے یہ قول ان الفاظ میں بایزید بسطامی سے منسوب کیا ہے۔ **من لم یکن له استاذ فامامه ا لشیطان ۶۵**

حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ یہ مشائخ کا قول ہے۔ ۶۶ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے قول صوفیہ کے طور پر اسے اس طرح سے نقل کیا ہے:

من لم یکن له، استاذ فان الشیطان استاذة۔ ۶۷

اصل میں یہ حدیث نہیں بلکہ بایزید بسطامی کا قول ہے۔

بیعت:

بیعت کے سلسلے میں صوفیاء کرام قرآن مجید کی سورۂ فتح سے یہ آیت کریمہ دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم. ۶۸

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے

ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اور حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہے کہ لوگوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی، کبھی ہجرت اور جہاد پر کبھی ارکان اسلام کے قیام و ادائیگی پر اور کبھی جہاد میں ثابت قدمی پر۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعض مواقع پر سنت کی پیروی، بدعات سے بچنے اور عبادات الٰہی میں شوق و ذوق پیدا کرنے پر بھی آپ ﷺ سے بیعت کی گئی۔ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ سے جو عمل اہتمام اور عبادت کے طور پر ثابت ہے اس کی حیثیت دینی سنت کے طور پر مسلم ہے۔ ۶۹

اس کے بعد بھی یہ سوال اٹھتا ہے کہ بیعت اصل میں ہے کیا؟ سنت ہے یا واجب ہے یا بیعت کے سنت ہونے میں حکمت کیا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا موقف یہ ہے کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں۔ یقیناً صحابۂ کرام نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کیا، یہ صحیح ہے۔ اس کے باوجود کسی شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تارک بیعت کو گناہ گار قرار دیا گیا ہو۔ اس پر ائمہ کرام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ گویا بیعت کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے۔ ۷۰

صوفی سلسلوں کو اہمیت اس لئے دی جاتی ہے کہ ہر مرید اپنے مرشد یا پیر سے وابستہ ہوتا ہے اور وہ پیر اپنے پیر و مرشد سے۔ اس طرح یہ پیری مریدی کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے تصوف کی اصطلاح میں ''سلسلہ'' کہا جاتا ہے اور ہر سلسلہ کی مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب ہوتا ہے یا موسوم ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا میں زیادہ تر چار سلسلے پائے جاتے ہیں ان میں سب سے مشہور سلسلہ چشتیہ ہے جو خواجہ معین الدین چشتی (۶۲۷۔۵۳۵ھ مطابق ۱۲۳۰۔۱۱۴۱ء) کی طرف منسوب ہے۔ اس کے علاوہ نقشبندیہ سلسلہ جو خواجہ بہاء الدین

نقشبند (۷۹۱۔۷۱۷ھ مطابق ۱۳۸۹۔۱۳۱۸ء) کی طرف منسوب ہے۔اسی طرح سلسلہ قادریہ شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱۔۴۷۰ھ مطابق ۱۱۶۶۔۱۰۷۷) سے منسوب ہے اور سلسلہ سہروردیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲۔۵۴۳ھ مطابق ۱۲۳۴۔۱۱۴۸ء) سے موسوم ہے اور سلسلہ فردوسیہ، حضرت شیخ رکن الدین فردوسی (۶۳۳۔۶۹۹ھ) کی طرف منسوب ہے۔مذکورہ سلاسل کا مختصراً تذکرہ آگے کیا جائے گا۔

چشتی، قادری اور سہروردی سلسلوں کے شیوخ کا کہنا یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اپنا تعلق رسول اللہ ﷺ سے قائم کرتے ہیں جبکہ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ایسا کرتے ہیں۔یہی سلسلہ وسطی ایشیا اور ترکی میں بھی پھیلا ہوا ہے۔

مذکورہ تمام سلسلوں کی پھر متعدد شاخیں ہیں، مثلاً چشتی سلسلے کی ہندوستان میں دو بڑی شاخیں ہیں جو سلسلہ صابریہ، شیخ علاؤالدین صابر کلیری (۶۹۰۔۵۹۲ھ مطابق ۱۲۹۱۔۱۱۹۶ء) سے اور سلسلہ نظامیہ، حضرت نظام الدین اولیاء (۷۲۵۔۶۳۵ھ مطابق ۱۳۲۵۔۱۲۳۸ء) سے منسوب ہوکر معروف ومشہور ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی معروف ومشہور شاخ مجددی ہے جو حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (۱۰۳۴۔۹۷۱ھ مطابق ۱۶۲۴۔۱۵۶۴ء) سے منسوب ہے۔ ہند وپاک کے زیادہ تر نقشبندی سلسلہ سے وابستہ حضرات کا تعلق مجددی شاخ سے ہے۔وسطی ایشیا میں اس کی اور بھی شاخیں پائی جاتی ہیں۔جنوبی ایشیا سے باہر متعدد سلسلے پائے جاتے ہیں جن میں رفاعی، شاذلی، تیجانی، بختاشی، مولوی، سنوسی، تیجانی، نعمت اللہی، قلندری، نوربخشی وغیرہ۔ملک شام، لبنان، کویت اور مصر میں بالعموم رفاعی اور شاذلی سلسلوں کا زیادہ زور ہے۔ترکی مین زیادہ تر مولویہ سلسلہ پایا جاتا ہے جو مولانا روم (۶۷۱۔۶۰۳ھ مطابق ۱۲۷۳۔۱۲۰۷ء) کی طرف منسوب ہے۔اسی طرح شمالی افریقہ میں سنوسی اور تیجانی، ایران میں نعمت اللہی اور مشرقی یورپ میں بختاشی، اور انڈونیشیا میں نقشبندی وقادری سلسلے زیادہ پھیلے ہوئے ہیں۔

مذکورہ معروف ومشہور سلسلوں کے علاوہ ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے جن کے مشائخ کا کہنا ہے کہ وہ براہ راست حضرت اویس قرنی کی روح سے فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں جو کہ ایک تابعی بزرگ تھے۔سلسلہ اویسیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک مرید، صدیوں پہلے کے کسی شیخ سے براہ راست تعلق قائم کرنے کا دعوی کرسکتا ہے جبکہ باقی سلسلوں میں یہ ضروری ہے کہ مرید کسی ایسے شیخ کو اپنا مرشد بنائے گا جو اس کے

زمانے میں موجود ہو۔اسی لئے دوسرے سلاسل کے مشائخ سلسلہ اویسی کے اس طریقے کو نہیں مانتے۔

سلاسل کی قدامت پر اگر غور کیا جائے تو چند ہی سلاسل ایسے ہیں جو قدیم ہیں باقی سب ان کی شاخیں ہیں اور پھر شاخ در شاخ نکلتی چلی گئی لیکن کون کتنا قدیم اور کون سب سے پہلے وجود میں آیا یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

پروفیسر رضی احمد کمال، پروفیسر خلیق احمد نظامی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سلاسل کے سلسلے میں تاریخی اعتبار سے کچھ کہنا آسان نہیں ہے۔اے

جن سلاسل کو قدیم مانا گیا ہے ان میں سلسلہ فردوسیہ بھی سرفہرست ہے کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سلسلہ فردوسیہ کے موجد اعلیٰ شیخ نجم الدین کبریٰ (م ۱۲۲۱ء) ہیں اور اس سلسلہ کو تیرھویں صدی عیسوی میں شیخ رکن الدین فردوسی نے باضابطہ ''فردوسیہ'' نام دے کر متعارف کرایا۔اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ بھی قدیم ہے اور خلیق نظامی صاحب کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بہرحال قدامت کے اعتبار سے یہ تین سلسلے پہلے شمار کیے جاتے ہیں:

(۱) سلسلہ خواجگان

(۲) سلسلہء کبرویہ اور

(۳) سلسلہ فردوسیہ''۲ے

ہندوستان میں سلاسل طریقت

ہندوستان میں فروغ پانے والے سلاسل تصوف میں ایک دو کو چھوڑ کر زیادہ تر ایسے ہیں جن کے ناموں کی نسبت مشائخ کے ناموں کی طرف ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی سلسلہ کی متعدد شاخیں ہیں مثلاً سلسلہ چشتیہ کی شاخ نظامیہ حضرت نظام الدین اولیاء کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور صابریہ، شیخ علاء الدین صابر کلیری کی طرف نسبت کرتے ہوئے مشہور ہوئی۔

ہندوستان میں جن سلاسل نے کام کیا اور ہر طرف اپنی اپنی خانقاہیں قائم کیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت ان پانچ سلاسل کو ہی حاصل ہوئیں:

(۱) سلسلۂ چشتیہ

(۲)　سلسلۂ سہروردیہ

(۳)　سلسلۂ قادریہ

(۴)　سلسلۂ نقشبندیہ

۵)　سلسلۂ فردوسیہ

ہندوستان میں فروغ پانے والے سلاسل کے بارے میں زیادہ تر مؤرخوں نے صرف چار سلسلوں کا ذکر کیا ہے، یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ، جبکہ سلسلۂ فردوسیہ بھی اسی زمانے میں فروغ پا رہا تھا۔ بعض مؤرخوں نے چاروں سلسلوں کے ساتھ ساتھ سلسلۂ فردوسیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل نے آئینہ اکبری میں اور پروفیسر خلیق نظامی نے ''مشائخ چشت'' میں دیگر سلسلوں کے ساتھ سلسلۂ فردوسیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہاں پر سلسلۂ فردوسیہ کے علاوہ چار سلسلوں کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ

سلسلۂ چشتیہ کا نام کسی بزرگ شخصیت کے نام کی طرف منسوب نہیں بلکہ خراسان ایران کے شہر چشت کی طرف منسوب ہے۔ ایک زمانے میں یہ شہر علم وعرفان کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے علماء وصوفیہ یہاں قیام فرماتے اور دور دراز کے طلبہ یہاں حصولِ علم کی خاطر تشریف لاتے تھے۔ چشتیہ سلسلے کی ابتداء چونکہ اسی شہر میں ہوئی لہٰذا شہر چشت کی نسبت سے چشتیہ کہلایا۔ شہر چشت پہلے اس قدر معروف مشہور نہیں تھا۔ یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شہر کو جو شہرت وعظمت ملی وہ سلسلہ چشتیہ کی دین ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابواسحاق شامی چشتی (م ۳۲۹ھ بمطابق ۹۵۰ء) پہلے شخص ہیں جن کے ذریعہ اس سلسلے کا آغاز ہوا۔ ہندوستان میں حضرت معین الدین چشتی (۵۳۶-۶۳۳ھ/۱۱۴۲-۱۲۳۶ء) چشتی سلسلہ کے مشہور بزرگ ضرور ہیں مگر اس سلسلہ کے بانی نہیں ہیں جیسا کہ عام طور سے کہا جاتا ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کو فروغ دینے والے آپ پہلے چشتی بزرگ ہیں۔ حضرت ابو اسحاق شامی سے قبل چشتی کی صفت نسبتی نہیں ملتی ہے۔ آپ کے بعد اس سلسلے میں داخل ہونے کے بعد چشتی لکھنے کا رواج قائم ہوا۔ حضرت ابواسحاق کی خدمت میں حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری (متوفی ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء) تشریف لائے اور حصولِ علم کی خاطر زانوئے تلمذ طے کیا۔ یہاں سے علم روحانی وعرفانی حاصل کرنے

کے بعد آپ کو شہر چشت جانے کا حکم ہوا۔ چشت پہنچ کر آپ نے اپنی خانقاہ قائم کی، رشد و ہدایت کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس سے ہزاروں لوگ منسلک ہو کر راہِ راست پر آ گئے اور یہ سلسلہ اس قدر فروغ پایا جو آج تک اپنی روشنی بکھیرے ہوا ہے۔

مؤرخین سلسلہ چشتیہ کو بھی دیگر صوفی سلسلوں کی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جوڑتے ہیں۔ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر حضرت معین الدین چشتی سنجری تک چشتی سلسلے کے مشائخ عظام کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۲۔ حضرت خواجہ حسن بصری

۳۔ حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد ابن زید

۴۔ حضرت خواجہ ابی الفیض فضل ابن عیاض

۵۔ حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخی

۶۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشی

۷۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصری

۸۔ حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری

۹۔ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی

۱۰۔ حضرت خواجہ ابی احمد ابن فرستافتہ الچشتی

۱۱۔ حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی

۱۲۔ حضرت خواجہ ابی یوسف چشتی

۱۳۔ حضرت خواجہ مودود چشتی

۱۴۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی

۱۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی

۱۶۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری

ہندوستان میں چشتی مشائخ تیرہویں صدی اور چودہویں صدی کے دوران آئے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے چشتی بزرگ جو ہندوستان تشریف لائے وہ شیخ محمد ترک تھے اور یہ تیرہویں صدی کے ابتدائی دور میں ترکستان سے تشریف لائے تھے۔ آپ خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے۔ نرنول میں ایک کنویں کے کنارے آپ کا مزار ہے۔ اس وقت اس جگہ پر سبزہ ہے۔ آپ کو عید کے دن ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درگاہ خواجہ اجمیری کی درگاہ سے قدیم ہے۔

> تاریخی حوالوں سے ہندوستان میں آنے والے بزرگوں میں آپ کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ سولہویں صدی میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کا ذکر بہت ہی اختصار کے ساتھ کیا ہے۔[۳]

شیخ ابومحمد ترک بن ابی احمد چشتی سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔

> ''جس زمانے میں سلطان محمود غزنوی سومناتھ کی لڑائی کے لیے گیا ہوا تھا، خواجہ کو خواب میں دکھائی دیا کہ تم کو اس کی مدد کو جانا چاہیے۔ چنانچہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ متوجہ ہند ہوئے اور وہاں بہ نفسِ نفیس مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔''[۴]

اس وقت تک ہند میں سلسلۂ چشتیہ کا تعارف نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی اس سے واقف تھا۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان تشریف لائے تو باضابطہ طور پر اس سلسلے کا تعارف کرایا اور اس کو فروغ دیا۔

> پروفیسر یوسف حسین لکھتے ہیں کہ چشتیہ سلسلہ ہندوستان میں سب سے پہلے خواجہ عبدل چشتی کے ذریعہ ہی آچکا تھا لیکن اس سلسلہ کا تعارف اور فروغ خواجہ معین الدین چشتی سنجری کے ذریعہ ہوا۔

> "The order of the chishti founded by Khawaja Abdul Chishti. (d.AD966) was

introduced in to India by Khawaja Muinuddin Chishti,"75

خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان کب آئے اس میں مؤرخوں کا اختلاف ہے۔ کہیں سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس سن میں آئے اور نہ حضرت خواجہ کے ہندوستان کے ابتدائی حالات کا پتہ چلتا ہے، جو کچھ ملتا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔

خواجہ معین الدین سنجری کے ہندوستان آنے کے سلسلے میں شیخ سید محمد مبارک کرمانی المعروف بہ میر خرد لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں شیخ معین الدین اجمیر تشریف لائے اس وقت رائے پتھورا ہندوستان میں حکومت کرتا تھا، اور اجمیر میں اس کا تسلط خاص تھا۔ جب شیخ نے اجمیر میں سکونت اختیار کی تو خود پتھورا اور اس کے مقربوں کو آپ کا وہاں رہنا نہایت شاق و ناگوار گزرا۔

''حضرت سلطان المشائخ می فرمود چوں حضرت شیخ معین الدین طاب الله مضجعۂ در اجمیر آمدپتھورا رائے مملکت ہند در اجمیر بود چوں شیخ در اجمیر سکونت ساخت پتھورا ومقربان اورا دشوار می آمد.'' ۷۶

پروفیسر یوسف حسین لکھتے ہیں کہ

''خواجہ معین الدین چشتی ۱۱۹۰ء میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور لاہور میں موجود حضرت علی ہجویری کے آستانہ پر کچھ دنوں تک قیام کیا پھر وہاں سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔'' ۷۷

جس وقت خواجہ معین الدین لاہور سے دہلی آئے اس وقت ہندوستان میں پرتھوی راج کی حکومت تھی۔

"From Lahore Khawaja Muinuddin Chishti went to Delhi and then to Ajmer which was ruled by Rai Prithvi Raj" (Glimpses of

Medival India, p.36)ے ۸

ڈبلیوٹرول نے سید اطہر عباس رضوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ معین الدین چشتی ۱۲۰۶ء میں اجمیر میں سکونت پذیر ہوئے۔

"Differing from Yosuf Husain and other scholars, S.A.A. Rizvi States, on the basis of sixteenth and early seventeenth century works, that Shaikh Muinuddin sijzi came to India and Settled in Ajmer in 1206, during the reign of sultan Qutbuddin Aibak" ے ۹

دیگر مؤرخوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین جب ہندوستان آئے اس وقت ہندوستان میں پرتھوی راج کی حکومت تھی۔

اجمیر میں قیام کے دوران خواجہ غریب نواز نے جس طرح تبلیغ دین کی خدمت انجام دی اور اپنے اخلاقِ کریمانہ کے جوہر دکھائے اس سے متأثر ہو کر ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب کا انتقال ۱۲۳۵ء میں ہوا۔ حضرت خواجہ کے خلفاء میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری اور خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ان حضرات نے سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان کے ہر گوشے تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اشغال

سلاسل صوفیہ میں تصوف کے بنیادی مقاصد کے بارے میں اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے۔ بعض امور مثلاً اوراد و اشغال، ذکر و فکر کے طریقے اور روحانی مشقوں کے بارے میں ان کے درمیان کچھ فرق بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ تمام سلسلوں سے وابستہ لوگ ایک دوسرے کے سلسلوں کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں سے مذکورہ چاروں سلسلوں کے اشغال اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے سلسلۂ چشتیہ کے ذکر و اذکار بیان کرتے ہیں:

اشغال مشائخ چشتیہ

سلسلۂ چشتیہ میں شیخ جس وقت مریدوں کو ارشاد و تلقین اور سلسلہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد دس بار انھیں استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں پھر دس مرتبہ درود شریف پڑھنے کا۔ اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہیں:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُمْ (النساء:۱۰۳) ترجمہ: اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

دستار بندی

مشائخ کے یہاں عمامہ باندھنا سنت مانا جاتا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ اس کا شملہ آگے یا پیچھے لٹکانا جائز ہے اور سنت یہ ہے کہ عمامہ ٹوپی کے اوپر سے باندھا جائے کیونکہ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ہفت کور دستار باندھتے تھے۔ ایک مرتب دوران محفل سماع دستار کا ایک کورہ کھل گیا تو آپ محفل سے باہر گئے اور کھلے ہوئے کورے کو درست کیا اور واپس محفل میں آگئے۔ کسی نے اس پر استفسار کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ میرے دستار کا ایک ایک کورہ ایک ایک اقلیم کے قیام سے مربوط ہے۔ اگر اسے نہ باندھتا تو احتمال تھا کہ ایک اقلیم درہم برہم ہو جاتی۔[۸۰]

مشائخ چشتیہ کے دستار باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کان دستار کے اندر ہوتے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ حق و باطل سننا نہیں چاہتے۔ ان کے نزدیک باطل جو مقابلہ حق کے ہے اس کا اصلاً وجود نہیں ہوتا۔ سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ چشتی درویش بالعموم رنگ دار کپڑے پہننا پسند کرتے، اور ان میں زیادہ تر ہلکے بادامی رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔[۸۱]

ذکرِ جلی

سلسلہ چشتیہ میں ذکر جلی ہے۔ ذکر جلی کیا ہے اس کے بارے میں مشائخ چشتیہ کہتے ہیں، جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نقل کیا ہے کہ انسان کی چھاتی کے نیچے دل ہے اور اس کی شکل چلغوزہ کی طرح

ہے۔اس کے دو دروازے ہیں۔اوپر والا دروازہ ذکرجلی سے کھلتا ہے اور نیچے والا دروازہ ذکرِخفی سے۔

ذکرِجلی کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ذکرِجلی کا ارادہ کرے اور چارزانو بیٹھے اور اس رگ کو پکڑے جسے کیماس کہا جاتا ہے پھر اپنے داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی کو دبا کر رکھتے ہوئے نماز کی ہیئت میں قبلہ رو ہوکر بیٹھے اور اپنی باطنی ہمت کو یکجا کر کے سختی اور کشیدگی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے یہ ذکر کرے: **لا الـــہ الـلـــہ** لفظ لا ناف سے نکالے اور اسے داہنے مونڈھے تک کھینچے پھر ''اِلہٰ'' دماغ کی جھلی (ام الـدمـاغ) سے نکالے گویا اس نے غیر اللہ کی محبت اپنے اندر سے باہر کر دیا ہے۔اب دوسری سانس لے اور **الا الـلـــہ** کو دل میں سختی اور قوت کے ساتھ ضرب کرے۔اس ذکر کو کرنے میں ذاکر کو بڑی مشکل پیش آتی ہے کیونکہ اس کا کرنا آسان نہیں ہے اسی لیے اس ذکر کو کرنے سے پہلے تاکید کی جاتی ہے کہ سالک اس کے کرنے سے پہلے اپنے ارادے اور باطنی قوت کو مجتمع کرے اور اس دوران خوراک بھی ٹھیک سے لیتا رہے۔ صرف چوتھائی معدہ خالی رکھے اور کچھ چکنائی بھی استعمال کرے تاکہ دماغ میں خشکی پیدا نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

> ''میرے والدمحترم نے مجھے بتایا کہ کیماس وہ رگ ہے جو زانوں کے نیچے ران کی طرف سے اترتی ہے اسے مشکل میں پکڑنا خیالات وخدشات سے چھٹکارے اور روحانی قوت کو ایک جگہ مرتکز کرنے کے لیے بے حد فائدہ مند ہے اور یہ عمل دل کو ایک عجیب گرمی اور کیفیت عطا کرتا ہے۔''[۸۲]

یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہے کہ اس طرح کی ذکر کی حقیقت کیا ہے اور کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں اور مشائخ عظام نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مشائخ چشتیہ اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

لاالہ الااللہ

اس کے ذکر کا ایک طریقہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اگر سالک اپنے پاس انفاس کا ارادہ کرے تو پہلے اپنی سانسوں کی حفاظت کرے۔جب سانس خارج کرے تو کہے **لا الہ** کہے اور دل میں یہ ارادہ ہو کہ خدا کے سواہر

ہر چیز کی محبت دل سے جدا کررہا ہے اور جب سانس اندر کھینچے تو الا اللہ کہے اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے دل میں صرف خدا کی محبت قائم کررہا ہے۔

مراقبہ

مراقبہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب کے معنی محافظ اور نگراں کے ہوتے ہیں۔ ذاکر اس کے ذریعہ اپنے دل کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ ذکر کرنے والا مراقبے کے وقت زبان سے کہے یا دل میں خیال کرے

> ''اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ شاہدی، اللہ معی'' یا اس آیت کریمہ کا ذکر کرے: اَلا إنه بکل شیءٍ محیط مشائخ چشت اس کے علاوہ مراقبہ کا ایک طریقہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سالک اللہ کی ذات کا تصور جمائے اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سالک اور قبلے کے درمیان موجود ہے اور وہ مشاہدہ کررہا ہے، دیکھ رہا ہے''۔۸۳؎

چلہ کشی

سلسلۂ چشتیہ میں جو شخص چلہ کرنے کا ارادہ کرے انھیں چند امور کا دھیان رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً

ہمیشہ روزہ رہے۔
رات کو قیام کرے۔
کھانا، پینا، بولنا اور لوگوں سے ملاقات کم کردے۔
ہر وقت باوضو رہے۔
غفلت کو اپنے اوپر حرام کرلے۔
اور دل ہمیشہ مرشد کی طرف لگا رہے۔

چلہ کشی کرنے والا جب حجرے میں داخل ہونے کے وقت داہنا پاؤں آگے بڑھائے اور پڑھے أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اس کے بعد تین مرتبہ قل اعوذ برب الناس اور جب بایاں پاؤں داخل کرے تو یہ دعاء پڑھے:اللّٰھم أنت ولی فی الدنیا والآخرۃ کن لی بما کنت لمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وارزقنی محبتک اللّٰھم ارزقنی حبک واشغلنی بجمالک واجعلنی من المخلصین اللّٰھم امح نفسی بجذبات ذٰلک یا انیس من لا أنیس لہ۔[۸۴]

پھر مصلّیٰ پر کھڑا ہو کر اکیس دفعہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرے:اِنی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والأرض حنیفاً وّما کان من المشرکین. (الانعام:۸۹)اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے طویل سجدے کے ساتھ۔[۱۰۵]

صلوۃ معکوس

مشائخ چشتیہ کے یہاں ایک خاص طریقے سے پڑھی جانے والی نماز ہے جسے صلوۃ معکوس کہا جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ بہت ہی مشکل ہے کیونکہ یہ نماز کسی کنویں میں الٹا لٹک کر پڑھی جاتی ہے۔فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء کا قول مذکور ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکر نے نماز معکوس پڑھی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے تھے کہ حضورﷺ کی نماز کے سلسلے میں مجھ تک جو کچھ بھی پہنچا میں نے وہ سب کچھ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضورﷺ نے ایک دفعہ نماز معکوس بھی ادا کی ہے۔ میں بھی گیا اور پاؤں رسی سے باندھے اور اپنے آپ کو سرنگوں ایک کونیں میں لٹکا دیا اور اسی طرح نماز پڑھی۔[۱۰۰]

نماز معکوس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شرع میں نماز معکوس کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔۸۵۔پھر بھی مشائخ چشتیہ کے یہاں اس کا ذکر ملتا ہے۔

صلوۃ کن فیکون

مشائخ چشتیہ کے یہاں ایک نماز صلوٰۃ کن فیکون کے نام سے بھی ہے جو کسی مصیبت یا مشکل سے بچنے کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

سماع

اس سلسلہ میں قوالی مزامیر کے ساتھ بڑے اہتمام کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ بہت سارے مشائخ ومریدین کو دوران سماع وجد وحال کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

سلسلۂ سہروردیہ

سہروردیہ سلسلہ بھی سلسلۂ چشتیہ کی طرح بہت قدیم ہے اور تحقیقی طور پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ اصل میں سلسلہ جنیدیہ کی شاخ ہے جو شیخ ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر سہروردی کے نام کی طرف منسوب ہے لیکن اس سلسلے کی تبلیغ واشاعت میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا کلیدی کردار ہے جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی (۶۶۵ھ بمطابق ۱۲۶۶ء) کے ذریعے آیا اور ہندوستان کے چہار جانب پھیلا۔ کشمیر میں سہروردیہ کبرویہ سلسلے کے بزرگ امیر کبیر سید علی ہمدانی نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کی۔

بنگال کے پہلے مشہور ومعروف مبلغ شیخ جلال الدین تبریزی گزرے ہیں جنھوں نے اسلام کا پیغام عام کیا جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ پٹن میں حضرت سلطان المشائخ اور حضرت چراغ دہلی نے بھی اپنے خلفاء بھیجے، جنھوں نے خوب اسلام کی تبلیغ کی اور اس سلسلے کو پھیلایا، لیکن دارالخلافہ شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے آستانے سہروردی سلسلے کی یادگار ہیں اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے سندھ مغربی پنجاب اور بلوچستان کو تو بابا فرید الدین بھی حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی سہروردی کی ولایت کا جزو مانتے تھے۔[۸۶]

اشغال سہروریہ

چشتیوں اور سہروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ اس امر کا آج بھی رواج چلا آرہا ہے کہ ایک شخص دونوں سلسلے کے بزرگوں سے شرف بیعت وخلافت حاصل کرسکتا ہے۔

دستار بندی

مشائخ سہروردیہ اجازت وخلافت دیتے وقت دستار بندی کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ طریقہ دستار بندی

طریقہ چشتیہ سے مختلف ہے۔ مشائخ سہروردیہ جبہ عمامہ باندھتے ہیں تو بایاں کان عمامہ کے نیچے لاتے ہیں اور دایاں کان کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ لوگوں کے عیوب ونقائص نہیں سننا چاہیے، لیکن یہ بھی تاکید کرتے ہیں کہ واعظ ونصیحت سننے کے وقت کان کھلے رہیں۔ ۸۷

ذکر

سلسلہ سہروردیہ میں سانس بند کرکے ''اللہ ہو'' کا ورد کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ دوزانوں بیٹھ کر جس طرح تشہد میں بیٹھتے ہیں، 'اللہ ہو اللہ ہو' کا ورد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ذکر جلی وخفی

اس سلسلہ میں ذکرِ جلی اور ذکرِ خفی دونوں ہی طریقہ رائج ہے۔ کچھ مخصوص طرح کے اوراد مشائخ اپنے مریدوں کو مرید کرتے وقت بتاتے ہیں جس کو وہ آہستہ اور بلند آواز دونوں طرح سے کرتے ہیں۔

تلاوتِ قرآن

مشائخ سہروردیہ اپنے مریدوں کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر خوب زور دیتے ہیں۔
مشائخ سہروردیہ احکام شرعیہ میں بہت ہی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

سماع

سہروردیوں کے یہاں سماع کا رواج چشتیوں سے کم ہے۔ یہ لوگ سماع سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ مشائخ سہرودیہ کے نزدیک سماع کا مطلقاً انکار ممنوع ہے۔ ۱۰۱ دوران سماع وجد وحال کی کیفیت یہاں بھی پائی جاتی ہے۔

خدمتِ خلق

اس امر کی تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی خدمت کرے اور ان کی تکلیف کو دور کرے اور اگر ان سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرے اس پر اعتراض نہ کرے اور ہر ایک کی قدر اس کے مرتبہ کے موافق کرے۔ ۸۸

خدا کے ساتھ حسن ادب

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ حسن ادب کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کوئی عضو بجز رضائے الٰہی کے حرکت نہ کرے۔

زبان کا ادب

زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے اور اپنے بھائیوں کا ذکر بھلائی سے کرے اور ان کو دعاء دیتا رہے اور ان سے ایسی بات نہ کہے، جو ان کو ناگوار ہو۔[89]

چلہ کشی

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی چلہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ چلہ کشی ایسی چیز نہیں جس کا وقت مقررہ پر ادا کرنا بہت ضروری ہے، یا اس کا نہ کرنے والا راہ سے ہٹا ہوا ہے بلکہ چلہ کے ذریعہ مرید کو پابندی وقت کا عادی بنایا جاتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ پابندی وقت کے ساتھ کام انجام دے سکے اور اس طرح سے خلوت میں ذکر واذکار کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین چلہ کی اصل ایک حدیث سے پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> **مـن اخـلـص لِلّٰہِ اَربَعِیْنَ صباحاً طهرت بنا بِیُعُ الحکمة من قلبه علی لسانه.** [90]
>
> جس نے چالیس دن اللہ کے واسطے خالص کر دیے (چالیس دن خلوص کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہا) تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے پھوٹ کر اس کی زبان پر آجاتے ہیں۔

سلسلۂ قادریہ

سلسلۂ قادریہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام کی طرف منسوب ہے اور اس سلسلہ سے وابستہ حضرات

اپنے نام کے آخر میں ''قادری'' لکھتے ہیں۔ شیخ جیلانی کی ولادت نیف میں ۱۱ر ربیع الآخر ۴۷۰ھ بمطابق ۱۰۷۵ء میں ہوئی۔ یہ قصبہ بحیر خزر (کیپین سی) کے جنوب میں گیلان کے قریب واقع تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری کے بقول اس قصبہ کو جس میں شیخ جیلانی کی ولادت ہوئی جیل یا گیل بھی کہتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو جیلانی یا گیلانی کہا جاتا ہے۔ آپ کے ایک شعر سے بھی اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

انا الجیلی ومحی الدین اسمی

واعلامی علی الرأس الجبال ۱۹؎

نام، سید عبدالقادر۔ کنیت ابومحمد۔ لقب محی الدین۔ خطاب محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی اور عرف عام میں غوث الثقلین وغوث الاعظم سے آپ معروف ومشہور ہیں، آپ حسنی حسینی سید ہیں۔ والد صاحب کا نام سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست اور والدہ ام الخیر فاطمہ تھیں۔

ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن گیلان ہی میں کیا۔ اس کے بعد بغداد چلے آئے اور یہیں علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کی پھر بغداد میں ہی آخری عمر تک دین متین کی تبلیغ واشاعت میں لگے رہے۔

آپ نے بغداد میں تبلیغ اسلام کا ایسا نظام قائم کیا جس کی شاخیں عرب وعجم کے بیشتر ممالک میں پھیل گئیں۔

اس حوالے سے اگر بات کریں کہ قادریہ سلسلہ ہندوستان میں سب سے پہلے کس کے ذریعہ پھیلا تو اس کے لیے حضرت شاہ نعمت اللہ قادری (متوفی ۸۳۴ھ مطابق ۱۴۳۰ء) کا نام سرِ فہرست آئے گا۔ ان کے علاوہ سلسلۂ قادریہ کے اکابر صوفیہ میں سید محمد غوث کیلانی، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کے نام شامل ہیں۔ ان حضرات نے سلسلہ قادریہ کو ہندوستان میں فروغ دیا ہے۔ عہدِ مغلیہ کے آخری دور میں یہ سلسلہ دکن کے نواح میں حضرت عبدالصمد خدانما کے ذریعہ پھیل رہا تھا پھر دکن سے یہ سلسلہ حضرت شاہ سید عبدالرزاق بانسوی قادری کے ذریعہ اودھ منتقل ہوا پھر ہندوستان کے مختلف خطوں میں یہ سلسلہ پھیلنے لگا۔

اشغال قادریہ

قادریہ سلسلہ کے مشائخ اولاً جس چیز کی تاکید کرتے ہیں وہ ہے ذکر بالجہر۔

ذکر بالجہر

اس ذکر سے مراد بہت بلند آواز سے ذکر کرنا نہیں بلکہ ہلکی آواز میں ذکر کرنا مراد ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ذکر کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ پر نرمی کرو! تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔[۹۲]

ذکرِ جہری کی مختلف صورتیں ہیں

ایک صورت تو یہ ہے کہ اسم ذات ''اللہ'' کا ذکر کرتا رہے اور وہ ایک ضرب سے ہو۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' کو سختی ودرازی سے کھینچ کر بلند آواز سے بہت تیز بھی نہ ہو کہ مسجد میں دوسروں کو پریشانی ہو، دل میں اور حلق دونوں کی قوت کے ساتھ ادا کرے پھر ٹھہر جائے یہاں تک کہ ذاکر کی سانس اپنی جگہ پر واپس آجائے۔اس طرح سے بار بار کرتا رہے۔

ذکرِ دوضربی

اس کے کرنے کا طریقہ پہلے سے مختلف ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر نماز کی نشست پر بیٹھے۔اس نام ''اللہ'' کو ایک دفعہ داہنے زانو میں اور دوسری مرتبہ قلب پر ضرب کرے اور اسے بغیر وقفہ کیے بار بار کرتا رہے۔بہتر یہ ہے کہ ضرب قلبی میں قوت اور سختی دونوں ہوتا کہ قلب پر اس کا اثر ہو۔اس میں یکسوئی پیدا ہو۔ اس سے وسوسے وغیرہ سب رفع ہو جائیں۔

ذکرِ ضربی

اس ذکر کا طریقہ مذکورہ دونوں طریقوں سے مختلف ہے کہ ذاکر چارزانو بیٹھے اور ایک مرتبہ داہنے زانو میں اور دوسری مرتبہ بائیں زانو میں اور پھر تیسری مرتبہ قلب میں اسم ذات کا ضرب لگائے۔تیسری ضرب میں سختی ہو اور بلند بھی کھینچاؤ کے ساتھ۔

ذکرِ چہار ضربی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھے، ایک مرتبہ داہنے زانو میں، دوسری مرتبہ بائیں زانو میں، تیسری مرتبہ قلب میں اور پھر چوتھی مرتبہ اپنے سامنے اسم ذات اللہ کا ضرب لگائے، جب چوتھی ضرب لگائے تو اس میں سختی پیدا کرے اور بلند آواز بھی۔

ذکر لا الہ الا اللہ

یہ ذکر بھی جہری انداز سے کیا جاتا ہے۔ اس میں نفی واثبات کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کرنے والا نماز میں بیٹھنے کی طرح قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور آنکھیں بند کر لے اور ''لا'' اس طرح سے کہے کہ گویا، اسے اپنی ناف سے نکالتا ہے پھر اسے یعنی ''لا'' کو کھینچتے ہوئے داہنے کندھے تک لائے پھر ''الہ'' کہے اور اسے اس طرح سے ادا کرے کہ گویا اسے دماغ کی جھلی سے نکال رہا ہے۔ اس کے بعد ''الا اللہ'' کو قلب پر شدت وسختی اور قوت کے ساتھ ضرب کرے اور یہ کرتے ہوئے ذات حق کا اثبات کرے۔

اس ذکر میں جو مختلف مقامات اور اس کو ادا کرنے میں جو اتار چڑھاؤ ہے اس حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنی توجہ مختلف چیزوں اور مقامات کی طرف کرتا ہے جس کی وجہ سے مختلف قسم کے خیالات اس کے دل میں گردش کرنے لگتے ہیں۔ اہلِ طریقت نے اس سے بچنے کے لیے کچھ اس قسم کے اصول مرتب کیے ہیں جس پر اگر عمل کیا جائے تو دھیرے دھیرے غیر سے دھیان ہٹ جائے گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے سچی لو لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ ذکر تنہا اور اجتماعیت کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے لیکن بہتر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فجر اور عصر کے بعد ایک ساتھ حلقہ بنا کر کیا جائے۔

ذکرِ خفی

سلسلۂ قادریہ میں ذکر جلی اور ذکرِ خفی دونوں جائز ہے لیکن پہلے ذکر جہری کی ترغیب دیتے ہیں اور جب ذکر کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں تب ذکر خفی کی ترغیب دی جاتی ہے۔

ذکرخفی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں اورلب بند کرلے اورزبان وقلب سے یہ الفاظ کہے: **اللّٰہ سمیعٌ، اللّٰہ بصیرٌ، اللّٰہ علیمٌ** اور یہ الفاظ اس طرح سے ادا کرے کہ گویا اپنے ناف سے نکالتا ہے سینے تک اور سینے سے نکالتا ہے دماغ تک اور دماغ سے نکالتا ہے عرش تک۔اس کے بعد یہ کہے: **اللّٰہ علیمٌ، اللّٰہ بصیرٌ، اللّٰہ سمیعٌ** اوراپنی منزلوں سے اترتا آئے جن پر چڑھا تھا۔درجہ بدرجہ آئے اور چڑھنے اترنے کا عمل باربارکرتا رہے۔بعض حضرات اس ذکر میں **اللّٰہ قدیرٌ** کا بھی اضافہ کرلیتے ہیں۔

یہ بہت ہی مشکل ذکر کا طریقہ ہے اور ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے،شاید مشائخ عظام اسے ہر شخص پر یا ہر اس شخص پر جو سلسلہ قادریہ سے بیعت ہے لازم نہیں کرتے۔

پاس انفاس

ذکرِخفی اورذکر جہری میں نفی واثبات کی جوصورت ہے وہ مشترک ہے۔اس کے علاوہ ذکر پاس انفاس اور بھی مشکل عمل ہے۔اس میں ذکر کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اپنی سانسوں پر قابو رکھے۔جب سانس باہر چھوڑے تو اس وقت بلاارادہ وقصد کے اس کے دل سے آواز نکلے''**لا الہ** ''اور جب اندر سانس لے تو اسی طرح بلا قصد وارادہ آواز آئے''**الا اللہ**''۔اس ذکر کو ذکر پاس انفاس کہا جاتا ہے۔یہ ذکر قلب کی صفائی،گھبراہٹ،خطرات ووساوس اور پریشان خاطر سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔جب مذکورہ ذکر کے اثرات ذاکر کے اندر نمایاں ہونے لگیں اور محبت الٰہی کا غلبہ اس پر ظاہر ہوتب اسے مراقبہ کی طرف جانے کے لیے ترغیب دی جاتی ہے۔

مراقبہ

صوفیہ کے یہاں مراقبہ کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ان سب میں سب سے جامع اور بہتر صورت یہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت کریمہ یا کوئی کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کا خیال کرے اوراس کے معنی کو دل میں اچھی طرح جا گزیں کرے پھر تصور کرے کہ یہ معنی کیوں کر ہیں،پھراسی پر توجہ جمائے رہے۔یہ تصور کرتا رہے کہ اس کی تحقیق اور ثبوت کی کیا صورت ہے اوراس وقت تک ایسا ہی کرتا رہے جب تک دل کسی ایک معنی پر مطمئن نہ ہوجائے۔

صوفیائے کرام مراقبہ کی اصل حدیث جبرئیل سے لاتے ہیں جس میں حضور نے فرمایا کہ''احسان یہ ہے

کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا، اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ پا رہے ہو تو یہ یقین کر لو کہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے۔ مراقبہ کرنے والا یہ تصور کیے رہے کہ ہم خدا کی نگرانی میں ہیں۔ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے، خدا میرے سامنے موجود ہے اگر چہ زبان سے نہ کہے مگر دل میں یہ ضرور خیال ہو اور یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ اللہ کی ذات والا صفات مکان و مکانیات اور حدود و حدودیات سے منزہ اور پاک ہے۔ اس خیال میں اس قدر ڈوبے کہ استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے پھر اس آیت کریمہ کا تصور پیدا کرے: وھو مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ کہ وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔ (الحدید:۴) حضرت شیخ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مراقبہ اصل میں خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے ہے۔

کشف ارواح

اس حوالے سے مشائخ قادریہ فرماتے ہیں کہ دائیں طرف سُبُّوحٌ اور بائیں طرف قُدُّوْسُ کی ضرب لگائے۔ اسی طور پر آسمان میں رب الملئکۃ اور دل میں والرّوحُ کی ضرب لگائے۔

مشائخ قادریہ فرماتے ہیں کہ مصائب و آلام سے نجات پانے کے لیے تہجد کی نماز ادا کرے، اس کے بعد داہنی طرف یا حَیُّ اور بائیں طرف یا وَھَّابُ کی ضرب لگائے اور ذاکر یہ عمل ایک ہزار مرتبہ کرتا رہے تسلسل کے ساتھ۔

سماع

مشائخ قادریہ سماع بالمزامیر کے سخت خلاف ہیں، یہاں موسیقی کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ مزامیر کو لہو لعب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے لیکن بعض مشائخ قادریہ جن کو دوسرے سلاسل سے بھی خلافت و اجازت ملی ہوتی ہے وہ سماع سنتے ہیں لیکن یہ بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔

قادری سلسلہ سے بیعت درویش بالعموم اپنے سر پر سبز رنگ کی پگڑی باندھتے ہیں اور ان کے لباس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہلکے بادامی رنگ کا ہوتا ہے۔ سلسلہ قادریہ سے وابستہ افراد درود شریف کے ورد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اصل میں سلسلہ خواجگان ہے۔ محمد بن سلیمان بغدادی سلسلہ نقشبندیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ ہر دور میں مختلف ناموں سے جانا جاتا رہا ہے جو بعد میں نقشبندیہ مشہور ہوگیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''بے شک سلسلہ نقشبندیہ کے القاب زمانے کے اختلاف سے مختلف رہے، سیدنا صدیق اکبر سے لے کر حضرت شیخ طیفور ابن عیسیٰ ابو یزید بسطامی تک اس طریقے کو طریقہ صدیقیہ کہا جاتا تھا۔ شیخ طیفور سے لے کر خواجہ خواجگان شیخ عبدالخالق غجدوانی تک طیفوریہ کہا جاتا تھا، حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے لے کر امام طریقت شیخ بہاء الدین محمد اویسی بخاری تک خواجگانیہ کہا جاتا تھا۔ اور آپ سے لے کر غوث اعظم خواجہ عبید اللہ احرار تک نقشبندیہ کہلایا۔'' ۹۳

اس سلسلے کو نقشبندیہ کیوں کہا جانے لگا، اس حوالے سے روایت ہے کہ جب حضرت خواجہ بہاء الدین بادشاہ ہرات کی استدعا سے ہرات میں بادشاہی محل میں داخل ہوئے، خدام و حشم، امیر و وزیر جس پر نگاہ کرتے سب بے تاب ہوجاتے۔ دوسری مرتبہ جب حضرت حج کو جانے لگے تو مولانا زین الدین سے ملاقات کے واسطے ہرات گئے اور تین روز تک ان کی صحبت میں رہے۔ ایک دن نماز صبح کے بعد مولانا نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

برائے ما ہم نقشبند۔ یعنی ہماری طرف بھی توجہ فرما۔

حضرت خواجہ نے بر سبیل تواضع فرمایا:

آمدیم تا نقش بریم۔ یعنی اس لیے آئے ہیں کہ نقش لے جائیں۔

غالباً اسی روز سے حضرت جواجہ کا لقب نقشبند ہوا پھر اس سلسلے کا نام بھی نقشبندیہ سے منسوب ہوگیا۔ خزینۃ الاصفیا میں ایک اور وجہ کا ذکر ہے جو زیادہ قریب المعنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود شاہ نقشبند فرماتے ہیں

کہ میں اور میرے والدین کمخواب بافی کا کام کرتے تھے اور اس پرنقش ونگار بنایا کرتے تھے، اسی لیے ''نقشبند'' کے نام سے مشہور ہو گئے ۔۹۴

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی (متوفی ۵۷۵ھ مطابق ۱۱۷۹ء) نے اس سلسلے کی ترقی اور فروغ کے ساتھ ساتھ اس کی اصطلاحات وضع کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کے صفحات پر زندہ رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سلسلے کو جو شہرت اور مقبولیت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (متوفی ۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء) کے ذریعہ ملی تاریخ اسے بھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حضرت خواجہ بہاء الدین اپنے وقت کے بڑے عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے اس سلسلے کی ترقی میں چار چاند لگا دیا۔ اتباع سنت پر زور دیا اور اس کو عام کرنے کے لیے بڑی محنتیں کیں۔ فقہی طور پر آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب پر تھے اور اس سلسلہ کے اکثر مشائخ فقہ حنفی کے ہی پیروکار تھے۔ بالآخر یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین کے نام سے منسوب ہو کر نقشبندیہ کہلایا پھر بعد میں حضرت مجدد الفِ ثانی جب اس سلسلہ میں بیعت ہوئے اس کے بعد سے یہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کہلایا۔

ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت میں حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ (متوفی: ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ء) کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ آپ نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں اپنے مریدین بھیج کر دین کا بڑا کام انجام دیا ہے۔ دہلی میں قیام ہونے کی وجہ سے آپ کی شہرت بہت زیادہ ہو گئی تھی اور دور دراز سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

حضرت مجدد الفِ ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ بمطابق ۱۶۲۴ء) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) متوفی ۱۰۵۳ بمطابق ۱۶۰۲ء) جیسی برگزیدہ شخصیات آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ ان کے علاوہ حضرت آدم بنوری، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت غلام علی شاہ وغیرہ بھی اسی سلسلے میں بیعت تھے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کی خصوصیات

ذکر

اس سلسلے کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ذکر لطائف طالبین حق کو اپنے شیخ کامل کے ذریعہ ملتا

ہے۔ ہر انسان کے وجود میں سات مقامات موجود ہیں جن کو عالم امر سے روحانی نسبت ہے۔سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہونے والے کا دل ہر وقت اپنے شیخ کامل کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔اسم ذات کا یہ ذکر ہی طالبین میں محبت شیخ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دوام بخشتا ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو صحابہؓ کرام اور نبی کریم کی صحبت مبارکہ کا طریقہ تھا۔

محبت شیخ

اس سلسلہ کی ایک یہ بھی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں پہلا زینہ متابعت رسول اور دوسرا زینہ محبت شیخ ہے۔مشائخ نقشبندیہ کا کہنا ہے کہ شیخ کی محبت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

طریقہ نقشبندیہ کا مدار دو اصولوں پر ہے:

پہلا سنت رسول پر اس درجہ عمل کرنا کہ چھوٹے اور معمولی آداب بھی چھوٹنے نہ پائیں اور دوسرا شیخ کی محبت میں اس قدر پختہ ہو کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض اور انگشت نمائی کا خیال بھی دل میں نہ آئے، بلکہ اس کی تمام حرکات وسکنات مرید کی نظر میں محبوب دکھائی دیں۔اس لیے کہ اگر خدا کی مہربانی اور فضل وکرم سے یہ دو اصول درست ہو گئے تو دنیا وآخرت میں سعادت اس کا مقدر ہے۔

صحبت شیخ

صحبتِ شیخ بھی محبت شیخ کے خانے میں آتی ہے،جس قدر صحبت شیخ زیادہ ہوگی اسی قدر محبت شیخ میں اضافہ ہوتا جائے گا۔مشائخ نقشبندیہ کے شیوخ اسی لیے صحبت شیخ زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں۔اس کے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ زیادہ سے زیادہ صحبت نصیب ہوگی اور مختلف قسم کے لوگوں سے ملاقات اور تبادلۂ خیال ہوگا۔دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ پند ونصیحت سننے کو ملے گی اور دین ودنیا کے متعلق ذہن میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں شیخ کی مجلسوں میں بیٹھنے سے ان کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔اسی لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اس طریقہ یعنی سلسلہ نقشبندیہ میں افادہ واستفادہ کا دارومدار صحبت شیخ پر ہے۔حضرت خواجہ نقشبند کے بقول ہمارا طریقہ شیخ طریقت کی محبت پر ہے اور صحبت کی بڑی فضیلت ہے۔

قرب کے چار طریقے

سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے چار طریقے بتاتے ہیں:

۱۔ شیخ کامل کی صحبت و محفل۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۲۔ رابطہ شیخ۔

۳۔ شیخ کے بتائے ہوئے اوراد و اذکار۔

۴۔ مراقبہ۔

صحبت شیخ حاصل کرنے کے لیے مرید کو مندرجہ ذیل تین شرطوں پر بھی عمل کرنا ضروری ہے:

اول: مرید کو چاہئے کہ شیخ کی صحبت کبھی ترک نہ کرے اور صحبت شیخ پر فخر کرے۔

دوم: شیخ پر کبھی اعتراض نہ کرے اور نہ شیخ کے ظاہری و باطنی افعال کا انکار کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بخشش و مغفرت طلب کرے، کیونکہ شیخ کامل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ شیخ کے ذریعہ مخلوق میں سے جس کا چاہے امتحان لیتا ہے۔

سوم: مرید کو چاہیے کہ جب شیخ کے حضور حاضر ہو تو مردہ بدست زندہ کی طرح ہو، شیخ کی صحبت ومحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ہاں اتنا خیال رہے کہ شیخ کی محبت وعقیدت میں غلو نہ ہو، نہ شریعت وسنت کی کوئی خلاف ورزی ہو۔

اشغال مشائخِ نقشبندیہ

مشائخ نقشبندیہ فرماتے ہیں کہ ذکر کی ایک صورت ذکر نفی واثبات ہے اور ذکر کی یہی صورت متقدمین مشائخ نقشبندیہ سے منقول ہے۔ ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ذہن ودماغ کو منتشر کرنے والے خیالات، لوگوں کی قیل وقال، بھوک کی شدت، غصہ، درد اور ضرورت سے زیادہ کھانا وغیرہ سے اپنے آپ کو الگ کرے یا اُن چیزوں کو خود سے دور کردے اور اپنے سامنے موت کو موجود سمجھے۔ جب ایسی کیفیت پیدا ہو جائے پھر اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے، پھر اپنے لب اور دونوں آنکھیں بند کرلے اور سانس کو اندر روک کر دل سے کہے **لا**، اور اس آواز کو اپنی ناف کے داہنی طرف سے نکالے اور کھینچتا ہوا مونڈھے تک لے آئے پھر کندھے کو اس کی طرف جھکادے اور ہلاتے ہوئے کہے: **الٰہ** پھر **الا اللہ** زور سے کہے اور اس کو

کہنے میں اتنی سختی ہو کہ قلب پر اس کا ضرب پڑے۔

حبس دم

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

''سلسلہ نقشبندیہ میں مشائخ کا طریقہ چلا آرہا ہے کہ حبس دم یعنی سانس کو روک کر لا الٰــہ الا اللّٰـــہ کا ذکر کرنا عشق کو ابھارنے، باطنی نسبت کو مرتکز کرنے، باطنی قوتوں کو پیدا کرنے اور پریشان خیالی اور وساوس سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ ذکر اکسیر ہے۔''[۹۵]

اس ذکر کی مشق پہلے ضروری ہے تاکہ طبیعت پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑے۔ یاد رہے کہ اس طرح کا حبس ہندو جوگی بھی کرتے ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مشائخ نقشبندیہ کے حبس اور جوگیوں کے حبس میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔''لا الٰـہ الا اللّٰـہ ''تین جملوں پر مشتمل ہے اور اس کی عجیب خصوصیات اور اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کلمے کو الگ الگ طریقے سے مشق کیا جاتا ہے۔

حبس دم میں پہلے ایک دم میں ذاکر ایک دفعہ مشق کرے اور پھر ایک دم میں تین دفعہ۔ اس کے بعد طاق اعداد میں ایک ہی سانس میں تعداد بڑھاتا جائے یہاں تک کہ اکیس تک پہنچ جائے۔

اگر کوئی حبس دم کرنے والا اکیس بار تک ایک سانس میں حبس دم تک پہنچ جائے۔ پھر بھی اس پر کشش ربانی کا دروازہ نہ کھلے اور باطن کا اللہ کی طرف مبذول ہونے اور دوسرے امور سے وحشت کی صورت پیدا نہ ہو تو وہ جان لے کہ اس کا عمل مکمل طور پر پورا نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں سالک کو چاہیے کہ وہ دوبارہ یہ عمل تین سے شروع کر کے اکیس تک پہنچے۔

الا اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''اس کلمے کا ذکر خواجہ محمد باقی یا ان کے کسی قریب العصر بزرگ کا تخلیق کردہ ہے۔ ان سے پہلے بزرگوں کے یہاں اس کلمے کا ذکر نہیں ملتا۔''[۹۶]

مراقبہ

دوسرے سلاسل کی طرح اس سلسلے میں بھی مراقبہ پایا جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ لفظ مراقبہ ماخوذ ہے رقابت بمعنی محافظت سے یا رقوبت بمعنی انتظار سے۔ پس مراقبہ سے مراد تمام حواس ظاہرہ وباطنہ کو جمع کر کے مطلوب کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں مراقبہ کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ مراقبہ کرنے والا اپنی آنکھیں بند کر کے لطائف عشرہ میں سے کسی لطیفہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس لطیفہ پر فیض کے آنے کا انتظار کرے اور اس انتظار کے لیے آخری وقت تک اسی تصور میں مستغرق رہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں صرف ذکرِ خفی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ذکرِ جلی سے منع کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ نقشبند سے پوچھا گیا کہ آپ کے طریقہ میں ذکرِ جہر اور خلوت نہیں ہے، لہٰذا آپ کے سلسلہ کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ فرمایا ''بظاہر باخلق وبباطن باحق'' اور یہ شعر پڑھا:

از دروں شعر آشت او و از بروں بیگانہ باش

اہل چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں ۹۷

اس سلسلہ میں کرامت کو بھی بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، ایک مرتبہ کسی نے حضرت بہاء الدین نقشبند سے کرامت طلب کی، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''یہ کرامت کیا کم ہے کہ اتنی بار زمین پر گناہ کرنے کے باوجود زمین ہمارے گناہ کے بوجھ سے غرق نہیں ہوئی۔'' ۹۸

اصطلاحات نقشبندیہ

نقشبندی سلسلہ میں مشائخ نے چند اصطلاحات بھی اخذ کیے ہیں۔ جو دوسرے سلاسل میں نہیں ملتے اور یہ اصطلاحات سلسلہ نقشبندیہ کی اساس ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے جو آٹھ اصطلاحات منقول ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ ہوش دردم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی ہر سانس پر توجہ رکھے کہ کہیں کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں جا رہا ہے اور

اس کے لیے فکر مند رہے اور ایک لمحہ بھی ذکر سے غافل نہ رہے۔

۲۔نظر برقدم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک چلتے وقت اپنی نگاہیں نیچی رکھے اور صرف اپنے پاؤں کی طرف دیکھے، ادھر ادھر دیکھنے سے احتیاط کرے۔

۳۔ سفر در وطن

اس سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات حسیسہ سے صفات ملکیہ فاضلہ کی طرف پرواز کی جائے اور اللہ رب العزت کے علاوہ ہر چیز کی محبت اپنے دل سے نکال دے اور لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اس کی محبت اپنے دل میں پیدا کرتا رہے۔

۴۔ خلوت درانجمن

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے تمام احوال میں دل کو غافل نہ رکھے۔حضرت شاہ نقشبند فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے: **رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ**. مزید اس بات کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ ان تمام امور کو انجام دینے میں وضع قطع اور لباس وغیرہ عام انسانوں جیسا ہو، تفاخر کا خیال دل میں نہ ہو۔تقویٰ اور دیانت داری کے ساتھ یہ امور انجام دیئے جائیں۔

۵۔ یادکرو

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک مسلسل ذکر میں مشغول رہے۔ چاہے ذکر نفی و اثبات کی صورت میں ہو یا اثبات مجرد کی صورت میں۔

۶۔ بازگشت

اس سے مراد یہ ہے کہ دوران ذکر وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ یا چار مرتبہ مناجات کرے اور دل کی گہرائی اور حضور قلب کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں التجا کرے دعا کرے۔

۷۔نگہداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرنے والا سالک اپنے نفس کے خطرات اور دلی وسوسوں سے نجات حاصل کرے کلی طور پر۔

حضرت شاہ نقشبند فرماتے ہیں کہ خیال وخدشات کے آتے ہی سالک انھیں فوراً ذہن سے نکال باہر

کرے۔اس لیے کہ اگر یہ چیزیں ذہن و دماغ میں رہیں گی تو نفس ان پر غالب ہو جائے گا۔

۸۔ یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ الفاظ وتخیلات سے خالی ہو کر حقیقت واجب الوجود کی طرف توجہ مبذول کرے۔

حضرت بہاءالدین نقشبند سے مندرجہ ذیل اصطلاحات منقول ہیں:

ا۔ وقوف زمانی

یہ ہوس دردم کی طرح ہے یعنی ہر سانس پر توجہ رکھنا تاکہ کوئی سانس ذکر سے غافل نہ رہے۔

۲۔ وقوفِ عددی

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر کرنے میں طاق عدد کی پابندی کرے۔

۳۔ وقوف قلبی

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرنے والا سالک اس قلب کی طرف توجہ رکھے جو بائیں جانب ہے اور یہ طریقہ ذکر سلسلۂ قادریہ کے طریقہ ذکر سے ملتا جلتا ہے لیکن ذکر کے ضربوں میں اختلاف ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے اوراد و وظائف ہیں، سب کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

سماع

مشائخ نقشبندیہ سماع اور موسیقی کے خلاف ہیں۔اس کے بدلے احکام شریعت پر سختی سے عامل ہیں۔ ۹۹

سلسلہ فردوسیہ

سلسلہ فردوسیہ کے متعلق پوری تفصیلات باب دوم میں بیان کی گئی ہیں اور سلسلہ فردوسیہ کے معروف مشائخ عظام کے متعلق معلومات باب پنجم میں جمع کر دی گئی ہیں اور سلسلہ فردوسیہ کی تعلیمات انہیں بابِ چہارم میں بیان کی گئی ہیں۔

ماٰخذ ومصادر

۱۔ ابونصر سراج، کتاب اللمع، عربی، صفحہ ۲۵، کوسمو پبلیکیشن دہلی ۲۰۱۲ء

۲۔ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، فاسی، النوریہ الرضویہ پبلیشنگ کمپنی، لاہور، ۲۰۱۳، صفحہ ۴۲

۳۔ کتاب اللمع، عربی، صفحہ ۲۷

۴۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری، رسالہ قشیریہ، اردو مترجم محمد چشتی، اداری پیغام القرآن، لاہور۔ ۲۰۰۷، صفحہ ۳۳۴

۵۔ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۳۴

۶۔ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، اردو مترجم، غلام معین الدین، مطبع رضوان پریس ایجنسی دہلی ۲۰۱۲، صفحہ ۴۷

۷۔ کتاب اللمع، عربی، صفحہ ۲۵

۸۔ محمد علی چراغ، معالی الھمم، احوال وافکار جنید بغدادی، مطبع نذیر سنز پبلیشرز، لاہور ۱۹۹۸، صفحہ ۲۷

۹۔ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۵۳۵

۱۰۔ رسالہ قشیریہ، ۵۳۵

۱۱۔ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۵۳۷

۱۲۔ کشف المحجوب، صفحہ ۸۹، وایضاً، معالی الھمم، مترجم، محمد چراغ علی صفحہ ۲۷، نذیر سنز پبلیشرز، ۴۰، اے اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸

۱۳۔ القرآن؛ آل عمران: ۴۱

۱۴۔ امام ابوبکر الکلابازی، تعرّف، اردو مترجم، محمد حسن، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان، ۱۹۹۸، صفحہ ۳۷

۱۵۔ تعرّف، صفحہ ۳۷

۱۶۔ کتاب اللمع، صفحہ ۵۷

۱۷۔ کتاب اللمع، صفحہ ۵۷

۱۸۔ کتاب اللمع، صفحہ ۵۷

۱۹۔ سورہ البقرہ: ۲۷۳

۲۰۔ کشف المحجوب، صفحہ ۹۰

۲۱۔ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی الشیبانی المعروف بہ ابن القیسر انی، بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ حدیث و تاریخ میں کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ امام داؤد بن علی الاصبہانی ۲۰۱۔ ۲۷۰ھ کے فقہ ظاہری پر عمل کرتے تھے۔ سماع کی اباحت کے قائل تھے، تصوف میں ان کا تعلق صوفیہ کے فرقۂ ملامتیہ سے تھا۔ سلوک و تصوف کے موضوع پر ''صفوۃ التصوف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ماہرین حدیث نے تلخ تنقیدوں کا ہدف بنایا۔

۲۲۔ الولید بن القاسم بن الولید الہمد انی الخبذعی کا تعلق کوفہ سے تھا۔ علماء رجال میں سے حضرت امام احمد بن حنبل، ابن حبان (م ۲۷۷۔ ۳۶۵ھ) نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ مگر مشہور ماہر فن یحیٰی ابن معین نے انہیں ضعیف کہا ہے، ابن حجر عسقلانی نے انہیں حفاظ حدیث کے آٹھویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔ یعنی اس طبقہ میں جس پر ضعف کا اطلاق ہوتا ہے اگر چہ صراحت کے ساتھ تضعیف نہیں کی گئی۔

۲۳۔ محمد بن طاہر المقدسی۔صفوۃ التصوف تعلیق احمد شرباہی، دار التالیف مصر، ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء صفحہ ۷) غلام قادر لون مطالعۂ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشر، نئی دہلی۔ ۲۰۱۱ء، صفحہ ۱۴

۲۴۔ ابن منظور، لسان العرب مصر، ۱۳۰۱ھ، ۱۱:۱۰۲

۲۵۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، تلبیس ابلیس دار الطباعة المنیریة القاهرة ۱۹۵۰ء، صفحہ ۱۶۱

۲۶۔ علامہ ابن جوزی، تلبیس ابلیس، اردو مترجم محمد عبدالحق، مکتبہ اسلامیہ، غزنی اسٹریٹ لاہور، پاکستان، ۲۰۰۹، صفحہ ۱۶۲

۲۷۔ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری، اساس البلاغۃ، تحقیق استاذ عبدالرحیم محمود، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۲۶۲

۲۸۔ غلام قادر لون، مطالعہ تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، ۲۰۱۱، صفحہ ۱۷

۲۹۔ ابن تیمیہ، الصوفیۃ والفقراء مشمولہ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ جمع و ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم العاصمی نجدی حنبلی، ریاض ۱۳۸۲ھ

۳۰۔ الکشف المحجوب، نسخہ تہران، تصحیح و تحشیہ علی قویم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۳۶ ایضا مطالعہ تصوف ، غلام قادر لون، صفحہ ۱۸

۳۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، الجزء ۸، صفحہ: ۱۵۸، مکتبہ شاملہ، رسالہ قشیریہ، المطبعۃ العاسرۃ العثمانیۃ مصر، ۱۳۰۴ھ صفحہ ۱۶۵

۳۲۔ الرسالہ قشیریہ، صفحہ: ۱۶۵

۳۳۔ ابوالعلاء عفیفی، التصوف، اسکندریہ، مصر ۱۹۶۳ء، صفحہ ۳۱

۳۴۔ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، صفحہ ۲۷۔۲۲

۳۵۔ غنیۃ الطالبین، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، ۱۳۳۱ھ، صفحہ ۱۰۹

۳۶۔ ملاعبد النبی فخر الدین قزوینی، تذکرہ میخانہ، تصحیح و تنقیح گلچیں معانی طہران، ۱۳۸۰ھ، صفحہ ۸۶

۳۷۔ غلام قادرلون، مطالعہ تصوف، صفحہ ۲۳

۳۸۔ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۶۵

۳۹۔ ابوریحان البیرونی، کتاب الہند، مرتبہ ایڈورڈ سخاؤ (لندن)، ۱۸۸۷، صفحہ ۱۶، مطالعہ تصوف، صفحہ ۲۳۔۲۴

۴۰۔ مطالعہ تصوف صفحہ ۲۳

۴۱۔ علامہ شبلی نعمانی، الغزالی، مطبوعہ اعظم گڑھ (یوپی) ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰۴

۴۲۔ عفیفی، التصوف، صفحہ ۳۴

۴۳۔ الاعلام ۸:۸۹، ماخوذ از مطالعہ تصوف، غلام قادرلون، صفحہ ۲۵

۴۴۔ (Encyclopaedia of Religion and Ethies London 1934, vol xii P.10)

۴۵۔ قرآن، سورہ، انعام: ۵۲

۴۶۔ کشف المحجوب، صفحہ: ۶۸

۴۷۔ المستدرک باب: اوأما حدیث معمر: جلدا، صفحہ: ۸۰، مطالعہ تصوف، صفحہ ۳۰

۴۸۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، اردو مترجم شمس بریلوی، اسلام بکڈپو، گنج بخش لاہور پاکستان، ۱۹۹۸، صفحہ ۲۰۷

۴۹۔ ابونصر سراج، کتاب اللمع، صفحہ ۵۲

۵۰۔ امام ابوبکر الکلاباذی، التعرّف، صفحہ ۳۸

۵۱۔ عورف المعارف، صفحہ: ۱۳۳۱

۵۲۔ مجموعۃ فتاویٰ ۱۰: ۳۶۹

۵۳۔ ماخوذ مطالعہ تصوف، صفحہ ۲۸

۵۴۔ ابن خلدون، مقدمہ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۰۰ء ۱: ۴۶۷

۵۵۔ Encyclopedia Britanica, London, 1929, vol21, p.522

۵۶۔ History of persian, London, 1929 vol-1, p.297

۵۷۔ اردودائرۃ المعارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان طبع اول ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء ۶: ۴۱۸

۵۸۔ the Sufi Order in Islam, Oxfordunivesity press 1973 p. 1.

۵۹۔ کشف المحجوب، صفحہ ۹۵

۶۰۔ **باب تحریم لبس الحریر والدیباج علی الرجال جلد ا، صفحہ: ۲۸۷**

۶۱۔ کشف المحجوب، صفحہ ۹۵

۶۲۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، شرح اداب المریدین، صفحہ ۹۳

۶۳۔ قرآن، سورہ، شمس: ۷

۶۴۔ سید شبیر احمد کا کا خیل، فہم تصوف، راولپنڈی، خانقاہ امدادیہ، صفحہ ۶۔۵

۶۵۔ رسالہ قشیریہ، صفحہ، ۲۳۸

۶۶۔ سید محمد مبارک، سیر الاولیاء دہلی، محبیٰ ہند پریس، صفحہ ۳۳۶

۶۷۔ الامام العارف شیخ الاکبر محیی الدین ابن عربی، الامر المحکم المربوط، مع اردو ترجمہ بعنوان آداب الشیخ والمرید، ازمولانا محمد شفیع دیو بندی، دیوبند، باردوم، ۱۳۶۴ء، صفحہ ۶۔ ایضاً جواہر غیبی کنز چہارم، صفحہ ۲۳۲

۶۸۔ قرآن، سورہ، فتح: ۱۰

۶۹۔ رسائل ولی اللہ، لانتباہ فی سلاسل اولیاء، ناشر تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۹ء، صفحہ، ۴۲

۷۰۔ رسائل ولی اللہ، صفحہ ۴۴

۷۱۔ پروفیسر رضی احمد کمال، تاریخ چشتیہ صابریہ، صفحہ، ۸۲

۷۲۔ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دارالمصنفین اسلام آباد، پاکستان، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۶۱

۷۳۔ Muslim Sharines in India-p2-3 ۔ ایضاً عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۸

۷۴۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، ناشر شبیر برادرز، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء، صفحہ ۳۶۰

۷۵۔ پروفیسر یوسف حسین Glimpses of Medieval India, p.36

۷۶۔ سید محمد مبارک سیر الاولیاء دہلی، محبی ہند پریس، صفحہ ۴۶

۷۷۔ پروفیسر یوسف حسین Glimpses of Medieval India, p.36

۷۸۔ Glimpses of Medival India, p.36

۷۹۔ Muslim Shrines in India. P.5. w. Troll

۸۰۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، اردو مترجم، شمس بریلوی، گنج بخش لاہور پاکستان، ۱۹۹۹ء، جلد ۱، صفحہ ۳۳۷

۸۱۔ شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ج ۲، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور پاکستان، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۳۵۳

۸۲۔ رسائل شاہ ولی اللہ، الانتباہ، صفحہ ۶۴

۸۳۔ رسائل شاہ ولی اللہ، الانتباہ، صفحہ ۶۶

۸۴۔ رسائل شاہ ولی اللہ، الانتباہ، صفحہ ۶۷

۸۵۔ رسائل شاہ ولی اللہ، الانتباہ، صفحہ: ۶۸

۸۶۔ سیر العارفین، صفحہ ۱۱۵

۸۷۔ لطائف اشرفی، ج ۱، صفحہ ۳۳۷

۸۸۔ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی، آداب المریدین، المعارف، گنج بخش لاہور پاکستان، ۱۹۹۸ء، صفحہ ۶۰

۸۹۔ ادب المریدین، صفحہ ۷۰

۹۰۔ عوارف المعارف، صفحہ ۳۷۶

۹۱۔ غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، مکتبہ نبویہ، گنج بخش لاہور، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۱۵۷

۹۲۔ رسائل شاہ ولی اللہ، صفحہ ۵۶

۹۳۔ محمد بن سلیمان بغدادی، تحفۂ نقشبندیہ صفحہ، ۳۶، دارالاخلاص، لاہور

۹۴۔ خزینۃ الاصفیاء، جلد ۳، صفحہ ۶۴

www.ziaislamic.com/new1descr.phpids=625

۹۵۔ رسائل ولی اللہ دہلوی، صفحہ ۷۰

۹۶۔ ایضا

۹۷۔ خزینۃ الاولیاء، جلد ۳، صفحہ ۶۴

۹۸۔ خزینۃ الاولیاء، جلد۳، صفحہ ۶۴

۹۹۔ آبِ کوثر، ج ۳، صفحہ ۲۵۴

۱۰۰۔ حضرت نظام الدین اولیاء، ملفوظ، فوائد الفواد، اردو مترجم، حسن ثانی نظامی، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان، ۲۰۰۳، مجلس ۵، صفحہ ۱۴۵

۱۰۱۔ عوارف المعارف، صفحہ، ۳۴۷

۱۰۲۔ کتاب اللمع، اردو، صفحہ ۵۳

۱۰۳۔ کتاب اللمع، عربی، صفحہ ۲۲

۱۰۴۔ مذکورہ مآخذ کو صوفی عالم شیخ عبدالقادر بن عیسیٰ (۱۹۹۱-۱۸۱۹ء) نے اپنی عربی کتاب ''حقائق عن التصوف'' میں ذکر کیا ہے۔

۱۰۵۔ مشائخ چشتیہ جس ترتیب سے چلہ کشی کا طریقہ بتاتے ہیں شرع میں اس ترتیب کے ساتھ چلہ کرنے کا طریقہ مذکور نہیں ہے اس کے باوجود مشائخ چشتیہ کے یہاں یہ طریقہ چلا آرہا ہے۔

☆☆

باب دوم
ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ
کا آغاز وارتقاء

باب دوم
ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کا آغاز وارتقاء

فہرست

ہندوستان میں صوفیوں کی آمد

اسلام کی دعوت و اشاعت میں صوفیائے کرام کی خدمات غیر معمولی ہیں۔ابتداء میں ان نفوس قدسیہ کو زہاداور عباد کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ حضرات صوفیہ کہلانے لگے۔ان حضرات کی دعوتی،تبلیغی ،اصلاحی اور علمی خدمات کے اثرات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ان حضرات نے بالعموم اپنے وطن اصلی اور اپنے خاندان،خویش واقارب کو چھوڑ کر صرف تبلیغ دین کی خاطر دور دراز کا سفر طے کیا پھر جس خطے کو اپنے مشن کے لئے منتخب کیا وہیں سکونت اختیار کر لی۔یہی وجہ تھی کہ ان کا آبائی وطن کہیں اور ہے اور آخری آرام گاہ کہیں اور۔ تاریخی حوالے سے برصغیر ہند میں جب ان حضرات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں بھی متعدد اکابر صوفیہ اپنے چند احباب کے ساتھ تشریف لائے اور یہاں اخلاقی ،اصلاحی اور روحانی تربیت کا فیضان عام کیا۔[۱]

ہندوستان میں روحانی سلاسل

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کے ساتھ رشی مُنیوں ،صوفیوں اور مختلف روحانی سلاسل کا مرکز رہا ہے۔ابوالفضل نے آئین اکبری میں ان سلسلوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے جس میں ان سلاسل کا تذکرہ کیا ہے اور ہندوستان میں ان کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔جیسے (۱) حبیبیاں (۲) طیفوریاں (۳) کرخیاں (۴) سقطیاں (۵) جنیدیاں (۶) کازرونیاں (۷) طوسیاں (۸) فردوسیاں (۹) سہروردیاں (۱۰) زیدیاں (۱۱) عباسیاں (۱۲) ادھمیاں (۱۳) ہبریاں (۱۴) چشتیاں۔وغیرہ [۲]

مذکورہ سلسلوں کی اس فہرست شامل میں اکثر سلسلوں کو ہندوستان میں کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔سب سے پہلے ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی (۵۳۷ھ۔۶۳۳ھ/ ۱۱۴۱ء۔ ۱۲۳۶ء) [۳] کے ذریعہ چشتیہ سلسلے کی اشاعت ہوئی،حضرت خواجہ غریب نواز (۵۶۱ھ۔۱۱۹۳ء) پرتھوی راج کے عہد حکومت میں تبلیغ اسلام کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر (موجودہ صوبہ راجستھان) میں سکونت اختیار کی اور آخر وقت تک یہیں رہے۔[۴] اس کے بعد سلسلۂ سہروردیہ کی ہندوستان میں آمد ہوئی ۔حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ملتان میں سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی۔[۵]

ہندوستان میں عہد سلطنت کے ابتدائی دور میں انہی دونوں سلسلوں کا عروج رہا۔ البتہ سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود رہیں جب کہ چشتیہ سلسلے کا دائرہ پاک پٹن، دہلی اور دیو گیر وغیرہ تک پھیل گیا۔

اسی زمانے میں حضرت بدرالدین سمرقندی کے ذریعہ ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ کی بنیاد پڑی۔ ابتدا میں یہ دہلی اور بہار تک ہی محدود رہا۔[6]

سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ جب تک دہلی میں موجود رہے اس سلسلے کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے کئی وجوہ ہیں، اول یہ کہ یہاں پہلے ہی سے مذہبی اور سیاسی طور پر چشتیہ مشائخ نے اپنا دبدبہ قائم کر رکھا تھا۔ زیادہ تر لوگ چشتیہ سلسلے سے ہی وابستہ تھے، جب کہ چشتی مشائخ کے ہزاروں مرید ملک کے مختلف حصوں میں پھیل چکے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہاں کے لوگ کرامات اور خوارق و عادات سے بہت زیادہ متأثر تھے۔ ایسے ہی پیروں کو شیخ تسلیم کرتے اور انہی سے مرید ہوتے تھے جن سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ اس حوالے سے بہت معروف و مشہور تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا میلان مشائخ فردوسیہ کی طرف کم ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سلسلہ کے مشائخ آبادی سے کٹ کر تنہائی میں رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ اپنی خانقاہیں بھی ایسی جگہ تعمیر کرتے تھے جہاں لوگوں کی آبادی نہ ہو۔ فردوسی سلسلہ کے معروف بزرگوں کے مزارات اس بات پر شاہد ہیں۔ وہ ایسی جگہوں پر قائم ہیں جہاں کوئی آبادی نہی بلکہ کھنڈرات اور جنگلات ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کا آنا جانا کم رہتا تھا۔ حتیٰ کہ بہار شریف میں مخدوم جہاں کے عرس کو چھوڑ کر دیگر مشائخ فردوسیہ کے عرس میں بھی لوگ بہت کم آتے ہیں اور اب تک یہی حالت ہے۔ ان کے برخلاف دیگر سلسلوں کے مشائخ آبادی میں رہتے تھے۔ ان کی خانقاہیں بھی شہر کے وسط میں قائم تھیں جہاں ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ مذہبی اور سیاسی طور پر بادشاہ وقت کے یہاں بھی آمد و رفت ہوتی رہی۔ ان وجوہ سے سلسلۂ فردوسیہ کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہو سکا۔

سلسلۂ فردوسیہ کا تاریخی پس منظر

سلسلۂ فردوسیہ کی ابتدا صاحب عوارف المعارف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے عم معظم شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ) کے ایک معروف ومشہور خلیفہ حضرت شیخ احمد بن عمر نجم الدین کبریٰ سے ہوئی، آپ کو ''ولی تراش'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا وطن خوارزم تھا، علم تصوف کے ماہر اور جید عالموں میں شمار ہوتے تھے، حاضر جواب تھے۔ آپ کا زمانہ بحث ومباحثہ کا تھا اور آپ اپنے مدمقابل کو ہمیشہ شکست دیتے تھے، اسی وجہ سے آپ کا لقب الطامتہ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑ گیا۔ بعد میں ''الطامہ'' محذوف ہوکر صرف کبریٰ مشہور ہو گیا۔

شیخ نجم الدین کبری، سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے۔ آپ سے ہندوستان کے دو سلسلوں کی اور بنیاد پڑی۔ ایک سلسلہ ''فردوسیہ'' جو دہلی کے بعد بہار چلا گیا اور وہیں سے فروغ پایا۔ دوسرا سلسلہ آپ کے لقب کی طرف نسبت کرتے ہوئے سہروردیہ کبرویہ کہلایا، یہ سلسلہ کشمیر میں حضرت سید علی ہمدانی کے زریعے فروغ پایا۔

شیخ نجم الدین کبری کے بعد دو مشائخ حضرت سیف الدین باخرجی اور شیخ بدرالدین سمرقندی کے تذکروں میں تاریخی طور پر یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کسی کو بیعت بھی کیا ہو۔ اور نہ ہی انہوں نے اپنے نام کے آخر میں فردوسی لکھا ہے۔ اس کے باوجود سب کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں فردوسی سلسلہ کے بزرگ ہیں، اور شیخ بدرالدین سمرقندی کے مرید وخلیفہ شیخ رکن الدین فردوسی نے اس معاملے میں پہل کی ہے اور فردوسی لکھنے کی ابتداء کی۔ شیخ رکن الدین فردوسی کے بعد مشائخ کا اپنے نام کے ساتھ ''فردوسی'' لکھنا، بولنا عام ہو گیا۔ ہندوستان میں شیخ رکن الدین فردوسی فردوسی، سلسلہ کے تیسرے بزرگ ہیں، ان کے بعد شیخ نجیب الدین فردوسی، ان کے بعد شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ہیں۔

سلسلہ فردوسیہ کی ابتداء اور
شیخ نجم الدین کبریٰ

سلسلۂ فردوسیہ کی ابتدا کیسے ہوئی اس کے متعلق معدن المعانی ملفوظ، حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری ، لطائف اشرفی ، ملفوظ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی، مناقب الاصفیاء مصنف شاہ شعیب اور اخبار الاخیار مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ، حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے مرید وخلیفہ تھے اور مرید کرتے وقت آپ نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے فرمایا تھا ''شما مشائخ فردوس ہستید''، یعنی تم لوگ مشائخ فردوس میں سے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ اور شیخ علاء الدین طوسی دونوں ایک دن حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سخت محنت اور مجاہدہ کے بعد بھی اب تک ہمارا مقصودِ حقیقی حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ کیا کریں؟ شیخ ضیاء الدین سہروردی نے جواب دیا کہ ہم بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہیں، جس میں تم ہو۔ ایسا کرتے ہیں کہ کسی صاحب دل شیخ طریقت سے تعلق، ارادت قائم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تینوں حضرات، شیخ وجہ الدین ابوحفص عمویہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے مرید ہو گئے۔ شیخ وجہ الدین ابوحفص عمویہ نے بیعت کے بعد شیخ ضیاء الدین اور شیخ علاء الدین کو خلافت اور سہروردی شجرۂ طریقت عطا کر کے اپنے اپنے شہروں میں واپس جا کر بندگان خدا کی رہبری کا حکم دیا، جبکہ شیخ نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ شیخ ضیاء الدین سہروردی کے حوالے کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھ رکھو، تمہارا نام ان سے روشن ہوگا، چنانچہ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ ضیاء الدین سہروردی کی صحبت میں رہنے لگے۔ سات ماہ بعد شیخ ضیاء الدین نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا ''**شما مشائخ فردوس ہستید**۔''ے

اس فرمان کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰ کے ساتھ ''فردوسی'' کی نسبت قائم ہوگئی اور تبھی سے یہ سلسلہ بھی معروف ہوگیا۔ لیکن دوسری طرف سفینۃ الاولیاء مصنف داراشکوہ، نفحات الانس مصنف مولانا عبدالرحمٰن جامی اور فوائح الجمال وفواتح الجلال، خودنوشت سوانح حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ عمار یاسر کے مرید وخلیفہ ہیں۔ مثلاً

(ا) سلسلہ فردوسیہ کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی کے

ملفوظات کا مشہور مجموعہ ''معدن المعانی'' میں جو شجرہ فردوسیہ لکھا ہے وہ اس طرح ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ بدرالدین سمرقندی، خواجہ سیف الدین باخرزی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاءالدین ابونجیب سہروردی، خواجہ وجہ الدین ابوحفص، خواجہ محمد بن عبد اللہ عمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوی رحمۃ اللہ علیہم''۔ [8]

(۲) حضرت شاہ شعیب نے اپنی کتاب مناقب الاصفیاء جو سلسلہ فردوسیہ کی سب سے قدیم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس میں لکھتے ہیں:

''حضرت نجم الدین کبریٰ کے شیخ حضرت ضیاءالدین سہروردی ہیں۔'' [9]

دوسری جگہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے تین شیوخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نجم الدین کبریٰ کے تین شیوخ تھے۔ اسماعیل قصری، عمار یاسر اور ضیاء الدین ابونجیب سہروردی، اور شیخ نجم الدین کبریٰ کو خرقہ اسماعیل قصری سے ملا اور صحبت طریقت عمار بن یاسر الاندلسی سے۔'' [10]

(۳) لطائف اشرفی جو سلسلہ تصوف میں بہت اہم مقام رکھتی ہے اس میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے بڑی تفصیل سے سلسلہ فردوسیہ کا نام ''فردوسیہ'' کیوں پڑا؟ اور یہ کس طرح وجود میں آیا؟ اس کو بیان فرمایا ہے۔ پوری عبارت مندرجہ ذیل ہے:

''شیخ وجہ الدین ابوحفص عمویہ نے بیعت کے بعد شیخ ضیاء الدین اور شیخ علاءالدین کو خلافت اور سہروردی شجرۂ طریقت عطا کر کے اپنے اپنے شہروں میں واپس جا کر بندگان خدا کی رہبری کا حکم دیا، جبکہ شیخ نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ شیخ ضیاءالدین سہروردی کے حوالے کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھ رکھو، تمہارا نام ان سے روشن ہوگا، چنانچہ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ ضیاء الدین سہروردی کی صحبت میں رہنے لگے۔ سات ماہ بعد شیخ ضیاءالدین نے شیخ نجم

الدین کبریٰ کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا ''شما مشائخ فردوس ہستید'' یعنی تم لوگ مشائخ فردوس ہو، یا مشائخ فردوس میں سے ہو۔ اسی فرمان کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰ کے ساتھ ''فردوسی'' کی نسبت قائم ہوگئی۔'' [۱۱]

(۴) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کو شیخ نجم الدین کبریٰ کا شیخ لکھا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے:

''شیخ وجہ الدین بعد از مدتی بشیخ ضیاء الدین و شیخ علاؤ الدین خلافت داد ووداع کرد و شیخ نجم الدین کبریٰ را بشیخ ابونجیب سپرد کرد و گفت ایں را برخود گیرید بعد از ہفتم ماہ شیخ ابوالنجیب بشیخ نجم الدین خلافت داد و گفت شما مشائخ فردوسید از آں روزے از فردوسیاں پیدا آمدند۔'' [۱۲]

دوسری طرف دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار یاسر، شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے مرید ہیں اور شیخ عمار یاسر، شیخ نجم الدین کبریٰ کے شیخ ہیں۔

(۵) داراشکوہ اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں:

''حضرت شیخ عمار یاسر قدس سرہ مرید شیخ ابوالنجیب سہروردی اند'' [۱۳]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو نسبت وارادت دو طرف سے حاصل ہوئی تھی۔ ایک شیخ عمار یاسر اور دوسرے شیخ اسماعیل قصری سے۔

''حضرت شیخ در فضیلت و طریقت و تصوف یگانہ وبی نظیر بودہ اند و خوارق و کرامات ایشاں در عالم مشہور است و نسبت ارادت ایشان بدو طرفست یکی از شیخ عمار یاسر۔ دیگر از شیخ اسماعیل قصری۔'' [۱۴]

(۶) حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے تین شیخ

تھےلیکن انہوں نے بھی شیخ ضیاءالدین ابونجیب کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۱۔ شیخ عمار یاسر

۲۔ شیخ اسماعیل قصری

۳۔ شیخ روزبہان کبیر مصری

تینوں شیوخ کا ذکر ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف جگہوں پر آیا ہے چنانچہ شیخ عمار یاسر کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"وی اصحاب شیخ ابو النجیب سہر وردی است ،
در تکمیل نا قصاں وتربیت مریدان و کشف و
قائیع ایشاں کمال تمام داشتہ است۔"۱۵؎

شیخ روزبہان مصری کے متعلق لکھتے ہیں:

" وی کاز رونی الاصل است ، مادر مصری می بود ۔ از مریدان
شیخ ابو النجیب الدین سہر وردی است ۔"۱۶؎

اس کے بعد شیخ اسمٰعیل قصری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ اسمٰعیل قصری کے مرید ہونے کے ساتھ ساتھ خرقہ خلافت بھی انہیں سے پہنا تھا۔

''وی نیز از اصحاب شیخ ابو النجیب سہروردی است و شیخ

نجم الدین به صحبت وی رسیده است و خرقهء اصل ازدست

وی پوشیده است''۱۷؎

آخر میں ''فوائح الجمال وفواتح الجلال'' جو شیخ نجم الدین کبریٰ کی خودنوشت سوانح ہے اس سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ شیخ ضیاءالدین ابوالنجیب سہروردی، شیخ نجم الدین کبریٰ کے شیخ ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس کئی جگہوں پر مذکورہ بزرگوں کا ذکر اس حوالے سے ملتا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے جن سے اصول طریقت اور راہ سلوک کا علم حاصل کیا، اور ایک لمبے عرصے تک جن کی صحبت اختیار کی۔ شیخ نے خود لکھا ہے کہ میں نے اصول طریقت شیخ اسماعیل قصری سے حاصل کی ہے۔

''وتاقت نفس نجم الدین للتصوف، فا ر تحل الی الا ھواز

لیتعلم اصول الطریق من الشیخ اسما عیل قصری و ظل فی

خدمته و صحبته زمنا ‘‘[۱۸]

مذکورہ تمام تاریخی حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے شیخ، شیخ ابوالنجیب سہر وردی نہیں بلکہ شیخ عمار یاسر، شیخ اسماعیل قصری اور شیخ روزبہان تھے۔

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کی آمد

شیخ نجم الدین کبریٰ کے ایک خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزی (خوارزمی) تھے، جو بڑے عالم و فاضل گزرے ہیں، علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ بے شمار علماء، فضلاء اور مشائخ نے آپ کے اقوال و افعال کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

ایک دفعہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے مریدوں سے کہا کہ آج کی رات ہم مشروعہ لذت میں مشغول ہوں گے۔ تم لوگ بھی ہماری موافقت کے لیے ریاضت چھوڑ دو اور آرام سے سو جاؤ۔ جب شیخ نے یہ کہا تو شیخ سیف الدین نے پانی کا ایک بڑا لوٹا بھر لیا اور شیخ کے خلوت کے دروازے پر رات بھر کھڑے رہے، جب صبح ہوئی اور شیخ اپنے حجرے سے باہر نکلے تو سیف الدین کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر فرمایا کہ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ آج کی رات تم لوگ بھی میری موافقت میں اپنی لذت و حضور میں مشغول رہو پھر تم نے اپنے آپ کو کیوں اس مصیبت و پریشانی میں ڈال رکھا ہے؟ آپ نے کہا کہ حضور نے آج کی رات لذت و حضور میں مشغول رہنے کا حکم دیا تھا اور مجھے اس سے بڑھ کر کوئی لذت کی بات نہیں کہ حضرت شیخ کے آستانے پر کھڑا رہوں۔ شیخ آپ کے اس حسن ادب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے لیے خوش خبری ہے کہ ''بادشاہ تمہاری رکاب میں چلیں گے''

" شیخ سیف الدین باخرزی قدس اللہ تعالیٰ روحہ وی از خلفاء شیخ نجم الدین کبریٰ است، بعد از تحصیل و تکمیل علوم بخدمت شیخ آمد و تربیت یافت ۔ وقتی برائے شیخ نجم الدین از خطائے کنیز می اورده بودند ۔شب زفاف ما اصحاب کعته است کہ ما امشب بلذتی مشروع اشتغال خواهم شد شما یزدر مسافقت ترك ریاضت کنید و بفراغت و آسود گی پسر برید جون حضرت شیخ ایں آخرتك۔ " [19]

کچھ عرصہ بعد ایک بادشاہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی زیارت کو آیا اور واپس جانے سے قبل شیخ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو ایک گھوڑا انذر کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ تشریف لے چلیں، تاکہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کو گھوڑے پر سوار کروں۔ شیخ نے اس کی فرمائش قبول کر لی اور خانقاہ کے دروازے پر آئے۔ بادشاہ نے گھوڑے کی رکاب پکڑی اور آپ سوار ہو گئے لیکن گھوڑے نے سرکشی کی اور لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ بادشاہ اس خوف سے کہ کہیں شیخ گر نہ جائیں تقریباً پچاس قدم تک شیخ کی رکاب میں دوڑا گیا۔ بعد میں شیخ نے بادشاہ سے کہا کہ اس گھوڑے کی سرکشی میں یہ حکمت تھی کہ ہم ایک رات شیخ الاسلام شیخ نجم الدین کی خدمت میں تھے اور انہوں نے مجھے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ تمہاری رکاب میں بادشاہ دوڑے گا۔ آج میرے شیخ کی بات سچ ثابت ہوئی۔

نفحات الانس کے مطابق یہ رباعی شیخ سیف الدین باخرزی کی ہے:

ہر شب بمثال پاسبان کویت	می گردم گرد آستانے کویت
باشد کہ برآید آئے صنم روز حساب	نامم ز جریدہ سگان کویت
ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شوم	با عافیت آشنا و ہم خانہ شوم
ناگاہ پڑی رخے بمن بر گزرد	برگردم زاں حدیث دود یوانہ شوم [۲۰]

شیخ سیف الدین باخرزی کے ایک خلیفہ حضرت بدرالدین سمرقندی تھے۔ جب یہ ہندوستان تشریف لائے، اسی وقت سے ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کی ابتدا ہوئی اور پھر بدرالدین سمرقندی کے خلیفہ شیخ رکن الدین فردوسی کے بعد باضابطہ طور پر اس کو ایک سلسلہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت نجم الدین 'کبریٰ' ہی کے لقب سے مشہور و معروف ہوئے۔ اصل میں آپ سے طریقۂ کبرویہ سہروردیہ تین طریقوں سے ہندوستان آیا، اول سلسلۂ فردوسیہ کے نام سے مشہور ہوا، دوسرا امیر سید علی ابن شہاب ہمدانی کے ذریعہ کشمیر اور اس کے مضافات میں سلسلۂ کبرویہ ہمدانیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ تیسرا حضرت شیخ سید قطب الدین محمد مدنی کے ذریعہ ہندوستان آیا۔ [۲۱] آپ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں سے تھے۔ قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے زمانے میں ہندوستان آئے اور یہاں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کی نسل میں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، مثلاً حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلی، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا عبدالحیٔ حسنی مصنف نزہۃ الخواطر۔

طریقہ کبرویہ تین طریقوں سے ہندوستان پہنچا
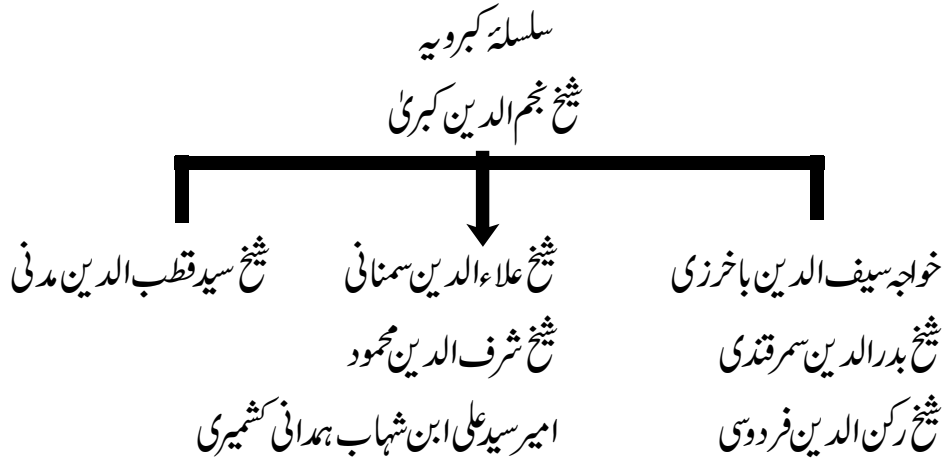
شیخ منیری سے قبل ہندوستان میں
سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ

(الف)

حضرت بدرالدین سمرقندی (۶۱۳ھ۔۶۹۸ھ)
کی ہندوستان آمد

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی کا شمار (۶۱۳ھ۔۶۹۸ھ) اپنے زمانے کے معتبر مشائخ میں شمار ہوتا تھا۔[۲۲] وہ طریقت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ بہت وجیہ، حد درجہ خوب صورت اور خوب سیرت تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے ان کے اچھے تعلقات تھے اور وہ محفل سماع کے لیے حضرت محبوب الٰہی کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سماع میں آپ پر وجد اور حال کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ صاحب مرأۃ الاسرار نے آپ کو اِن القاب کے ساتھ لکھا ہے ''محتشم روزگار، پیر عالی وقار، وارث علوم محمدی، مرشد کامل''۔[۲۳]

اخبار الاخیار میں ملفوظات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی، شیخ نجم الدین کبریٰ کے مریدوں میں سے تھے لیکن مشائخ سلسلۂ فردوسیہ کا قدیم ترین اور مستند تذکرہ حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف 'مناقب الاصفیاء'، جس میں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام فردوسی مشائخ کے حالات کا تذکرہ ہے، اس میں اس کی تصحیح کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت شیخ سیف الدین باخرزی سے تربیت وخلافت حاصل کی تھی جب کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی کے ملفوظات کا مجموعہ ''معدن المعانی'' سے بھی پتا چلتا ہے کہ آپ کے پیرومرشد حضرت سیف الدین باخرزی ہی تھے۔ حضرت مخدوم جہاں نے جو شجرۂ فردوسیہ لکھا ہے اس میں شیخ بدرالدین سمرقندی کے پیرومرشد حضرت شیخ سیف الدین باخرزی ہیں اور اسی طرح سیر الاولیاء میں بھی ذکر ہے۔

آپ نے شیخ سیف الدین باخرزی سے تربیت اور خلافت حاصل کی، آپ کے پیرومرشد بڑے پائے

کے بزرگ تھے اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں سے تھے۔ علامہ جامی کے بقول شیخ سیف الدین باخرزی روایتی علوم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مرید ہونے کی غرض سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے پاس تشریف لائے تھے۔۲۴؎ لیکن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء، حضرت سیف الدین باخرزی کے تصوف سے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اپنی جوانی میں تصوف کے سخت مخالف تھے اور زبردست خطیب ہونے کی وجہ سے اپنی تقریروں میں تصوف کا سختی سے رد کیا کرتے تھے۔۲۵؎ مزید کہتے ہیں کہ اپنے مریدوں کی مخالفت کے باوجود ایک مرتبہ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ سیف الدین باخرزی کی تقریر سننے کے لیے ان کی مجلس میں گئے۔

شیخ باخرزی، شیخ نجم الدین کو دیکھ کر مزید تصوف کا رد کرنے لگے شیخ نجم الدین کبریٰ ان کی تقریر سر جھکائے سن رہے تھے اور آہستہ آہستہ کہتے کہ اس شخص میں کتنی قابلیت ہے وہ ان کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے۔ جب محفل کا اختتام ہوا تو شیخ نجم الدین مسجد کے ایک طرف کو چلے گئے اور دریافت کیا کہ ''وہ صوفی (یعنی باخرزی) کہاں رہ گئے؟ کیوں نہیں آئے؟'' شیخ نجم الدین کا شیخ باخرزی کو ''صوفی'' کہنا تھا کہ ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور انہوں نے چیخنا چلانا اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد وہ شیخ نجم الدین کے قدموں پر گر پڑے۔ شیخ نے ان کو اپنا مرید و خلیفہ بنالیا اور سیف الدین باخرزی نے بھی اپنے آپ کو مرشد کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔۲۶؎

کچھ دن بعد شیخ نجم الدین کبریٰ اپنے مرید و خلیفہ شیخ سیف الدین کو بخارا جانے کا حکم دیا اور ان کے مستقبل کی پیشن گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کو وہاں بڑی شہرت ملے گی اور دنیا و آخرت میں راحت ملے گی۔ ۲۷؎

> ''شروع میں جب سیف الدین باخرزی کو خلوت میں بیٹھایا تو دوسرے چلےّ میں شیخ آپ کی خلوت میں آئے اور اپنی انگلی آپ کی خلوت کے دروازے پر ماری کہ اے سیف الدین، منم عاشق مرا غم سار و وارا ہست: تو معشوقی ترا باغم چہ کار است، اٹھو اور باہر آؤ۔ اس وقت آپ کے ہاتھ کو پکڑا اور خلوت سے باہر نکالا، پھر بخارا کی طرف جانے کا حکم دیدیا''۔۲۸؎

بقول حضرت نظام الدین اولیاء '' جب شیخ نجم الدین مسجد سے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو شیخ سیف الدین باخرزی دائیں طرف اور شیخ شہاب الدین سہروردی بائیں طرف چل رہے تھے''۔

''فوائد الفواد'' کے مطابق شیخ شہاب الدین سہروردی بھی اس محفل میں موجود تھے اور وہ بھی اسی مجلس میں شیخ نجم الدین سے مرید ہوئے۔۲۹ لیکن بقول حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی، شیخ شہاب الدین سہروردی کا نسبِ تصوف اپنے چچا ضیاء الدین ابونجیب سہروردی سے ملتا ہے۔۳۰ شیخ باخرزی تصوف سے وابستہ ہونے کے بعد بھی اپنی تقریر جاری رکھی اور اب وہ تصوف کا رد کرنے کے بجائے اس کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دینے لگے۔

بریک Berke (۱۲۵۷-۶۷) جو چنگیز خاں کا پوتا تھا اور ماوراء النہر کا حکمراں تھا، اس نے بخارا میں شیخ باخرزی کے ذریعہ ہی اسلام قبول کیا تھا۔۳۱ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے بقول ان کے دو نام تھے قبل اسلام، خیر بندہ، اور اسلام قبول کرنے کے بعد ''خدا بندا''۳۲ شیخ چراغ دہلوی نے مزید فرمایا کہ شیخ باخرزی کا ایک خواب تھا کہ شہزادہ اسلام قبول کرلے اس لیے انہوں نے مسلمان ہونے کی تجویز پیش کی۔

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی کے ابتدائی حالات کے متعلق تاریخ کے صفحات پر کچھ نہیں ملتا ہے۔ مختلف کتابوں میں آپ کے نام کے ساتھ سمرقندی لکھا ہے۔ آپ کے پیرومرشد حضرت سیف الدین باخرزی دینی خدمات انجام دینے کے لیے اپنے پیرومرشد حضرت نجم الدین کبریٰ کے حکم پر بخارا چلے گئے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے سمرقند و بخارا میں حضرت سیف الدین باخرزی سے شرف بیعت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر یہیں سے حضرت شیخ سیف الدین باخرزی نے آپ کو تربیت وخلافت دے کر تبلیغ واصلاح کیے لیے ہندوستان جانے کا حکم دیا۔

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی کو دینی علوم میں مہارت حاصل تھی۔ اس لیے مشائخ دہلی آپ کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے عہد میں دہلی تشریف لائے۔۳۳ آپ کے دہلی آنے کے متعلق مکتوبات مرزا مظہر جان جاناں میں ہے کہ جس زمانے میں حضرت خواجہ غریب نواز ہندوستان آکر رشد و ہدایت کا کام انجام دیا اسی زمانے میں حضرت بہاء الدین زکریا بھی ملتان سے ہندوستان آئے اور یہاں سلسلۂ سہروردیہ کی بنیاد ڈالی ٹھیک اسی زمانے میں حضرت بدرالدین سمرقندی کے ذریعہ سلسلۂ فردوسیہ بھی ہندوستان میں قائم ہوا۔۳۴

بقول ملک محمد، شیخ سمرقندی سینٹرل ایشیاء سے ہجرت کرکے دہلی کے التتمش بادشاہ کے ابتدائی دور میں دہلی تشریف لائے۔۳۵ جس زمانے میں آپ ہندوستان تشریف لائے اس وقت یہاں بہت سارے مشائخ

موجود تھے۔ مثلاً حضرت شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ غریب نوازا۔ وغیرہ ۳۶

یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آپ سمرقند یا بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور دہلی میں ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کر لی تھی کیوں کہ یہاں سے پھر کہیں دوسری جگہ نہ گئے بلکہ دہلی میں ہی ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کر لی۔ جب آپ کا انتقال ہوا، اس کے تیسرے دن محفل سماع منعقد کی گئی۔ اس میں حضرت نظام الدین اولیاء بھی تشریف لائے، لیکن اس مجلس میں شریک نہیں ہوئے اور الگ دوسری طرف احاطے میں بیٹھ گئے جب محفل شباب پر پہنچی اور دوسرے صوفیا وجد کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے تو حضرت نظام الدین اولیاء بھی کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ بھی محفل میں شریک ہوں لیکن انہوں نے شریک ہونے سے منع کر دیا اور کہا کہ تجھ میں اور بدرالدین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انھوں نے محفل میں شریک نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ مجھ میں اور تجھ میں مناسبت نہیں ہے اس لیے میں شریک نہیں ہوتا۔ مزید فرمایا کہ موافقت شرط ہے۔ ۳۷

حضرت بدرالدین سمرقندی پر حالت سماع میں کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، شاید اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو سماع میں غلو تھا۔ مناقب الاصفیاء میں اس سے متعلق ایک واقعہ اس طرح نقل ہوا ہے کہ ایک دفعہ محفل سماع سجی ہوئی تھی اور آپ اس میں شریک تھے۔ آپ کے سامنے چنگ (ستار کی قسم کا ایک باجا) بج رہا تھا۔ ایک بزرگ (نام درج نہیں) بھی اس مجلس میں موجود تھے جنھیں چنگ سے اعتراض تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ مزامیر میں داخل ہے اور وہاں سے اٹھ کر دوسری طرف ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ سماع بدستور جاری رہا۔ جب حضرت بدرالدین سمرقندی کو محفل میں ذوق پیدا ہوا تو وہ بزرگ جو، الگ جا کر بیٹھ گئے تھے، مُکیف ہوگئے اور ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنی داڑھی پکڑتے ہوئے محفل میں چلے آئے اور اپنی دستار اتار کر چنگ پر رکھ دی۔

اس واقعہ کو لکھنے کے بعد صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں کہ یقیناً اسی طرح کی کیفیت ہونی چاہیے، تاکہ کیفیت سے کیفیت پیدا ہو جائے اور صاحب ذوق کی برکت سے دوسروں کو ذوق آجائے۔ ۳۸

حضرت بدرالدین سمرقندی کے خلفاء میں حضرت رکن الدین فردوسی کا نام سرفہرست آتا ہے، لیکن سید اطہر عباس رضوی نے ان کے دو خلیفہ کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ خواجہ رکن الدین

۲۔ خواجہ نجیب الدین [۳۹]

ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ کے پہلے بزرگ حضرت بدرالدین سمرقندی نے فردوسی سلسلہ میں ہونے کے باوجود اپنے نام کے آخر میں کبھی ''فردوسی'' نہیں لکھا۔شاید اسی وجہ سے آپ ''فردوسی'' مشہور نہ ہوسکے۔ فردوسی لکھنے کا سلسلہ سب سے پہلے آپ کے مرید وخلیفہ اور حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے دادا پیر حضرت شیخ رکن الدین فردوسی نے شروع کیا۔ان ہی کے زمانے سے فردوسیہ سلسلہ لکھا اور پڑھا جانے لگا۔شیخ بدرالدین کا انتقال ساتویں صدی ہجری (۶۹۸ھ) میں ہوا۔آپ کو دہلی میں سنگولہ (پرانا قلعہ کے پیچھے، رِنگ روڈ کے درمیان) کے مقام پر دفن کیا گیا،آپ کا مزار متصل کوٹلہ فیروزشاہ جانب مشرق واقع ہے۔[۴۰] آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں کسی ایک رائے پر موٴرخین متفق نہیں ۔لیکن غالب گمان یہ ہے کہ آپ کا انتقال سلطان علاءالدین خلجی کے عہد میں ہوا۔

The date of Shaikh Badru'd-Din's death is unknown but probably it was during the reign of Sultan Ala'u'd-Din Khalji. [۴۱]

محمد عالم شاہ فریدی لکھتے ہیں کہ یہ بدرالدین کا مزار نہیں بلکہ بدرالدین تولہ کا ہے۔وہ یہ بات پوری قوت سے نہیں بلکہ ایک اندازے سے کہتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزار بدرالدین تولہ کا ہے جن کو بدرالدین فوق بھی کہتے تھے اور سلطان جی کے مریدان خاص میں سے تھے۔''[۴۲]

جبکہ اخبارالاخیار، ذکر جمیل اولیاء دہلی، مرآۃ الاسرار وغیرہ میں ان کو بدرالدین سمرقندی ہی لکھا گیا ہے۔

تعلیمات

حضرت بدرالدین سمرقندی فرمایا کرتے تھے:

''طلب علوم دینیہ کو لازم سمجھو اور ان پر عمل کرو اور عمل کو خالصۃً لوجہ اللہ رکھو کہ علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے اور کرامت کے طالب نہ رہو، بندگی میں استقامت اصل کرامت ہے تاکہ تم صاحب مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔''[۴۳]

حضرت بدرالدین سمرقندی کے مریدوں کی تعداد کا صحیح پتہ نہیں چل سکا۔ صرف حضرت رکن الدین فردوسی کا پتا چلتا ہے کہ یہ آپ کے خلیفہ تھے اور آپ نے بچپن سے جوانی تک شیخ رکن الدین کی پرورش کی تھی۔ 'مناقب الاصفیا' میں مریدوں کی تعلیم اور اس کی اصلاح و تربیت کے لیے آپ کے اقتباس ملتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے کوئی کتاب تصنیف کی تھی۔

حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی

(۶۳۳ھ-۶۹۹ھ)

(ب)

شیخ رکن الدین فردوسی، شیخ بدرالدین سمرقندی (۶۳۳ھ-۶۹۹ھ بمطابق ۱۲۳۶ء-۱۲۹۹ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے والد کا نام عمادالدین تھا۔ حضرت عمادالدین فردوسی، شیخ نجیب الدین فردوسی کے والد اور شیخ رکن الدین فردوسی کے علاتی بھائی تھے۔[۴۴] صاحب مناقب الاصفیا لکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین فردوسی اور حضرت نظام الدین دو بھائی تھے اور عمادالدین فردوسی کی اولاد تھے۔[۴۵] حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے بقول شیخ رکن الدین فردوسی، عمادالدین فردوسی کے صاحبزادے اور نجیب الدین فردوسی کے علاتی بھائی تھے۔[۴۶]

اپنے شیخ کے انتقال کے بعد آپ ان کی جگہ مسند نشیں ہوگئے اور آخری عمر تک دہلی کو ہی اپنا مسکن بنایا۔ آپ کا آستانہ کیلوکھری موجودہ مہارانی باغ، نئی دہلی میں واقع ہے۔[۴۷] جہاں ہر سال قمری تاریخ کے مطابق ۲۲/صفر کو عرس منایا جاتا ہے۔

شیخ رکن الدین فردوسی اور شیخ نظام الدین اولیاء دونوں ہم عصر تھے اور دونوں کے تعلقات بہت اچھے اور خوش گوار تھے۔

دہلی میں جب سلطان معزالدین کیقباد نے اپنا دارالسلطنت کیلوکھری منتقل کیا تو آپ بھی کیلوکھری چلے آئے اور یہیں دریائے جمنا کے کنارے اپنی خانقاہ بنا کر مقیم ہوگئے اور پھولوں کی کیاریوں سے خانقاہ کو سجایا اور چاروں طرف پیڑ پودے لگائے۔[۴۸]

شیخ رکن الدین فردوسی سلسلۂ فردوسیہ کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے 'فردوسیہ' لکھنے کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے کبھی کسی بزرگ نے اپنے نام کے آخر میں ''فردوسی'' نہیں لکھا۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے ملفوظ ''معدن المعانی''[۴۹] میں سلسلۂ فردوسیہ کا شجرہ لکھا ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے کسی بزرگ نے اپنے نام کے آخر میں فردوسی نہیں لکھا۔ اس کے برعکس شیخ رکن الدین فردوسی کے بعد تمام فردوسی مشائخ نے اپنے نام کے بعد ''فردوسی'' لکھا ہے۔

معدن المعانی میں شجرہ فردوسیہ اس طرح درج ہے:

شجرۂ فردوسیہ

خواجہ نجیب الدین فردوسی ، خواجہ رکن الدین فردوسی ، خواجہ بدر الدین سمر قندی، خواجہ سیف الدین باخرزی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، خواجہ وجہ الدین ابوحفص، خواجہ محمد بن عبداللہ عمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوری۔

مخدوم جہاں کے ملفوظ ''خوان پرنعمت'' میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی، شیخ عماد الدین فردوسی کے صاحبزادے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ دہلی میں شیخ رکن الدین ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے دہلی میں عرس کو عام کیا، آپ ہر سال اپنے شیخ کا عرس منایا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء غیاث پور (موجودہ بستی نظام الدین) میں نو وارد تھے اور وہاں ایک خاص جگہ میں رہتے تھے۔ ابھی تک آپ کو شہرت نہیں ملی تھی لیکن ان کی دولت و نعمت میں دن بہ دن ترقی ہو رہی تھی۔

" پیش ازیں دریں کار (عرس) عرس در دھلی معروف ومشھور
از شیخ رکن الدین بوده رحمته الله علیه وعرس میران ایشان
میکر دند یکه عرس در دھلی ابتدا ایشان کر دند ـ در آن وقت
شیخ نظام الدین بدایونی در غیاث پوررسیده در جائیگاه می
بودند هنوز شهرت نیا فتندبودند ـ اما روز بروز دولت و نعمت
ایشان مزید می شد" ۵۰

مناقب الاصفیاء میں حضرت شعیب نے آپ کا ذکر۔ اس شعر میں یوں کیا ہے کہ

خدا وندا بقرب شیخ کامل
شہ دیں رکن فردوسی واصل

اور آپ کو شیخ الاسلام لکھا ہے۔ آپ اہل طریقت میں سے تھے اور بچپن ہی سے پیر و مرشد کی تربیت میں رہے جس کی وجہ سے آپ علوم ظاہری و باطنی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے۔ آپ کے ابتدائی حالات کے متعلق مناقب الاصفیاء میں ایک واقعہ نقل ہے کہ آپ کے شیخ بدر الدین سمرقندی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ

سید میر خورد ایک لڑکے کو آپ کی گود میں دے رہے ہیں۔ شیخ بدرالدین نے اپنا وہ خواب امیر خورد کو سنایا جو خود اہل طریقت میں سے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی تعبیر کچھ دنوں کے بعد ظاہر ہو جائے گی۔

اصل میں سید امیر خورد کی ایک صاحب زادی تھی جب وہ بالغ ہوئیں تو آپ کے قریبی لوگ کہنے لگے کہ لڑکی جوان ہوگئی ہے۔ اب اس کی جلد از جلد شادی کر دینی چاہیے۔ سید امیر خورد نے جواب دیا کہ جس کی قسمت کی ہے وہ خود آ جائے گا ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

کچھ عرصہ بعد شیخ عماد الدین فردوسی اپنے دو صاحب زادوں کو لے کر سید امیر خورد کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ یہ خانقاہ کہاں قائم تھی؟ اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ ان میں سے شیخ نظام الدین جوان تھے اور شیخ رکن الدین کم سن تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ سلام وکلام کے بعد سید امیر خورد نے اپنے لوگوں سے کہا کہ میری لڑکی جس کے مقدر کی ہے وہ آ گیا ہے لیکن نظام الدین نے والد کی اجازت لے کر فقیری اختیار کر لی اور حق کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔ فقیری و عاجزی کو امیری پر فوقیت دی اور شادی نہیں کی۔

شیخ عماد الدین فردوسی کو ایک بیٹے کے غم نے نڈھال کر ہی دیا تھا۔ ایک دن چھوٹے صاحبزادے شیخ رکن الدین کو دیکھ کر آنکھیں چھلک آئیں۔ سید امیر خورد نے یہ منظر دیکھ کر رونے کی وجہ دریافت کی، شیخ عماد نے جواب دیا کہ ایک بیٹا تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے اور رکن الدین بھی جوان ہونے کو ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ بھی جوان ہو کر مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ اس کی ماں نے مجھ سے وصیت کی ہے کہ اس کو کبھی خود سے جدا نہیں کرنا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کی والدہ کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ ۱۵

سید امیر خورد نے جواب دیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوگا اور یہ آپ سے جدا بھی نہیں ہوں گے انھوں نے کہا کہ اس وقت دہلی میں ایک شخص ہیں جو آپ سے بہتر طریقے سے رکن الدین کی تربیت کریں گے پھر میر خورد نے ایک شخص کی معرفت شیخ بدرالدین کو پیغام بھیجا اور پرانا خواب یاد دِلایا کہ جس لڑکے کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا، وہ آ گیا ہے آپ آ جائیں اور اسے اپنے پاس لے جائیں۔

شیخ بدرالدین سمرقندی خود تشریف لائے اور شیخ رکن الدین کو اپنے گھر لے گئے۔ اب شیخ رکن الدین کے لیے ان کے پیر ہی سب کچھ تھے۔ بچپن ہی سے خانقاہ میں احسن طریقے سے آپ کی پرورش ہونے لگی جب آپ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا گیا۔ ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے رکھ کر علم شریعت وطریقت سے سرفراز

کیا۔ جب طریقت میں کمال حاصل کرلیا تو سلسلۂ فردوسیہ میں بیعت کر کے خلافت عطا کر دی اور اپنا جانشین بنایا۔ جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو شیخ رکن الدین فردوسی ان کی جگہ سجادہ نشیں ہو گئے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد شیخ عماد الدین ہیں۔ اسی طرح ''خوان پر نعمت'' میں بھی ہے کہ آپ عماد الدین کے صاحب زادے اور نجیب الدین فردوسی کے علاتی بھائی تھے۔ اسی طرح مرأۃ الاسرار میں بھی ہے کہ حضرت عماد الدین فردوسی شیخ نجیب الدین فردوسی کے والد اور شیخ رکن الدین کے بھائی تھے۔ مرأۃ الاسرار بہت بعد کی ہے۔ اس کتاب کے اوپر زمانۂ تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ درج ہے۔

تعلیمات

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی نے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کے لیے ایک مکتوب بھی تحریر فرمایا تھا۔ اس مکتوب میں آپ نے لکھا ہے کہ بندے کو ہمیشہ اپنے پروردگار کی یاد میں مشغول رہنا چاہیے۔ اس حوالے سے یہ مکتوب قیمتی اور نادر و نایاب ہے۔ مکتوب کی ابتدا اِس طرح ہوتی ہے:

" اے عزیز ! مشغولی آ ن ست که دایم در یاد او باشی و یاد او نه
آن ست که یاد حروف و اصوات کنی که آن غیر اوست و در
ذکر فراموشی غیر او باید ۔ چنانکه فرمود واذ کر ربك
اذانسیت بلکه یاد اُوآن بود که ذاکر باشی ذات بے کیف اورا
باصفات بے چون اورا۔ اے عزیز! چوں چیزے ندیده باشی یاد اُو
چگونه کنی و اُو بچه و جه در خاطر تو بگذرد ا اکنو ں
بدانکه۔ ۵۲

چوں آدم را فر ستادیم بیروں جمال خویش در صحرا نہا دیم''

اے عزیز! مشغولی یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی یاد میں لگے رہو اور یاد یہ نہیں ہے کہ حروف و آواز کے ذریعہ یاد کیا جائے اس لیے کہ حروف و آواز اس کا غیر ہے، ذکر میں اس کے غیر کو فراموش کر دینا چاہیے۔ جیسا کہ فرمایا، اپنے پروردگار کو اس وقت یاد کرو جب اس کے ماسوا کو فراموش کر دو بلکہ اس کی ذات بے کیف اور بے مثال

صفات میں گم ہو جاؤ، ذکر ایسا ہو۔ اے عزیز! جب تم نے کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں تو پھر اس کو یاد کیسے کرو گے اور کس طرح تمہارے دل میں اس کی گذر ہو گی؟ اس کو یوں سمجھو جب میں نے آدم کو باہر بھیجا تو اپنے جمال کو میدان میں ڈال دیا۔

حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی

(م۶۹۱ھ)

(ج)

شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ عماد الدین فردوسی کے صاحب زادے اور شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید و خلیفہ اور علاتی بھائی تھے۔ آپ کی خانقاہ دہلی شہر کے مہرولی میں حوض شمسی کے مشرقی کنارے ایک بلند اور اونچے مقام پر قائم تھی۔ آپ کی قبر بھی وہیں پر مولانا برہان الدین بلخی کی قبر کے نزدیک ہے۔

حضرت نجیب الدین فردوسی صاحب حال اور صاحب کرامت بزرگوں میں سے تھے، پر ہمیشہ پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے ابتدائے حال سے لے کر انتہائے سلوک تک اپنے شیخ رکن الدین فردوسی سے تربیت حاصل کی۔ آپ کے کمالات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری جیسے متبحر عالم وصوفی بھی آپ کے مرید اور تربیت یافتہ ہوئے۔

حاجی نظام الدین غریب یمنی جامع لطائف اشرفی جو سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مریدوں میں سے تھے اور جن کو مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے تقرب زمانی حاصل تھا لکھتے ہیں:

> ”حضرت شیخ شرف الدین بعد از تحصیل علوم شرعیه و تکمیل ریاضت اصلیه و فرعیه بشرف ملا زمت حضرت سلطان المشائخ به دهلی تشریف بر دند و استدعاء ارادت و ارشاد کردند۔ استفسار از عالم غیبی و قضائے لا ریبی کر دند ۔ و سر بجیب استغراق کشیده بر آوردند و فر مو دند برادر شرف الدین نصیب ارادت و حصول سلوك شما ازبرادرم نجیب الدین فردوسی است“ ۵۳

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے خود ’معدن المعانی‘ میں شجرۂ فردوسی لکھا ہے جن میں آپ کے پیر و مرشد شیخ نجیب الدین فردوسی ہیں۔۵۴ مخدوم جہاں کے خالہ زاد بھائی شیخ شاہ شعیب فردوسی جو شیخ شرف الدین منیری کے زمانے میں موجود تھے اور مخدوم جہاں ہی سے بیعت بھی تھے، وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم جہاں کے پیر مرشد شیخ نجیب الدین فردوسی ہی ہیں۔۵۵

لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں چشتی مشائخ کی آمد سے قبل شیخ بدرالدین سمرقندی اور ان کے مریدین نے پورے طور پر دہلی میں اپنے آپ کو بحال کرر کھا تھا جن میں سے ایک نجم الدین صغریٰ ہیں اور یہ فردوسی بزرگ تھے۔ ۵۶

لیکن یہ کتابت کی غلطی سے نجیب الدین فردوسی کے بجائے نجم الدین صغریٰ لکھ گیا ہے۔ نجم الدین صغریٰ دوسرے ہیں جو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیے گئے تھے۔ ۵۷ ان کو صغریٰ اس لیے کہا جاتا تھا تا کہ ان کے اور نجم الدین کبریٰ کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے۔ ۵۸

جن کو نجم الدین صغریٰ لکھا گیا ہے وہ اصل میں نجیب الدین فردوسی ہیں۔ اور حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے پیرومرشد ہیں۔ ۵۹ نجم الدین صغریٰ کے سلسلۂ فردوسیہ سے وابستہ ہونے کے متعلق کسی بھی معتبر ذرائع سے پتہ نہیں چلتا۔ حضرت نجیب الدین فردوسی کے بارے میں شیخ شعیب نے فرمایا:

خدا وندا بشیخ قطب اقطاب نجیب الدین کہ دیں زوشد شر فیاب ۶۰

مناقب الاصفیاء کے مطابق مشہور فقہ حنفی کی کتاب ''فتاویٰ تاتارخانی'' کے جامع مولانا عالم، آپ ہی کے مرید تھے۔

آپ کا انتقال سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں ہوا۔ ۶۱

فردوسی اور چشتی مشائخ کے باہمی تعلقات

جس وقت سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ کی دہلی میں آمد ہوئی، اس وقت دہلی اور اس کے اطراف میں مشائخ چشتیہ کا بڑا زور تھا۔ بیش تر لوگ انہی مشائخ سے وابستہ تھے۔ ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ سلسلۂ فردوسیہ کے بزرگ شیخ بدرالدین سمرقندی بخارا سے ہجرت کر کے آئے اور سنگولہ (موجودہ فیروز شاہ کوٹلہ اور رنگ روڈ کے درمیان) کو اپنا مسکن بنایا تو اس وقت سے ہی آپ نے مشائخ دہلی سے اپنے تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کی جس کا بہتر نتیجہ بھی سامنے آیا۔

آپ کے تعلقات حضرت نظام الدین اولیاء کے ساتھ بہت بہتر تھے، اسی لیے آپ اکثر محبوب الٰہی کی خانقاہ میں آکر محفل سماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت بدر الدین سمرقندی اپنے شیخ سیف الدین باخرزی کا عرس مناتے اور لنگر کا اہتمام کرتے تھے تو حضرت نظام الدین اولیاء بھی لنگر کا اہتمام کرتے اور اس عرس میں شریک ہوا کرتے تھے۔٦٢

شیخ بدرالدین سمرقندی کا جب انتقال ہوا، تیسرے دن محفل سماع منعقد کی گئی تو محبوب الٰہی اس محفل میں شریک ہوئے اور محفل سے الگ جا کر بیٹھ گئے۔ جب سماع شروع ہوا، اور دوسرے مشائخ دوران سماع کھڑے ہوئے تو محبوب الٰہی بھی کھڑے ہوگئے، لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ بھی محفل میں شریک ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھ میں اور بدرالدین میں مناسبت تھی، کہاں یہ اور کہاں تم! موافقت شرط تھی اس لیے چلا آیا، تم لوگ ہی محفل میں شریک رہو۔٦٣

شیخ بدرالدین سمرقندی کے مرید و خلیفہ اور سلسلۂ فردوسیہ کو پہلی مرتبہ ہندوستان میں متعارف کرانے والے حضرت شیخ رکن الدین فردوسی جب خلافت سے سرفراز ہوئے تو آپ کے تعلقات بھی حضرت نظام الدین اولیاء سے بڑے گہرے ہو گئے اور کئی دفعہ آپ دونوں کی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔٦٤

حضرت رکن الدین فردوسی جب اپنے پیر کا عرس کرتے تو باضابطہ حضرت نظام الدین اولیاء کو دعوت دیتے اور محبوب الٰہی آپ کے یہاں کیلو کہری (موجودہ مہارانی باغ) تشریف لاتے تھے۔٦٥

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری ''خوان پرنعمت''٦٦ میں اپنے شیخ حضرت نجیب الدین

فردوسی کی والدہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک نیک، متقی و پرہیز گار عورت تھیں، نعمتوں سے مالا مال تھیں، یہاں تک کہ لوگ ان کو بھی شیخ کہتے تھے۔ مخدوم جہاں نے ان کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن میرے شیخ کی والدہ شیخ رکن الدین فردوسی سے فرماتی ہیں:

''سنتی ہوں کہ غیاث پور میں شیخ نظام الدین بدایونی رہتے ہیں۔ وہ کیسے ہیں؟ میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کوئی صورت بتائیں'' ۶۷

شیخ رکن الدین فردوسی نے جواب دیا کہ میں انہیں عرس کے موقع پر دعوت دے کر بلاؤنگا اوران کے لیے ایک خاص جگہ متعین کر کے وہاں بیٹھا دوں گا اور آپ بھی کوئی مناسب جگہ بیٹھ جائیں گی۔ میں اس مجلس میں اشارہ کر کے بتادوں گا کہ یہی ہیں۔ اس طرح آپ انہیں دیکھ لیں گی۔

جب عرس کا موقع آیا اور حضرت نظام الدین اولیاء تشریف لائے تو منصوبہ بند طریقے سے شیخ نجیب الدین فردوسی کی والدہ نے محبوب الٰہی کو دیکھا پھر اپنی جگہ چلی گئیں۔ بعد میں جب شیخ رکن الدین فردوسی نے پوچھا کہ آپ نے محبوب الٰہی کو دیکھا، کیسا پایا؟ تو حضرت کی والدہ نے فرمایا:

''میں نے ان کی پیشانی میں ایسا نور دیکھا ہے جس سے وہ دہلی میں وہ کار نامہ انجام دیں گے جو کسی نے نہیں کیا ہے۔'' ۶۸

ان شواہد کے باوجود ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی اور شیخ نظام الدین اولیاء میں محبت واخلاص نہ تھا۔ پوری عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

" عرض میدار و کاتب حروف بر آ نجملہ کہ شیخ رکن الدین فردوسی را بخدمت سلطان المشائخ چنداں اخلاص نبود و او از شہر آمدہ بود ہم در کنار ہ آب جون در حد کیلوکہری مقامے ساختہ است و شیخی بنیاد نہادہ و پیسران اورا کہ جوان نو خاستہ بودند و مریدان او را با بندگان سلطان المشائخ نقازے بود کرّات در کشتی سوار و سماع گویا ں و رقص کناں زیر خانۂ سلطان المشائخ بے گذ شتند روزے بطریق بعد از نماز پیشیں در کشتی

سوار با جمعیت و سماع و رقص کناں از پیش
خانۂ سلطان المشائخ میگذشتند سلطان المشائخ
بدولت بربام جما عت خانه مشغول نشسته و والد
کاتب حروف رحمت الله علیه علیه در آں مجلس
پیش ایستاده بود چوں با غلبۂ شور و سماع که در
کشتی میکر دند در نظر مبارك سلطان المشائخ در
آمدند فرمود سبحان الله،سالہا یکے دریں کار
خون میخورد و جان خود فدائے ایں راه میکندو
دیگراں نو خاسته اند و میگو یند تو کیستی کی ما
نه ایم دست مبارك خویشتن بآ ستین مبارك با
آورد وو جانب ایشاں اشارت کرد که حالا بر و
همیں که کشتے پیسران شیخ رکن الدین بآں غو
خانۂ خودرسید از کشتی فرود آمدند خوا ستند
غلے کنند همینکه بر لب آب درآمدند در حال
غرق شدند بنده ایں حکایت از خدمت
سیدالسادات سید حسین عم خود ۔ ” ۷۹؎

مندرجہ بالاعبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”کاتب حروف خودعرض کرتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ کی خدمت میں چنداں اخلاص نہ تھا، بلکہ اُس کے دل میں آپ کی طرف سے ایک طرح کا رشک تھا جسے وہ ہمیشہ پوشیدہ رکھتا تھا، جب وہ شہر سے آیا تھا تو کیلو کہری کی حدود میں جمنا ندی کے کنارے اپنی سکونت کے لیے ایک مقام مرتب کیا تھا اور اسے پھل پھولدار درختوں سے خوب سجایا تھا۔

شیخ رکن الدین فردوسی کے لڑکوں کو جو نوخاستہ جوان تھے اور ان کے خام طبع مریدوں کو سلطان المشائخ کے غلاموں اور معتقدوں سے عداوت تھی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ یہ لوگ کشتی میں سوار ہو کر گاتے ناچتے سلطان المشائخ کے

گھر کے نیچے سے گزرا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ یہ لوگ نماز فجر
کے بعد کشتی میں سوار ہو کر اپنی جمعیت کے ساتھ گاتے اور ناچتے ہوئے
سلطان المشائخ کے مکان کے آگے سے گزر رہے تھے۔ اس وقت جناب شیخ
المشائخ جماعت خانہ کے زینہ پر مشغول بیٹھے تھے اور کاتب الحروف کے
والد بزرگوار بھی اسی مجلس میں حاضر تھے اور سلطان المشائخ کے آگے مؤدب
کھڑے تھے۔ جب کشتی والے شور وغل مچاتے اور سماع ورقص کرتے ہوئے
سلطان المشائخ کی نظروں کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ایک
شخص سالہا سال سے اس کام میں خون جگر کھا رہا ہے اور اپنی جان اس راہ
میں قربان کر رہا ہے اور دوسرے نوخواستہ اور ناتجربہ کار لوگ ہیں جو کہتے ہیں
کہ تو کون ہے کہ ہماری برابری کا دعویٰ کرتا ہے؟ یہ کہہ کر آپ نے اپنا ہاتھ
آستین سے نکالا اور ان کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ رکن الدین فردوسی کے
فرزندوں کی کشتی اسی شور وغل کے ساتھ جوں ہی اپنے مقام پر پہنچی اور وہ
لوگ کشتی سے اتر کر شور وغل مچانے کے ارادے سے جیسے ہی لب دریا آئے،
کہ فوراً کشتی کو غیر معمولی جنبش ہوئی سب کے سب دریا میں ڈوب گئے ۔
کاتب حروف نے یہ حکایت سید حسین اپنے عم بزرگوار سے سنی ہے۔''

اس واقعہ کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں، حبیب اللہ نے ذکر جمیل الاولیاء دہلی، میں اور مرأۃ الاسرار وغیرہ میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ دونوں بزرگوں میں چنداں اخلاص نہ تھا۔ یہی واقعہ خیر المجالس میں بھی کچھ تبدیلی کے ساتھ نقل ہے۔ صرف اتنا اضافہ ہے کہ اس میں ڈوبنے والے لڑکوں کو عماد الدین کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ غسل کی غرض سے پانی میں اترے تھے اور پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا، ایک بھائی اس میں بہہ گیا اور جب دوسرا، اس کو بچانے کی غرض سے آگے بڑھا تو وہ بھی پانی کی تیز رو میں بہہ گیا۔[۷۰]

ڈوبنے والے ان دونوں لڑکوں کے متعلق مؤرخوں میں کچھ اختلاف بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں بھائی جمنا میں ڈوبنے والے عماد الدین کے بیٹے تھے لیکن سیر الاولیاء اور خیر المجالس وغیرہ میں مذکور ہے کہ یہ دونوں بھائی رکن الدین فردوسی ہی کے بیٹے تھے۔ یہ بات زیادہ صحیح ہے۔ ا ے

اس کتاب میں اس واقعہ کو محبوب الٰہی کی کرامت شمار کیا گیا ہے کہ انہوں نے شیخ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تھے اس وجہ سے یہ حادثہ پیش آیا لیکن ''مناقب الاصفیاء'' جو مشائخ فردوسیہ کے بارے میں مستند مانی جاتی ہے، اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ محبوب الٰہی اور شیخ رکن الدین فردوسی کے درمیان کوئی حسد نہ تھا۔ ہاں! آپ کے مریدوں اور معتقدوں کے درمیان حسد تھا۔ اگر شیخ رکن الدین فردوسی کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ کے مریدین کہتے کہ یہ شیخ نظام الدین کی طرف سے ہے لیکن یہ حسد کس وجہ سے تھا، معلوم نہیں ہو سکا۔ ۲ ے

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مریدوں میں حسد جلن کی گنجائش نہیں تھی اور نہ حضرت محبوب الٰہی کا اس طرح کا مزاج تھا، وہ تو بڑے ملن سار ہر دلعزیز اور خلق اللہ سے محبت کرنے والے تھے۔ ہاں! اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چند لوگ اس طرح کے رہے ہوں گے جیسا کہ ہر زمانے میں پایا جاتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تو مخدوم جہاں سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء اور دیگر کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری جس وقت راجگیر کے جنگلوں میں روپوش ہو کر چلہ کشی میں مشغول تھے اور کسی کو بھی شرف ملاقات حاصل نہیں ہوتا تھا لیکن جب پتہ چلا کہ آپ جنگل میں دیکھے گئے ہیں تو اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید حضرت ملا نظام الدین آپ سے ملاقات کی خاطر جنگل تشریف لے گئے اور جب ملاقات ہو گئی تو بار بار جانے لگے۔ بعد میں مخدوم جہاں نے خود ہی منع فرما دیا اور خود ملنے کی غرض سے شہر آ جایا کرتے تھے۔

بہار شریف میں جب پہلی مرتبہ مخدوم جہاں کی خانقاہ تعمیر ہو رہی تھی تو اس کی تعمیر میں ملا نظام الدین نے اہم کردار نبھایا اور ہر طرح کی خدمت انجام دیں۔ ۳ ے

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ چشتی اور فردوسی مشائخ کے تعلقات بہت بہتر اور خوشگوار تھے۔

آماخذ ومصادر

(۱)

۱۔ Encyclopedia of Ethics ,v.xi,p.68

۲۔ **حبیباں**، یہ حضرت حبیب بن اسلم راعی کی طرف منسوب ہے۔سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب فارسی، النوریہ الرضویہ پبلکیشن کمپنی لاہور پاکستان، ۱۴۳۵ھ، صفحہ، ۹۶۔

طیفوریاں، اس جماعت کے پیشوا حضرت ابوصالح بن حمدون احمد بن عمارہ قصار ہیں۔ ابوالفضل علامی، آئینۂ اکبری، بہ تصحیح سرسید احمد، سرسید اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۵، صفحہ ۳۲۲۔

کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۱۹۲

سقطیان، یہ سلسلہ حضرت ابوالحسن بن مغلس سقطی کی طرف منسوب ہے (م ۲۵۳ھ۔۸۶۷ء)، آپ حضرت جنید بغدادی کے ماموں تھے۔ **جنیدیاں**، یہ حضرت جنید بغدادی کی طرف منسوب ہے۔آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ ۲۹۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

کشف المحجوب فارسی، صفحہ، ۱۹۸

کارزونیاں، یہ ابواسحاق بن شہریار (م ۴۲۶ھ کی طرف منسوب ہے۔تذکرۃ الاولیاء، فریدالدین عطار، ناشر الفاروق بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۷ء صفحہ، ۳۰۱

کرخیاں، یہ سلسلہ حضرت علی بن موسیٰ رضا، ابومحفوظ معروف بن کرخی، (م ۲۰۰ھ) کی طرف منسوب ہے۔

کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۹۴

طوسیاں، یہ گروہ حضرت علاء الدین طوسی کی طرف منسوب ہے۔ایضاً۔

فردوسیاں۔ یہ سلسلہ حضرت نجم الدین کبریٰ کے ایک قول کی طرف منسوب ہے۔آپ ۶۱۸ھ میں شہید ہوئے۔

سید اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، جلد، اول، سہیل پریس پاکستان چوک کراچی، ۱۹۹۹ء صفحہ ۵۴۳۔

سہروردیاں، یہ سلسلہ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی (م ۵۶۳ھ) کی طرف منسوب ہے۔ایضاً۔

زیدیاں، یہ سلسلہ حضرت شیخ عبدالواحد بن زید کی طرف منسوب ہے۔ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، حلیۃ الاولیاء اردو

وطبقات الاصفیاء، دارالاشاعت ۲۰۰۶ء صفحہ ۵۶۴۔

عباسیاں، یہ جماعت حضرت فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ) سے منسلک ہے۔ کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۱۵۲۔

ادہمیاں، یہ سلسلہ حضرت ابواسحاق ابراہم بن ادہم (م ۱۶۲ھ) کی طرف منسوب ہے۔ آئینۂ اکبری، صفحہ ۳۲۲،

کشف المحجوب فارسی، صفحہ ۱۶۰۔

چشتیاں، یہ سلسلہ حضرت شیخ ابواسحاق شامی کی طرف منسوب ہے۔ آئینۂ اکبری، صفحہ ۳۲۲۔

ہبیریاں، یہ شیخ ہبیرہ بصرہ کا پیرو ہے۔ آئینۂ اکبری، ص ۳۲۲، حلیۃ الاولیاء، صفحہ ۵۵۷۔ ایضاً ابوالفضل علامی، آئینۂ اکبری، بہ تصحیح سرسید احمد، سرسید اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۵ ص ۲۰۳، ایضاً خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دارالمصنفین، ص ۱۳۲۔

۳۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۶۴۸۔

ایضاً Muslim Shrine in India, edited by Christian W.Troll

(Oxford Univercity press New Delhi,1989), p.3

ایضاً سید اطہر عباس رضوی A History of Sufism in India، ص ۱۱۶۔

۴۔ Encyclopedia of Ethics,v. 10.p.68۔

۵۔ خلیق احمد نظامی، مشائخ چشت، دارالمصنفین، ص ۱۳۲۔

۶۔ سید محمد بن مبارک کرمانی، سیرالاولیاء فارسی، در مطبع ہند دہلی، ۳۰۲ھ، صفحہ ۱۵۷۔

(۲)

۷۔ سید ضمیر احمد، سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء واخبارالاخیار، صفحہ ۲۵۲

ایضاً سید اشرف جہانگیر سمنانی، لطائف اشرفی، جلد، اول، سہیل پریس پاکستان چوک کراچی، ۱۹۹۹ء، صفحہ ۵۳۴

۸۔ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، ملفوظ، معدن المعانی، مکتبہ شرف، بہار شریف، نالندہ، ۱۹۸۵، صفحہ ۲۷۲

۹۔ مولانا شعیب، مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، ناشر، مکتبہ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ اصلیہ پریس، دہلی، ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۰۶

۱۰۔ حوالہ سابقہ، صفحہ ۲۳۱

۱۱۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی، ملفوظ، لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی، جلد ۱، ناشر گنج بخش انٹر پرائزیز کراچی ۱۹۹۹ء، صفحہ ۳۵۲

۱۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار فارسی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ، صفحہ ۱۱۸

۱۳۔ محمد داراشکوہ ابن شاہ جہاں، سفینۃ الاولیاء، مطبع مدرسہ آگرہ، ۱۸۳۵ء، صفحہ ۱۷۶

۱۴۔ حوالہ سابقہ، صفحہ ۱۷۷

۱۵۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس من حضرات القدس فارسی، سنہ ندارد، صفحہ، ۲۸۱

۱۶۔ صفحہ ۲۸۲ حوالہ سابقہ

۱۷۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس من حضرات القدس فارسی، سنہ ندارد، صفحہ ۲۸۲

۱۸۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، فوائح الجمال وفواتح الجلال، دار سعاد الصباح کوئت، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۲

۱۹۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، قلمی نسخہ، ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، صفحہ، ۶۳

۲۰۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، مترجم سید احمد علی، ص، شبّیر برادرز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۲ء، صفحہ، ۴۵۸

۲۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، جلد ۳، ناشر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو، ۲۰۰۶ء، صفحہ، ۱۸۹

۲۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، اکبر بک سیلرز اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۲۵۲

۲۳۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی، مرأۃ الاسرار، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور ۱۴۱۴ھ، صفحہ ۸۳۷

۲۴۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس، مترجم سید احمد علی، ناشر شبیر برادرس اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء صفحہ، ۴۵۸

ایضاً History of Sufism in India. by Saiyid Athar Rizvi.p.226

۲۵۔ خیر المجالس، ملفوظ نصیر الدین چراغ دہلی، واحد بک ڈپو، جونا مارکٹ کراچی، ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۷۷

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ نفحات الانس، صفحہ، ۴۵۸

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، منظور بکڈپو، بلبلی خانہ دہلی، ۹۹۲ء، صفحہ ۳۹۰

۳۰۔ نفحات الانس، صفحہ ۴۹۶

History of Sufism in India. by Saiyid Athar Rizvi.p.226 ۔۳۱

۳۲۔ خیر المجالس، صفحہ ۱۷۷

۳۳۔ آئین اکبری، مرتبہ سرسید احمد خان، مرأۃ الاسرار، صفحہ ۸۳۷

۳۴۔ مکتوبات مرزا مظہر جان جاناں، مکی دار الکتب، لاہور، صفحہ ۴۵۔۴۶

he Dargah of Sufi Shaikh Sharfuddin Nuniri at Bihar Sharif.p.30 ۔۳۵

۳۶۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی۔ مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، ناشر، مکتبہ ءشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ۔ اصلیہ پریس، دہلی، ۲۰۰۱ء، صفحہ ۱۴۳

حضرت شعیب اور حضرت مخدوم جہاں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ دونوں کے دادا حضرت امام فقیہ کے صاحبزادے تھے ۔اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے حالات کا قدیم اور خاندانی ماخذ ہے۔ بہار شریف، نالندہ۔ مطبع، اصلیہ پریس، دہلی، ۲۰۰۱ء۔

۳۷۔ مرأۃ الاسرار صفحہ ۸۳۷، اخبار الاخیار، صفحہ ۴ ۲۵، ذکر جمیل اولیاء دہلی، صفحہ ۲۳

۳۸۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۱۴۴

History of Sufism inIndia ,p. 228 ۔۳۹

۴۰۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، ناشر، مکتبہ ءشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ۔ اصلیہ پریس، دہلی، ۲۰۰۱ء

History of Sufism inIndia ,p. 227 ۔۴۱

۴۲۔ محمد عالم شاہ فریدی، مزاراتِ اولیاء دہلی، فرید بکڈپو، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۱۰، اس کتاب میں دہلی کے تمام صوفیہ کرام کے حالات زندگی کو درج کیا ہے اور کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی اب ڈاکٹر حفظ الرحمٰن نے نئے سرے سے مرتب کیا ہے۔

۴۳۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۱۴۴

۴۴۔ مرأت الاسرار، صفحہ ۸۳۸

۴۵۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۵۷

۴۶۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظ، خوان پر نعمت ،مترجم ،علی ارشد شرفی،ناشر شرف الاشاعت خانقاہ بلخیہ فردوسیہ، بہار،۱۹۸۹،صفحہ۱۹۹

۴۷۔ شیخ رکن الدین فردوسی کی والدہ کی قبر آپ کی قبر کے دائیں جانب ہے۔

۴۸۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ۱۴۴

۴۹۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظ،معدن المعانی،مکتبہ شرف، بہار شریف، نالندہ،۱۹۸۵،صفحہ۲۷۳
''معدالمعانی''، شیخ مخدوم جہاں کا پہلا ملفوظ ہے جسے زین بدر عربی نے ۷۶۹ھ کے بہت قبل مرتب کیا تھا دوسرا ملفوظ اس کے بھی جامع زین بدر عربی ہی ہیں ''خوان پر نعمت'' جس میں ۱۵/ شعبان ۷۴۹ھ سے لے کر ۷۵۱ھ شوال کے آخر تک کے اقوال پر مشتمل ہے۔

۵۰۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظ، خوان پر نعمت ،مترجم ،علی ارشد شرفی،ناشر شرف الاشاعت خانقاہ بلخیہ فردوسیہ، بہار،۱۹۸۹ء،صفحہ۱۹۱

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ۱۴۵

۵۳۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی،لطائف اشرفی، ناشر گنج بخش انٹر پرائزیز، کراچی،۱۹۹۹ء،صفحہ۵۸۵

۵۴۔ The Foundation of the composite culture in India. by Malik Mohammad

۵۵۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظات،معدن المعانی،مکتبہ شرف، بہار شریف نالندہ،۱۹۸۵،صفحہ۲۷۳

۵۶۔ مناقب الاصفیا،صفحہ۲۵۶

۵۷۔ ایضاً اور Muslim shrines in India, edited by W. Troll,p.362

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ اخبار الاخیار،صفحہ۲۵۴،مرأۃ الاسرار،صفحہ۲۸۳،مناقب الاصفیاء،صفحہ۲۵۶

۶۱۔ مناقب الاصفیاء،ص،۲۵۶

۶۲۔ ایضاً،ص،۲۵۶، اور سید اطہر عباس رضوی نے History of Sufism inIndia,v.1,p.227 میں

فتاویٰ تاتارخانی کے جامع کا نام مولانا فریدالدین 777/1357-76 لکھا ہے۔

۶۳۔ خیرالمجالس، ص، ۲۰۶

۶۴۔ مرأۃ الاسرار، ص ۸۳۷

۶۵۔ خیرالمجالس، ص، ۲۰۴

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ مخدوم جہاں، خوان پر نعمت، ، مترجم، محمد علی ارشد شرفی فردوسی، شرف الاشاعت، خانقاہ بلخیہ فردوسیہ، بہار شریف، ص، ۱۹۲

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ سید محمد مبارک کرمانی میرخورد، سیرالاولیاء فارسی، مطبع محبّ ھند دہلی، واقع فیض بازار، ۱۳۰۲ھ، صفحہ ۱۴۷

۷۰۔ خیرالمجالس، صفحہ ۲۰۵

۷۱۔ سیرالاولیاء، صفحہ ۲۳۳

۷۲۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۵۷

باب سوم

سلسلۂ فردوسیہ اور
شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

باب سوم

سلسلۂ فردوسیہ

اور

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

فہرست

- خاندانی نسب
- خاندانی شجرہ

۳۔ تعلیم وتربیت:

- ابتدائی تعلیمات
- شیخ شرف الدین احمد منیری کا مولانا ابوتوامہ سے پہلی ملاقات
- اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر سنارگاؤں کا سفر
- سنارگاؤں میں قیام
- شادی
- اولادیں

۴۔ سلسلہ فردوسیہ میں بیعت وخلافت:

- شیخ کی تلاش میں دہلی کا پہلا سفر
- بیعت وخلافت
- وصیت نامہ
- جنگلوں میں قیام
- بہار کی پہلی خانقاہ
- خانقاہ کی تعمیر

۵۔ دعوت وتبلیغ کی ابتداء

- مسند ارشاد پر متمکن
- فردوسی مشرب
- خدمت خلق
- شیخ شرف الدین احمد منیری کے دست پر دولت ایمان حاصل کرنے والے
- خلفاء ومریدین کی تعداد
- شجرۂ بیعت فردوسیہ

۶۔ ذکر وفکر اور طریقہ تعلیم:

۷ شیخ شرف الدین احمد منیری کے معاصرین

- حضرت جلال الدین بخاری
- حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی
- حضرت احمد چرم پوش
- مولانا محمد شعیب

۸ شیخ شرف الدین احمد منیری کی علمی خدمات

- مکتوبات
- ملفوظات

☆☆

بہار کے اولین صوفیاء کرام

ہندوستان کے صوبہ بہار میں مسلمانوں کی حکومت کا آغاز محمد بن بختیار خلجی (۱۱۹۲ء۔۱۲۰۴ء) سے ہوا لیکن بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار خلجی سے پہلے مسلمان یہاں پہنچ چکے تھے اور ہندوستان کے تعلقات دوسرے ملکوں سے بہتر تھے۔[۱]

مسلمانوں نے جب ہندوستان پر مکمل قبضہ کر لیا تو ہندوستان اور ایران کے تعلقات مزید بڑے گہرے اور مضبوط ہو گئے۔ ان تعلقات کا فائدہ یہ ہوا کہ ایرانی علماء اور فضلاء کے ساتھ جو شعراء وادباء ہندوستان آئے وہ صوفیانہ اور عارفانہ کلام کے بیش بہا ذخیرے بھی اپنے ساتھ لائے۔ پھر ایران اور ہندوستان کے صوفی شاعروں نے اپنے منصفانہ عقائد وخیالات کے اظہار کے لئے شاعرانہ اسلوب بیان اختیار کیا۔

ان صوفیانہ اور عارفانہ افکار وتصوف کی پر کیف اور دل نشیں تشریح نے فارسی کی صوفیانہ شاعری کو مالا مال کیا۔ اپنے لطیف اور نازک احساسات کو فارسی شاعروں نے بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا۔ پرانے الفاظ میں نئے معانی اور مفاہیم پیدا ہوئے اور بہت سی نئی اصطلاحیں وضع ہوئیں۔

مسلم حکمراں کا ہندوستان پر مکمل طور پر قبضہ ہونے کے بعد ۱۱۹۸ء میں محمد بن بختیار خلجی نے بہار پر اپنا اقتدار سنبھالا۔ اسی زمانے سے بہار میں صوفیہ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور بتدریج تبلیغ و ہدایت کا کام آگے بڑھا۔ بہار میں نہ صرف یہ کہ صوفیۂ کرام آئے بلکہ ان کے ساتھ علماء، فضلاء اور بہت سے ادباء وشعراء بھی آئے، اور تبلیغی مشن کے ساتھ ساتھ علم وادب کا چراغ بھی روشن ہونے لگا۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ چنانچہ وہی ان کے تخلیقی عمل کا وسیلہ بنی۔ ہندوستان کے دوسرے خطوں کے ساتھ بہار بھی ایرانی تہذیب وتمدن سے متأثر ہو کر فارسی زبان وادب اور صوفیانہ شاعری کا مرکز بن گیا۔ چوں کہ صوفیائے کرام کی زندگی سادہ اور ان کی کاوش مخلصانہ تھی، عوام سے ان کے روابط گہرے اور تعلقات بہتر تھے، لہٰذا صوفیۂ کرام کے ذریعہ تہذیبی، لسانی اور فکری رجحانات بڑی تیزی سے پھیلے اور ان کے طرز عمل سے لسانی تغیرات بھی ہوئے۔

تاریخ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں اس کے امراء میں سے ایک شخص حسام الدین بعلبک نے منیر اور بہار پر حملہ کیا تھا۔[۲] اس وقت تک 'منیر' میں کسی مسلم آبادی کا نام و

نشان اور پتہ نہیں چلتا۔اس حملے کے بعد ایک مسلمان بزرگ حضرت'' مومن عارف'' وہاں مقیم ہو گئے اور دینی وتبلیغی سرگرمیوں میں لگ گئے۔اس طرح منیر میں آباد ہونے والوں میں سب سے پہلے مسلمان ''مومن عارف'' ہی تھے۔منیر کے راجہ نے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی سخت مخالفت کی اوران پرظلم وستم کیا کرتا تھا۔جس کے نتیجے میں امام تاج فقیہ کوخواب میں اشارہ ملا کہ منیر جا کراس بزرگ ''مومن عارف'' کی مدد کریں۔۳؎

لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ تاج فقیہ اور قطب سالار کے آنے سے پہلے ایک مسلمان مومن عارف نامی منیر میں رہتا تھا،جس کوراجہ منیر سے سخت ایزائیں پہنچی تھیں،مومن عارف نے تنگ آ کر مدینہ کی راہ لی اور وہاں جا کر تاج فقیہ کواپنا ماجرہ کہ سنایا۔تاج فقیہ جن کا اصل وطن خلیل الرحمٰن (ہبرون) تھا،ایک گروہ کو ساتھ لے کرغزنین ہوتے ہوئے منیر پہنچےاور راجہ منیر سے جنگ کر کے منیر پر قابض ہو گئے۔۴؎

گویا مومن عارف پہلے بزرگ ہیں جومنیر میں قیام پزیر ہوئے اوران کے ذریعہ اس علاقے میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

امام تاج فقیہ ایک مختصرسی جماعت لیکر بیت المقدس سے منیر ۵۷۶ھ/۱۱۸۰ء میں وارد ہوئے تھے۔آپ نے مومن عارف کا ہرطرح تعاون کیا اور خود بھی دین اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔منیر کے راجہ نے اسلام کی مقبولیت اور روزافزوں ترقی دیکھ کرشہر چھوڑ دیا اور راہ فراراختیار کی لیکن راستے ہی میں ہلاک کر دیا گیا۔ ۵؎

یہ ایک عظیم کامیابی تھی اب منیر مسلمانوں کے زیرنگیں تھا۔اس فتح وکامرانی پر'' آثارشرف'' کے حوالے سے یہ قطعہ تاریخ بڑا مشہور ہے۔

یافت چونی بر راجه ء منیر ظفر داد امام ازدیں جهانی رانوی
هست منقول از بزرگان سلف سال آن دین محمد شد قوی
۵۷۶ھ ۶؎

تاج فقیہ کا ۵۷۶ھ میں منیر کو فتح کرنا تاریخی طور پر صحیح ثابت ہوتا ہے۔اس لیے کہ تاج فقیہ مخدوم یحییٰ منیری پدر شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی ولادت ۶۶۱ھ میں ہوئی،اس لیے ان کے اوپر تین پشتوں (یعنی مخدوم یحییٰ ابن اسرائیل ابن تاج فقیہ) کے لیے پچاسی برس کی مدت قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔۷؎

حضرت امام تاج فقیہ نے کچھ عرصہ منیر میں قیام کیا اور جب یہاں کے حالات سازگار ہو گئے تو پھر اپنے

احباب کو یہیں منیر میں چھوڑ کر بیت المقدس کو لوٹ گئے، جب بیت المقدس پہنچے تو مولانا کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مولانا اپنی سالی کو حبالۂ نکاح میں لے آئے۔ اس نکاح سے ایک فرزند شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ جب مولانا تاج فقیہ کا انتقال ہو گیا تو شاہ عبدالعزیز اپنے علاتی بھائیوں سے ملنے کے لیے منیر چلے آئے اور یہیں ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کر لی۔ [8] یہاں آپ کے بیٹوں نے اسلام کی نشر و اشاعت کی۔ تاج فقیہ کے بیٹے شاہ اسرائیل کے دو لڑکے ہوئے، شاہ یحییٰ منیری اور شاہ مظفر۔ شاہ یحییٰ منیری نے اپنی جائیداد ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ان کا انتقال ۶۹۰ھ میں ہوا۔ آپ کے زمانے میں خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ اصحاب طریقت و معرفت نے اپنے عقیدوں اور اپنے افکار و خیالات کو حسین اور خوبصورت شعر و ادب میں پیش کیا اس طرح بہت سے علاقوں کو فارسی زبان و ادب کے اعتبار سے مرکزیت حاصل ہو گئی۔ [9]

بہار کی سرزمیں قدیم زمانے سے گنگا جمنی تہذیب کی حامل رہی ہے اور ہر مذہب کے فقرا کو اس سرزمین سے نسبت رہی ہے، بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھا کو اسی سرزمین میں عرفان ملا، اور جین مذہب کے بانی وردھمان مہاویر جین کا تعلق بھی اسی سرزمین سے رہا ہے۔ اور شیخ شرف الدین منیری کے اجداد بھی ہندوستان کے اسی خطے کو پسند فرمایا، پھر شیخ شرف الدین منیری نے بھی یہیں سے توحید و رسالت کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اس طرح آپ کی علمی روحانی، عرفانی اور اخلاقی خدمات کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں فردوسی سلسلہ کے ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔ [10]

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ایک زبردست عالم اور باشرع صوفی تھے۔آپ مخدوم جہاں، سلطان المحققین اور شرف الاولیاء کے القاب سے بھی جانے جاتے ہیں۔آپ سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ میں سے ہیں آپ نے اس سلسلے کوایک نئی شناخت عطا کی۔آپ سے پہلے ایک لمبے عرصے تک سلسلۂ فردوسیہ پردۂ خفا میں تھا،لیکن آپ ہی کی وجہ سے برّصغیر ہندوپاک میں یہ سلسلہ معروف ومشہور ہوا،اوراسکا دائرہ ہر چہار جانب پھیلا۔اس وقت ہندوستان اور ہندوستان سے باہر پاکستان، بنگلہ دیش،افغانستان، بخارا،اور دیگر ممالک میں جہاں کہیں بھی اسکی شاخیں ہیں یا اسے سلسلہ کے طور پر جانا جاتا ہے، یہ مخدوم جہاں کی ہی مرہون منت ہے۔صوبہ بہار کے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ شیخ شرف الدین منیری یہیں پیدا ہوئے اور یہیں کی خاک میں محواستراحت ہیں۔ ورنہ ان سے پہلے یہ علاقہ رشدو ہدایت سے بالکل خالی تھا۔شاید اسی لیے انہوں نے اس علاقے کا انتخاب فرمایااورایک اہم کام کا بیڑا اٹھا کر اسے انجام تک پہنچایا۔آپ آخری عمر تک یہیں دعوت وتبلیغ کے کام انجام دیتے رہے۔

مقام وتاریخ پیدائش

مئورخین کا اس حوالے سے کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شیخ شرف الدین منیری، منیر میں پیدا ہوئے۔ ہاں تاریخ پیدائش میں ضروراختلاف پایا جاتا ہے۔مصنف بزم صوفیہ نے ۲۶ شعبان المعظم لکھا ہےاور موءلف حیات ثبات جناب شاہ نجم الدین فردوسی نے ۲۹ شعبان المعظم لکھا ہے۔ایک جگہ بروز جمعہ بھی مذکور ہے۔سن ۶۶۱ھ پرسب کا اتفاق ہے۔مذکورہ حوالوں میں حیات ثبات پراعتماد کرنااس لئے بھی مناسب ہے کہ یہ خانوادۂ شیخ شرف الدین منیری کی تصنیف ہےاس حوالے سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ شیخ شرف الدین منیری کی ولادت سلطان ناصرالدین محمودابن سلطان شمس الدین التمش کے دورحکومت میں ۵/جولائی ۱۲۶۳ء بمطابق ۶۶۱ھ ۲۹/شعبان کے آخری جمعہ کوجنوبی بہار کے ضلع پٹنہ کے قصبہ منیر میں ہوئی۔اس وقت بغداد کی تخت خلافت پرالحاکم بامراللہ متمکن تھا۔آپ کی پیدائش کا سال ان دولفظوں ''شرف آگیں'' سے نکلتا ہے۔[11]

شیخ شرف الدین منیری کی جائے پیدائش آج بھی منیر میں موجود ہے،لیکن خاندانی وجوہات کی بنا پر اس کی طرز و وضع میں تبدیلی ہو چکی ہے اور آپ کی آخری آرام گاہ بہار شریف ضلع نالندہ ،صوبہ بہار، میں واقع ہے۔آپ کا آستانہ بڑی درگاہ کے نام سے معروف خواص وعام ہے۔[۱۲]

اسم گرامی والقابات

تمام تذکرہ نگاروں نے نام کے سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں لکھا ہے بلکہ سب نے شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سے ہی منسوب کیا ہے۔صرف سیرت الشرف اور مقالہ مطیع الامام میں نام والقاب کے حوالوں سے چند تفصیلات کا تذکرہ ملتا ہے۔سیرت الشرف میں اسطرح سے ذکر ہے:

''احمد نام،شرف الحق والملہ والدین۔لقب،سید المتکلمین ،سلطان المحققین ، برہان العاشقین ، شیخ الاسلام والمسلمین ،مخدوم جہاں اور خطاب مخدوم الملک ہے۔''

مقالہ مطیع الامام کی عبارت یہ ہے:

''نام احمد،کوئی دوسرا نام کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا۔لقب،مشہور لقب شرف الدین ہے لیکن ذیل کے القاب بھی مختلف کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں کیونکہ آپ کے مریدین ومتوسلین نے آپ کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔شرف الحق وشرع والدین،مخدوم جہاں۔''[۱۳]

مئورخوں کا نام ولقب کے حوالے سے جو کچھ بھی اختلاف ملتا ہے وہ بہت زیادہ قابل اعتناء نہیں۔کیونکہ بہرحال شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری نام پر سب کا اتفاق ہے۔یہ نام آپ کے دوسرے بھائیوں کے نام سے بھی ملتا جلتا ہے۔آپ کے بھائیوں کے نام یہ ہیں۔خلیل الدین ،جلیل الدین ،حبیب الدین اور آپ کا نام ہے شرف الدین۔یہ نام محل غور ہے کہ اس میں نام احمد نظر نہیں آتا حالانکہ آپ شرف الدین احمد کے ساتھ مشہور ہیں۔آخر احمد صرف شیخ شرف الدین منیری کے ساتھ ہی کیوں آتا ہے؟ مصنف نقوش شرف اس کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

''والد کے نام کو بطور کنیت اختیار کرلیا گیا ہو، اگرچہ آپ کے والد کا نام اکثر جگہ مخدوم یحییٰ ہی لکھا ہوا ملتا ہے مگر تاریخ فردوسیہ میں احمد یحییٰ بھی مذ کور ہے۔[۱۴]

قدیم تاریخی کتابوں میں اسطرح کنیت لکھنے کا رواج نظر آتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ سلسلہ فردوسیہ کے مشہور بزرگ حضرت حسین نوشہ تو حید بلخی کا نام حسین معز شمس بلخی مشہور ہے۔ جبکہ معز شمس بلخی والد کا نام ہے۔ اس حوالے سے ہم کہ سکتے ہیں کہ شرف الدین کے ساتھ احمد یحییٰ بطور کنیت استعمال ہوا ہو۔اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شرف الحق وشرع والدین اور دوسرے القابات جو آپ کے مشہور ومعروف ہیں وہ سب آپ کے مریدین ومتوسلین نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے مشہور کر دئے ہوں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے تجزیے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ القاب، مخدوم جہاں، مخدوم الملک، سلطان المحققین ہیں۔البتہ یہ بات یاد رہے کہ یہ کوئی خطابات نہیں جو سربراہان حکومت وملوکت کی طرف سے دئے جاتے ہیں۔آپ کا نام شرف الدین، کنیت احمد یحییٰ اور القاب مخدون جہاں وغیرہ رائج ہے۔

مخدوم تو بہت سارے ہیں لیکن جب بولا جاتا ہے تو عوام میں مخدوم صاحب آپ ہی مراد لیئے جاتے ہیں۔حضرت عبداللہ شطارؒ فرماتے ہیں کہ حالت کشف میں، میں نے بزرگوں کے القابات عرش پر لکھے ہوئے دیکھے۔حضرت بایزید بسطامیؒ کا لقب، سلطان العارفین، اور حضرت مخدوم جہاںؒ کا لقب، سلطان المحققین لکھا ہوا دیکھا۔[۱۵]

شیخ شرف الدین احمد منیری کے القاب کے حوالے سے دو روایت اور مشہور ہے۔اول یہ کہ آپ کو سب سے پہلے ''مخدوم جہاں'' کے لقب سے حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسی نے خطاب کیا۔یہ قرین قیاس بھی ہے۔ اس لئے کہ مولانا مظفر بلخی، شیخ شرف الدین احمد منیری کے بہت ہی چہیتے خلیفہ تھے۔اور دوسرا یہ ہے کہ حضرت جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گست، شیخ شرف الدین احمد منیری کو مخدوم جہاں کہ کر خطاب کیا تو شیخ شرف الدین نے جلال الدین بخاری کو مخدوم جہانیاں جہاں گست کہ کر خطاب کیا۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مادرو پدری دونوں خاندان کا سلسلۂ نسب محفوظ ہے۔پدری خاندان کا سلسلہ حضورﷺ کے جدامجد عبدالمطلب سے ملتا ہے۔اس اعتبار سے آپ قریشی ہاشمی ہوئے اور آپ کا مادری سلسلۂ نسب حضرت امام حسین تک پہنچتا ہے۔اس واسطے سے آپ کو شرف سیادت بھی حاصل ہے۔[۱۶]

پدری سلسۂ نسب

شیخ شرف الدین احمد، بن یحییٰ، بن اسرائیل، بن مولانا تاج فقیہ، بن ابی بکر، بن ابی الفتح، بن ابی القاسم، بن ابی الصائم، بن ابی دہر، بن ابی لیث، بن ابی سہمہ، بن ابی الدین، بن ابی سعید، بن ابی ذر، بن زبیر ابی المسکنیٰ، بن ابی النصعب، بن عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبدمناف۔ [۱۷]

ایک روایت میں مابین ابوبکر، ابوالفتح کے دواور واسطوں کا ذکر ہے، مولانا محمد سعید بن مولانا محمد مکی اور مولانا شاہ محمد آموں جونپوری بقول: محمد سعید کے بجائے سعید احمد ہے اور ابوالصائم کے بجائے ابوالقاسم ہے۔ اور ایک جگہ ابوسعید کو ابومسعود لکھا ہے۔ [۱۸]

شیخ شرف الدین منیری کا مادری سلسلہ نسب حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب کے واسطے سے خاندان نبوت سے ملتا ہے۔ مخدوم جہاں کے نانا قاضی سید شہاب الدین پیر جگجوت حسینی سادات میں آتے ہیں۔ مادری سلہ نسب حیات ثبات مصنف حضرت سید شاہ نجم الدین فردوسی کے حوالے سے درج ذیل ہیں۔

مادری سلسلۂ نسب

بی بی رضیہ بنت سید شہاب الدین پیر جگجوت، بن سلطان سید شاہ محمد، بن سید شاہ احمد، بن سید شاہ ناصر الدین، بن سید یوسف، بن سید حسن، بن سید قاسم، بن سید موسیٰ، بن سید حمزہ، بن سید داود، بن سید رکن الدین، بن سید قطب الدین، بن سید اسحٰق، بن سید اسمٰعیل، بن امام جعفر صادق، بن امام محمد باقر، بن امام زین العابدین، بن امام حسین، بن علی کرم اللہ۔ [۱۹]

عہد طفلی کے وقت منیر کے حالات

شیخ شرف الدین منیری کی ولادت منیر میں ہوئی اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے منیری مشہور ہوئے۔ منیر اصل میں صوبہ بہار کا ایک مشہور قصبہ ہے جو صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس صوبے کی جغرافیائی حد بندی کا جائزہ لینے سے موریا خاندان کے عہد حکومت میں مگدہ کا نام بار بار نظر آتا ہے۔ اس وقت یہ مگدھ موجودہ وسطی، شمال وسطی اور جنوبی بہار واڑیسہ پر مشتمل تھا۔ اس کا دارالخلافہ پٹنہ (قدیم نام پاٹلی پترا) تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اشوک نے اپنی سلطنت کا دائرہ پورے شمالی ہندوستان کے بڑے حصے پر پھیلایا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ جس میں بدھ مذہب کو خوب ترقی مل رہی تھی لیکن جیسے ہی

اشوک کا انتقال (متوفی ۲۳۲ق م) ہوا، اسکے ساتھ ہی حکومت کا سارا زور بھی کم ہوتا ہوا چلا گیا۔ساتھ ہی بدھ مذہب بھی سکڑنا شروع ہو گیا یہاں تک زوال پزیر ہو گیا۔ دوسری طرف برہمنوں کو موقع ملا اور اس نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنی طاقت دکھانا شروع کر دیا پھر بھی یہ لوگ چھٹی صدی ہجری میں کوئی مضبوط حکومت بنا نے میں کامیاب نہ ہو سکے۔مشرقی ہندوستان میں گنگا اور برہمپترا (یاد رہے کہ یہ دونوں نام ندیوں کے ہیں اور ان دونوں ندیوں کے کنارے انہیں دونوں ناموں سے سلطنتیں قائم تھیں) کے ڈیلٹائی علاقہ میں ایک مضبوط حکومت قائم تھی لیکن اس کو ہمیشہ شمال مغربی اور مشرقی سرحدوں پر قائم دوسری حکومتوں سے خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اس وقت زیادہ تر سلطنتیں حکمرانوں کے ناموں سے پہچانی جاتی تھیں۔ بہر حال اس وقت وہ پورا علاقہ گوار بنگالہ کے نام سے جانا جاتا تھا جس کو بعد میں ہندوؤں نے گوادہ کا نام دیدیا لیکن جب بعد میں یہ سب علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو اب اس نام کو گوادہ سے 'بنگالہ' موسوم کر دیا گیا۔

امام فقیہ کے منیر تشریف لانے کے وقت منیر کا علاقہ ریاست قنوج کے زیر اثر تھا اور اسوقت یہ علاقہ موجودہ صوبہ بہار سے الگ تھا۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ منیر کے اٹھارہ سال بعد محمد بختیار خلجی (م ۱۲۰۶ء) کے ہاتھوں قلعہ بہار فتح ہوا۔اس وقت ان علاقوں میں کثیر تعداد میں برہمن آباد تھے۔ یہاں پر موجودہ مگدہ میں ایک زبردست قلعہ تھا جو اصل میں ایک درسگاہ تھی اور اس میں کثیر تعداد میں کتابیں موجود تھیں۔ چنانچہ جب محمد بختیار خلجی نے اس قلعے کو فتح کیا اور اس میں داخل ہوئے تو وہاں کا عجیب منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہاں صرف اور صرف ہر طرف کتابیں ہی کتابیں بکھری نظر آرہی تھیں۔اس کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ بہار کا اصل نام سنسکرت زبان میں وِہار ہے جس کا معنی ہی درسگاہ یا مدرسہ کے آتا ہے۔ جب یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو پھر اس خطے کا نام بھی بہار ہو گیا۔

مقالہ مطیع الامام میں مشہور روایات بحوالہ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت کا ذکر کر کے فتح بہار کے سلسلے میں تاریخی شواہد پیش کیے گئے ہیں ان سے چند اقتباسات پیش کیئے جاتے ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کے اواخر میں بہار مسلمانوں کے ذریعہ فتح ہوا۔ اس واقعے کو ابو نصر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوز جانی نے اپنی مشہور کتاب ''طبقات ناصری'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس زمانے کی بہترین تاریخی ماخذ مانی جاتی ہے۔منہاج سراج،

طبقات ناصری میں لکھتے ہیں:

''محمد بختیار خلجی غور اور گرم علاقے کا رہنے والا تھا۔ نہایت ہی قوی چست و چالاک، مرد میدان، بہادر، شجاع اور با استعداد۔ اپنے قبیلے سے نکل کر سلطان معزالدین کے دربار میں غزنی پہنچا مگر وہاں فوجی بھرتی میں حقیر نظر آیا ۔۔۔ کچھ دنوں کے بعد ملک حسام الدین اغلبک کے دربار میں اودھ پہنچا بہادر اور دلیر تو پہلے ہی سے تھا۔ بہار اور منیر کی طرف دوڑ بھاگ کرتا رہتا تھا جہاں اسے مال غنیمت ہاتھ لگا۔۔ سلطان قطب الدین کو اس کی خبر ملی۔ اس نے محمد بختیار خلجی کو بلاوا بھیجا اور اعزاز واکرام سے نوازا۔ اس بخششوں سے اس کو مدد ملی اور اس کی قوت بڑھ گئی وہ اپنی فوج لیکر بہار کی طرف چلا گیا اور اس کو تاراج کیا۔ ایک دو سال اسی طرح انہی علاقوں اور خطوں میں حملے کرتا رہا یہاں تک کہ وہ بہار کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے قابل ہو گیا۔ معتبر راویوں کا بیان ہے کہ دو سوزرہ پوش گھوڑوں کو لیکر قلعہ بہار کے دروازے پر پہنچا اور اچانک جنگ چھیڑ دی۔''[۲۰]

فرغانہ دو ذی عقل برادران نظام الدین وصمصام الدین، محمد بختیار خلجی کی خدمت میں تھے ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں صمصام الدین کی زبانی مصنف نقوش شرف لکھتے ہیں کہ:

''جب فصیل تک پہنچے تو جنگ چھیڑ دی یہ دونوں بھائی اس کی فوج کے جانبازوں میں سے تھے۔ محمد بختیار نے اپنی طاقت اور شجاعت سے اس فصیل کے دروازے کو توڑ پھینکا اور قلعہ کو فتح کیا اور کافی مال غنیمت ہاتھ آیا اس موضع کے باشندے زیادہ تر برہمن تھے۔ اپنا سر منڈاتے تھے وہ سب کے سب مارے گئے۔ وہاں بہت سی کتابیں تھی جب ان اہل اسلام کی نظر ان کتابوں پر پڑی تو کچھ لوگوں کو طلب کیا تا کہ ان کتابوں کے مفہوم اور معنی

سمجھیں لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔سب کے سب مارے جا چکے تھے۔جب تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ اس فصیل کے اندر شہر مدرسہ تھا اور بہار کو ہندی زبان میں مدرسہ کہتے ہیں۔فتحیابی کے بعد کافی مال غنیمت ہاتھ آیا پھر وہ سلطان قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعزاز و اکرام سے سرفراز ہوا۔''[۲۱]

تمام تاریخی حوالوں کے مدنظر ڈاکٹر مطیع امام اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ بہار کے فتح کی تاریخ سنین ۵۹۳۔۵۹۵ھ بمطابق ۱۱۹۷/ ۱۱۹۹ء کے درمیان متعین کیا جا سکتا ہے۔

ہر دور میں حکومتوں کے ردو بدل کے ساتھ ساتھ جغرافیائی اعتبار سے اس خطے میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے جس پر حکومت قائم رہتی ہے۔صوبہ بہار میں اسی طرح سے کچھ ہوا مسلمان اور انگریزوں کے عہد حکومت میں یہ علاقہ بنگالہ کے نام سے جانا جاتا رہا پھر بیسویں صدی کے اوائل (۱۹۱۲ء) میں انگریزوں نے بہار کو الگ صوبہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

عہد طفلی کے ابتدائی حالات

ولادت سے متعلق آپ کے والد کو غیبی اطلاع مل چکی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ملتا ہے کہ آپ کے والد ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا تقی الدین عربی ساکن مہسون سے بڑی عقیدت و محبت کرتے تھے اور ان سے ملاقات کی غرض سے اکثر منیر سے مہسون جایا کرتے تھے۔مولانا تقی الدین نے مخدوم یحییٰ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور پشت پر بوسہ بھی دیتے تھے۔یہ معاملا کئی سالوں تک چلتا رہا۔حسب معمول ایک دن جب مخدوم یحییٰ مولانا تقی الدین سے ملنے کی غرض سے تشریف لائے تو مولانا تقی الدین، مخدوم یحییٰ کی اس طرح تعظیم نہیں کی جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔مخدوم یحییٰ کو اس پر تعجب ہوا۔اس پر مولانا تقی الدین نے فرمایا کہ میں جس کی تعظیم کرتا تھا وہ اب آپ کے اندر موجود نہیں رہا جب تک وہ آپ کے اندر موجود تھا اس کی نشانی آپ کی پیشانی میں نظر آتی تھی اور میں اسی کی تعظیم کیا کرتا تھا اب وہ دنیا میں تشریف لا چکا ہے۔یہ بشارت تھی شیخ شرف الدین منیری کی ولادت کی۔مخدوم جہاں کی ولادت آپ کے آبائی مکان میں ہوئی جواب تک منیر میں واقع ہے۔[۲۲]

اس جگہ کے متعلق ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت امام تاج فقیہ منیر کو فتح کرنے کے بعد اس جگہ پر آرام کیا تھا۔[۲۳] اس عمارت اور برآمدہ کے درمیان ایک صحن ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً اڑتالیس فٹ ہے اور جس کمرے میں آپ کی ولادت ہوئی اس کمرے میں آج بھی ایک لکڑی کا تخت موجود ہے کہا جاتا ہے کہ اس تخت پر آپ کی والدہ آرام کیا کرتی تھیں۔ اس کمرے سے بالکل متصل ایک کمرہ اور ہے جس کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کمرے میں شیخ شرف الدین منیری کے والد عبادت کیا کرتے تھے۔

آپ کی والدہ محترمہ بی بی رضیہ جو بہت ہی نیک سیرت خاتون تھی فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی اپنے بیٹے شرف الدین کو بے وضو دودھ نہیں پلائی۔ اور یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ مخدوم جہاں اپنی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہیں پیا تھا۔ آپ کے عہد طفلی کے واقعات میں یہ بھی مشہور ہے کہ ایام رمضان میں جب آپ شیر خوارگی کے دور میں تھے دن میں دودھ نہیں پیتے تھے۔ مناقب الاصفیاء کے حوالے سے ایک واقعہ یہ بھی ملتا ہے کہ ایک دن آپ کی والدہ آپ کو اکیلا گھر پر چھوڑ کر کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھیں جب واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک بزرگ بچہ کے پاس بیٹھ کر مکھیاں اڑا رہا ہے آپ کی والدہ یہ ماجرہ دیکھ کر ڈریں اور اس کا ذکر اپنے والد حضرت شہاب الدین پیر جگجوت سے کیا، پیر جگجوت نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے وہ بزرگ حضرت خضر تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ بچہ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے کیونکہ خالی مکان میں آسیب کا ڈر رہتا ہے۔[۲۴]

منیر کا صحیح تلفظ

بہار میں قصبہ منیر بہت مشہور ہے لیکن مختلف دور میں اس کا تلفظ بھی مختلف نظر آتا ہے۔ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت میں 'منیر' بفتح اول و ثالث وسکون ثانی ورابع اور اب کثرت استعمال سے بفتح میم اور کسر نون و یائے مجہول مشہور ہے اور پچھّم میں بہ ضم میم بولتے ہیں۔[۲۴]

مقالہ مطیع الامام میں اس حوالے سے مزید تفصیل موجود ہے۔ اس مقالے کے مطابق منیر سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا تلفظ منیر یعنی 'م' پر زبر 'ن' پر جزم 'ی' پر زبر اور 'ر' پر جزم ہے۔ اسے دیوناگری رسم الخط میں تحریر کیا جائے تو اس طرح لکھا جائے گا مَنیر ا۔ مسلمانوں کے عہد میں منیر آخر کے ر کو جزم کے ساتھ پڑھا جانے لگا اور یہی تلفظ کئی سال تک رائج رہا۔ شیخ حسین معز شمس بلخی (۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) اپنے پیر و مرشد کی شان میں

منقبت کہی ہے جس کا ایک شعر ہے:

مقتدائے دین پیرم منیری　　ایں سخن از ما بکف از دلبری

شرف نامہ منیری میں حضرت ابراہیم قوام فاروقی نے مخدوم جہاں کی شان میں منقبت کے اشعار کہے ہیں مثال کے طور پر ایک شعر یہاں نقل کرنا مناسب ہے وہ یہ ہے۔

مغیث جہاں سرور منیراست　　کہ خاک دِرِروضہء اش عنبراست

مسمیٰ بنی احمد یحییٰ منیری　　کہ دارد بدو دین حق بر تری

اس اشعار میں دلبری اور برتری سے ہم قافیہ ہونے کی بنیاد پر مَنُیرِیُ ہی کہلائے گا اور پڑھا جائے گا۔ پچھلے چند صدیوں سے منیر یعنی م پر زبر ن پر زیری پر جزم اور ر کے اوپر بھی جزم کا رواج چلا آرہا ہے۔

خاندانی پس منظر

امام تاج فقیہ کا منیر میں ورود

شیخ شرف الدین منیری کا خاندان بنیادی طور پر بیت المقدس کے محلّہ قدس میں آباد تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ محمد تاج فقیہ چھٹی صدی ہجری میں بیوی بچوں کے ساتھ ہجرت کر کے ہندوستان کی ریاست بہار کے قصبہ منیر تشریف لائے۔ بچوں میں آپ کے بیٹے شیخ اسرائیل اور شیخ اسمٰعیل ساتھ آئے تھے۔ ۵۷۶ھ میں یہاں کے راجا سے آپ کا معرکہ ہوا جس میں آپ کو فتح ملی۔ اس کے بعد آپ یہاں چند دن قیام کر کے واپس بیت المقدس چلے گئے اور آپ کی اولادیں یہاں مستقل طور اقامت اختیار کر لی اور دین کی خدمت میں لگے رہے۔ امام تاج فقیہ اتنا لمبا سفر طے کر کے آخر ہندوستان کیوں آئے؟ چند اصحاب کے ساتھ اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے؟ ان سوالوں کا جواب مختلف حوالوں سے ہمیں ملتا ہے لیکن بعض روایتیں ایسی ہیں جن پر اعتماد کرنا بہت مشکل ہے۔ امام محمد تاج فقیہ ہندوستان کیوں آئے اس حوالے سے ایک روایت جو بہت مشہور ہے ہم اس کو 'وسیلہ شرف و ذریعہ دولت' کے حوالے سے اختصار کے ساتھ یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

کہ منیر میں ایک راجہ تھا اور اپنے مذہب کے بارے میں بہت ہی زیادہ سخت تھا۔ اس کے علاوہ بڑا ہی ظالم و جابر شخص تھا۔ اس کے قبضے میں بڑا علاقہ آتا تھا۔ اس کے علاقے میں ایک گھر مسلمان کا بھی تھا جن کا نام مومن عارف تھا۔ ان کی قبر آج بھی منیر میں موجود ہے۔ وہاں کے راجہ ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا اور سختیاں کرتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح یہ اس کے علاقے سے نکل جائے۔ مومن عارف صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔ راجہ کا ظلم جب حد سے زیادہ بڑھنے لگا تو وہ مکہ چلے گئے اور مدینہ جا کر روضہ رسول پر استغاثہ کیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس وقت امام محمد تاج فقیہ بیت المقدس کے محلّہ قدس خلیل میں رہتے تھے۔ رات کو خواب میں رسول مقبول ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ساتھ ہی یہ بھی حکم ملا کہ سفر جہاد کو نکلو! راستے میں اور بھی لوگ تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تاج فقیہ صبح صبح رات کا ماجرا لوگوں سے کہہ سنایا اور گھر سے نکل پڑے۔ بہت سارے مسلمان بھی ساتھ چل دیئے اور راستے میں جہاں جہاں سے ہو کر گذرتے وہاں کے مسلمان ساتھ ہو جاتے اور بعض بادشاہوں نے بحکم رسول مقبول ﷺ کہ عالم رویا میں مشرف بہ زیارت

ہوئے اپنے عزیزوں کو سالار فوج کر کے لشکر ساتھ کر دیا۔اس طرح ایک بڑی تعداد لوگوں کی ہوگئی سب کو ساتھ لیکر ہندوستان آئے۔

جب منیر کے قریب پہنچے تو راجہ کی فوج اور تاج فقیہ کے ساتھیوں میں لڑائی ہوئی اس وقت وہاں کا راجہ اپنے اہل وعیال کو لے کر کہیں فرار ہوگیا۔اس کے بعد یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں گیا اور ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ راستے میں بھاگتے ہوئے کسی غازی کے ہاتھوں مارا گیا۔اس طرح تاج فقیہ اوران کے ساتھیوں نے منیر کو فتح کر کے اس میں داخل ہوئے۔ وہاں پر ایک پتھر رکھا ہوا تھا تاج فقیہ اس پر تکیہ لگا کر بیٹھے اور ساز و سامان درست کیا۔ بہار شریف میں جس جگہ پر شیخ شرف الدین منیری کا مزار ہے وہاں ایک پتھر پر منیر کو فتح کرنے کی نشانی چھوڑی جو آج تک موجود ہے۔

یافت چوں بر راجہ منیر ظفر   داد امام از دیں جہان رانوی

ہست منقول از بزرگان سلف   سال آں دین محمد شد قوی (۵۷۶ھ) ۲۵

تاج فقیہ کے ساتھ جہاد میں کام آنے والے

شہیدوں کے نام جو مشہور اور کرسی نامہ میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں:

علوی شہید، میر سید علی ترک ،لربک شہید ،فرید شہید ،تاج شہید ،معصوم شہید، چندن شہید ،جنید شہید، اسحاق شہید، یعقوب شہید، یوسف شہید، پہلوان شہید ،صوفی شہید ،شاہ عبدالغنی شہید ،شاہ عبدالسبحان شہید، قبول شہید، دوست محمد شہید، علاؤالدین شہید ،سید جلال شہید، شیر و شہید، سید روشن علی شہید، شاہ غلام حسین شہید، مصطفٰی خان شہید، یوسف بیگ شہید، شیخ عاصم شہید، داؤد شہید، رضی اللہ عنہم اجمعین۔۲۶

یہ فتح صرف مقامی فتح نہیں تھی کیونکہ امام فقیہ کے ساتھی جو لڑائی میں شہید ہوئے تھے ان کے مزارات منیر اور منیر کے علاوہ دور دراز علاقوں میں موجود ہیں۔ مثلاً شاہ برہان شہید جن کا مزر پٹنہ سے دکھن کھر ار میں اور چندن شہید کا مزار سہسرام کی ایک پہاڑی پر ہے جو چندن شہید کی چوٹی کہلاتی ہے۔۲۷

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور اس کے مضافات میں اسلام پھیلا۔مولانا جب تک منیر میں رہے شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اذان اور تکبر کی آواز سنائی نہ دیتی ہو۔مولانا نے اسلام کی آبیاری کے لئے بہت ہی زیادہ محنت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک باوقعت اور باقوت جماعت

مسلمانوں کی تیار ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا تاج فقیہ کی شریک حیات اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ اہلیہ کے انتقال سے دل اداس رہنے لگا اور وطن اصلی کی یاد ستانے لگی۔ اس کے بعد بچوں میں شیخ اسرائیل اور شیخ اسمٰعیل کو منیر ہی میں چھوڑ کر اکیلے ہی بیت المقدس کو لوٹ گئے اور عمر کا باقی حصہ اپنے وطن میں ہی گزارا اور واپس پھر کبھی منیر نہیں آئے۔ وطن پہنچ کر اپنی سالی سے نکاح کر لیا، اس سے ایک فرزند شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے کچھ عرصہ بعد جب مولانا تاج فقیہ کا انتقال ہوگیا تو شاہ عبدالعزیز اپنے علاتی بھائیوں سے ملنے کے لئے منیر آئے اور ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے۔ مناقب الاصفیاء کے مصنف شاہ شعیب آپ ہی کے پوتے ہیں۔

مختلف روایات اور اس کا جائزہ

سید ضمیر احمد صاحب نے سیرت الشرف کے اندر لکھا ہے کہ تاج فقیہ کا منیر میں کوئی اہم کردار نہیں ہے لیکن مقالہ مطیع الامام نے اس روایت پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے اور اس کی وجہ تاریخی حوالوں کی عدم دستیابی قرار دیا ہے اور جو بات عوام میں مشہور تھی اس پر کلام کیا ہے۔

اس حوالے سے ایسی رائے قائم کرنے کے لئے کچھ تسلیم شدہ حقائق کو جن پر سب کا اتفاق ہو پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ مولانا تاج فقیہ بیت المقدس سے اپنی اہلیہ اور دو بیٹے اسرائیل اور اسمٰعیل کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور بہار کے منیر میں قیام کیا۔ اس کو سارے مؤرخین تسلیم کرتے ہیں۔ جس وقت مولانا کا منیر میں ورود ہوا، اس سرزمین کی سیاسی فضا بہت اچھی نہیں تھی۔ اس وقت کوئی ایک ایسی حکومت کا پتہ نہیں چلتا ہے جن کے زیر اثر سارا ہندوستان ہو۔ اس وقت بدھ مذہب اور برہمن مذہب سیاسی قوت ہتھیانے کے لئے آپس میں دست بہ گریباں تھے۔ حالت بہ ایں جا رسید کہ برہمن ہر حال میں یہ چاہتے تھے کہ کسی بھی طرح اقتدار پر قبضہ ہو جائے اور بدھ مذہب کے ماننے والے یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ ہر طرف چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں اور سب کے سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے جنگ جاری رہتی تھی۔

بہار، بنگال، آسام اور اڑیسہ کے وہ علاقے جو اس وقت گوار بنگالہ کے نام سے معروف تھا وہ تقریباً چار حصوں میں منقسم تھا۔ اور سب کی آپس میں لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ منیر کے راجہ کا علاقہ اوروں کے علاقوں سے مختلف ہے۔ امام تاج فقیہ جس وقت منیر آئے اس وقت منیر کے حالات یہاں کے راجہ کے غلط رویوں کی وجہ

سے بہت خراب تھے لیکن مولانا تاج فقیہ نے یہاں رہ کر حالات کو قابو میں کیا۔اس کے بعد ایسا لگتا ہے کہ مسلمانون نے یہاں بسنا شروع کیا جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ منیر میں مولانا تاج فقیہ سے پہلے صرف ایک مسلمان عارف نامی رہتے تھے جن کو بہت ہی زیادہ ستایا جاتا تھا۔لیکن جب یہاں تاج فقیہ آئے تو مسلمانوں کے اندر تبدیلی پیدا ہوئی۔مولانا تاج کے قیام منیر کے دوران کسی بھی راجہ کا کوئی رول نظر نہیں آتا ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ علاقہ مولانا تاج فقیہ کے زیر اثر تھا۔جب سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور سارے مسلمان آرام کی سانسیں لینے لگے تو مولانا اپنے بیٹوں کو منیر میں ہی چھوڑ کر تن تنہا بیت المقدس چلے گئے۔اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر حالات بہتر نہ ہوتے تو مولانا تاج فقیہ اپنے بچوں کو منیر میں چھوڑ کر کبھی بھی بیت المقدس نہیں جاتے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ منیر میں مولانا کی موجودگی کے وقت حالات بہت ہی بہتر ہو چکے تھے اور اس خطے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔اس پورے مرحلے اور معاملات کے دوران راجہ کا کوئی رول نظر نہیں آتا۔

مولانا تاج فقیہ کا منیر سے واپس جانا ایسا لگتا ہے کہ مولانا کسی مقصد کے تحت یہاں آئے ہوئے تھے جیسے ہی مقصد پورا ہوا واپسی کا ارادہ کر لیا۔ان سبھی معاملات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مومن عارف جب مکہ گئے تو کتنے دنوں بعد واپس آئے،البتہ آنے کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا ہے۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بختیار خلجی ۵۹۳۔۵۹۵ھ کے درمیان بہار کو فتح کیا تھا،اور اس وقت مولانا تاج فقیہ کے بیٹے منیر میں موجود تھے اس لئے کہ مولانا تاج فقیہ ۵۷۶ھ میں منیر کو فتح کیا تھا۔آنے والی نسل بعد میں اس قصبہ منیر کی مناسبت سے منیری کہلائی۔

خاندانی سلسلہ نسب

امام تاج فقیہ، شیخ شرف الدین منیری کے پردادا تھے اور اپنے خاندان میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان آکر منیر میں قیام کیا اور جب یہاں کے حالات بہتر ہو گئے تو اپنی اولاد کو یہاں چھوڑ کر واپس اپنے ملک چلے گئے۔اس طرح شیخ شرف الدین منیری کا خاندان منیر میں آباد ہوا۔امام تاج فقیہ نسبتاً ہاشمی و مطلبی تھے۔نسب ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے،ایسا لگتا ہے کہ سماعت میں غلطی ہوئی ہے یا کتابت کی غلطی۔ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے دو نسخے موجود ہیں اور دونوں میں ناموں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔خاندانی

نسب نامے تو کئی ہیں مگر اس میں پہلا مولانا شاہ آموں مرید و خلیفہ شیخ شرف الدین منیری کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا آموں ۱۲ سال کی عمر سے ہی شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں رہے اور آپ کے والد حضرت ابراہیم بھی مخدوم جہاں کے مرید تھے۔ اس نسب نامہ پر اعتماد اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ گمان ہے کہ انہوں نے شیخ شرف الدین منیری سے سن کر ہی اس نسب نامہ کو ترتیب دیا ہوگا لیکن مولانا آموں ہی سے منسوب ایک اور نسخہ خانقاہ بہار شریف میں موجود ہے اور دوسرا نسخہ خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں موجود ہے اور ان دونوں نسخوں میں مذکورہ نام مختلف ہیں۔

خانقاہ اسلام پور و منیر وغیرہ میں شیخ شرف الدین منیری کے نسب نامہ کے متعدد نسخے موجود ہیں اور مقالہ مطیع الامام میں چھ نسخوں کا ذکر ہے جس کو انہوں نے جدول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ان چھ نسخوں کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیقات المعانی، نسخہ اول: ملفوظات مولانا آموں، یہ نسخہ خانقاہ مخدوم جہاں بہار شریف میں موجود ہے۔

۲۔ تحقیقات المعانی، نسخہ دوم: ملفوظات مولانا آموں، یہ نسخہ خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

۳۔ شرح آداب المریدین: یہ نسخہ خطی ہے اور خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں موجود ہے اس پر سال کتابت ۱۱۵۸ھ درج ہے۔

۴۔ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت: تالیف سید شاہ فرزند علی منیری، طبع پٹنہ ۱۳۱۳ھ۔

۵۔ سیرت الشرف: مصنف سید ضمیر الدین احمد، طبع پٹنہ، ۱۹۰۱ھ میلادی۔

۶۔ آثار منیر: تالیف سید شاہ مراد اللہ منیری، طبع پٹنہ ۱۳۶۷ھ۔

تحقیقات المعانی میں مذکور مولانا آموں کا ترتیب کردہ نسب نامہ۔ اس طرح ہے:

شیخ شرف الدین بن مخدوم یحییٰ بن شاہ اسرائیل بن امام تاج فقیہ بن امام ابوبکر بن امام ابوالفتح بن امام ابوالقاسم بن امام ابوالصائم بن امام ابودہر بن امام ابواللیث بن امام ابوسہمہ بن امام ابودین بن امام ابومسعود بن امام ابوذر بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم۔

اب درج ذیل جدول میں مذکور نسخوں میں ناموں کا اختلاف ملاحظہ کریں:

پشت	نسخہ۱	نسخہ۲	نسخہ۳	نسخہ۴	نسخہ۵	نسخہ۶
۱۔	مخدوم شرف الدین،	شاہ شرف الدین،	شیخ شرف الدین،	مخدوم شرف الدین	۔	۔
۸۔	امام ابوالصائم	امام ابوصیام	امام ابوصیام	ابولصائم	ابی لصائم	ابوصائم
۱۱۔	امام ابوسہمہ	امام ابوشہمہ	امام ابوشہمہ	ابوسرمہ	ابی سہمہ	ابوسہمہ
۱۲۔	امام ابودین	امام ابودین	امام ابودین	ابودین	ابی الدین	ابودین
۱۳۔	امام ابومسعود	----	----	ابومسعود	ابی مسعود	ابومسعود
۱۴۔	امام ابوذر	امام ابودردا	امام ابودرداء	ابوذر	ابی ذر	ابوذر
۱۵۔	زبیر	---	---	---	زبیر المکنی	زبیر
۱۶۔	عبدالمطلب	---	---	---	ابی صعب	عبدالمطلب
۱۷۔	ہاشم	---	---	---	عبدالمطلب	ہاشم
۱۸۔	ہاشم	---	---	---	----	---

اس فہرست پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر غلطی کتابت کی وجہ سے ہے یا سماعت میں چوک ہونے کی وجہ سے ہے۔

اولاد امام تاج فقیہ

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ امام تاج فقیہ کے تین بیٹے تھے۔ اسرائیل، اسمٰعیل اور سب سے چھوٹے عبدالعزیز۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل اور اسمٰعیل ہی اپنے والد کے ساتھ منیر آئے تھے پھر یہاں اپنے دونوں بیٹوں کو چھوڑ کر تاج فقیہ واپس اپنے وطن چلے گئے تھے۔ اس پر بھی سبھی مؤرخین اکٹھا نظر آتے ہیں لیکن عبدالعزیز کے بارے میں سب کی ایک رائے نہیں ہے۔ تاریخی حوالوں کی تلخیص درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت امام فقیہ نے چند عرصہ منیر میں قیام کیا اور جب آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا (مزار منیر میں موجود ہے) تو ہندوستان کی زمین سے دل برداشتہ ہو کر تن تنہا وطن اصلی واپس چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنی سالی

سے دوسری شادی کر لی جن سے ایک صاحبزادے عبدالعزیز تولد ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد عبدالعزیز اپنی والدہ سے اجازت لے کر منیر اپنے بھائیوں کے پاس آگئے۔[28]

(۲) ایک روایت یہ ہے کہ امام تاج فقیہ ہندوستان کی سرزمین کو اپنے دونوں بیٹوں اسرائیل اور اسمٰعیل کو سپرد کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے۔ وہاں اپنی سالی سے شادی کر لی جن سے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد والد کی وصیت کی تعمیل میں عبدالعزیز اپنے بھائیوں سے ملنے کے لئے ہندوستان آگئے اور اپنے بڑے بھائی شیخ اسرائیل کے ساتھ منیر میں رہنے لگے۔ آپ کے دوسرے بھائی اسمٰعیل تقسیم ولایت کے مطابق (والد نے ہی یہ تقسیم فرمائی تھی) گنگا پار ترہت میں آباد ہو گئے۔[29]

(۳) تیسری رویت میں اس طرح تذکرہ ہوا ہے کہ حضرت امام تاج فقیہ تھوڑے ہی دن منیر میں ٹھہر پائے تھے کہ اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا جس کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر واپس بیت المقدس چلے گئے اور بچوں کو یہیں چھوڑا وہاں جا کر اپنی سالی سے شادی کر لی جن کے بطن سے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ امام تاج فقیہ کا وصال بیت المقدس میں ہی ہوا آپ کے وصال کے بعد عبدالعزیز بھائیوں کے پاس منیر چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔[30]

(۴) چوتھی روایت میں یہ ہے کہ امام تاج فقیہ اپنے تینون بیٹوں کے ساتھ منیر تشریف لائے تھے۔ ان کو یہیں چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور بوقت مراجعت مفتوحہ علاقہ کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے مطابق حضرت اسرائیل کو جنوبی حصہ اور اسمٰعیل کو شمالی حصہ (ترہت) ملا تھا۔ چھوٹے والے عبدالعزیز کو حضرت اسرائیل کے سپرد کر دیا تھا اور سب لوگوں کو تبلیغ دین کی تلقین کی تھی۔[31]

(۵) پانچویں روایت بھی چوتھی سے ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ سید صدر الحسن مئولف نقش شرف نے حاشیہ مناقب الاصفیاء تصنیف مخدوم شاہ شعیب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت امام تاج فقیہ اپنے چھوٹے بیٹے عبدالعزیز کو اپنے ساتھ واپس بیت المقدس لے گئے وہاں ان کی شادی کی جن سے دو صاحبزادے شاہ جلال الدین اور شاہ سلمان پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اپنے والد اور دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا شیخ اسرائیل کے پاس منیر چلے آئے۔ مزید یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ حاشیہ عام نسخہ مناقب الاصفیاء میں موجود نہیں، یہ کتاب حکیم سید قسم الدین بلخی کے پاس موجود تھی۔[32]

مذکورہ تمام حوالوں میں سب سے قدیم اور خاص کر سلسلہ فردوسیہ کے حوالے سے سب سے اہم دستاویزی

حیثیت مناقب الاصفیاء کو حاصل ہے، لیکن عبدالعزیز کے بارے میں صرف مناقب الاصفیاء کے حاشیہ پر بھروسہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حاشیہ صرف ایک مناقب الاصفیاء میں مذکور ہے جبکہ مناقب الاصفیاء کے مختلف نسخے موجود ہیں کسی میں بھی اس طرح کے حاشیئے کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ عبدالعزیز بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی منیر آئے تھے۔

شیخ اسرائیل

شیخ تاج فقیہ کے تین صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے شیخ اسرائیل تھے جن کے دو بیٹے تھے۔ احمد یحییٰ اور مظفر۔ مظفر کے پاس تو کوئی اولاد نہیں تھی یہ لاولد تھے، اور احمد یحییٰ کا نکاح کاشغر کی حکومت ترک کر کے راہ سلوک میں آنے والے بلند پایہ صوفی شیخ شہاب الدین پیر جگجوت کی صاحبزادی بی بی رضیہ سے ہوا۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے دست گرفتہ اور خلیفہ مجاز تھے۔ بی بی رضیہ کے بطن سے شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری پیدا ہوئے۔

حضرت احمد یحییٰ

یہ شیخ شرف الدین منیری کے والد اور محمد اسرائیل کے فرزند ہیں جیسا کہ مخدوم جہاں نے خود فرمایا:

''یار قدیم امام نظام الدین سلام و تحیت از فقیر حقیر احمد
یحییٰ منیری الملقب بشرف مطالعه کند۔'' ۳۳

آپ کا شمار کاملین صوفیہ میں ہوتا ہے اور علم دین شاہ رکن الدین مرغیلانی سے حاصل کیا تھا۔ مرغیلانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ امام تاج فقیہ کے قافلے کے ساتھ منیر آئے تھے اور انہی سے ارادت بھی حاصل تھی۔

''مرغیلانی ایک روایت کے مطابق حضرت امام تاج فقیہ کے قافلے کے ساتھ
ہی منیر آئے تھے۔ شاید انہی بزرگ سے مخدوم یحییٰ کو ارادت بھی تھی۔'' ۳۴

کہا جاتا ہے کہ شیخ یحییٰ، مولانا تقی الدین عربی مرید شیخ احمد دمشقی سے عقیدت رکھتے تھے۔ یہ بات اس لئے صحیح لگتی ہے کہ شیخ یحییٰ اکثر ان سے ملاقات کی غرض سے منیر سے مہسول (بنگال) جایا کرتے تھے۔

آپ کی چار اولادیں تھیں ۔ایک بیٹی ماہ خاتون ، اور بیٹے جلیل، مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحیٰ ، خلیل الدین، حبیب الدین۔

آپ کا انتقال ۱۱/ شعبان ۶۹۰ ھ کو ایک سوبیس سال ۱۲۰/ سال کی عمر میں منیر میں ہوئی ، جہاں آپ کی آخری آرام گاہ ہے ۔اس تاریخ کو ہر سال آپ کا عرس منایا جاتا ہے ۔آپ کا مزار منیر میں ہے اور بڑی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مخدوم جہاں کے جد اعلیٰ محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور مضافات منیر میں اسلام نے خوب اشاعت پائی اور مولانا کے باعث شہر منیر میں ایک باوقعت اور مضبوط مسلمانوں کی جماعت پیدا ہوگئی ۔ پھر دھیرے دھیرے حالات بہتر ہوتے چلے گئے ۔ بالآخر شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا دور آ گیا۔

شیخ اسمٰعیل

یہ مخدوم جہاں کے دادا کے دوسرے بھائی تھے ۔ان کے چار بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: شاہ ابراہیم، شاہ منہاج الدین، شاہ صلاح الدین، شاہ ضیاء الدین مگر اولادوں کا سلسلہ نسب شاہ ابراہیم اور شاہ صلاح الدین سے چلا، باقی دونوں بھائی لاولد تھے۔ شاہ ابراہیم کی پوتی بی بی سعیدہ کا نکاح شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے شاہ جلال منیری کے ساتھ کیا گیا جن سے شاہ شعیب مصنف مناقب الاصفیاء پیدا ہوئے۔

شیخ عبدالعزیز

شیخ عبدالعزیز، امام تاج فقیہ کی دوسری شادی جو انہوں نے اپنی سالی سے کیا تھا، ان کے بطن سے ہیں۔ شیخ عبدالعزیز کے دو صاحبزادے ہوئے ۔ایک شاہ سلیمان ملقب بہ لنگر زمین اور دوسرے شاہ جلال تھے۔ لنگر زمین کا مزار موضع ''کاکو'' میں ہے اور یہ شاہ غریب اللہ ڈھکر پوش سے مشہور ہیں۔ صاحب نقوش شرف لکھتے ہیں کہ یہ سہروردی بزرگ ہیں۔

سید شہاب الدین پیر جگجوت

پیر جگجوت، شیخ شرف الدین منیری کے نانا ہیں آپ کی ولادت ۵۷۰ھ میں ہوئی کاشغر کے رہنے والے تھے۔ آپ کو سلسلہء سہروردیہ کے مشہور بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ آپ اپنے پیر کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے اور بہار کے موضع عالم پور جیوٹھلی (جیوٹھلی اصل میں جی اُٹھلی ہے) میں مستقل سکونت اختیار کرلیا۔ آپ کے بیٹے نہیں تھے صرف چار بیٹیاں تھیں۔ رضیہ زوجہ شیخ یحییٰ منیری، بی بی حبیبہ زوجہ شیخ سید موسی ہمدانی، بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال زوجہ سلیمان لنگر زمین، بی بی جمال زوجہ شیخ حمید الدین بن آدم صوفی۔ آپ کا وصال ۲۱ ذی قعدہ ۶۶۶ھ کی صبح میں ہوا اور مزار گنگا کے کنارے جیوٹھلی کے مقام پر ہے جو پٹنہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے مزار بالکل کچا ہے اس پر کسی بھی طرح کا کوئی پتھر یا سیمنٹ وغیرہ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ جگہ کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ لب گنگا ہو نے کے باوجود دریا کی طغیانی سے محفوظ ہے۔

خاندانی نسب

شیخ شرف الدین منیری کے خاندانی نسب کو اس نقشے میں دیکھایا گیا ہے جو آپ کے بردادا شیخ تاج فقیہ سے لے کر حضرت زکی الدین تک ہے۔

تاج فقیہ

تاج فقیہ
حضرت مخدوم عزیز
حضرت مخدوم اسمٰعیل
حضرت مخدوم اسرائیل
حضرت مخدوم شیخ احمد یحیٰی
حضرت مخدوم مظفر
حضرت زیب الدین،
خلیل الدین،
مخدوم شیخ شرف الدین،
جلیل الدین
بی بی زہرا
بی بی فاطمہ
حضرت ذکی ءالدین
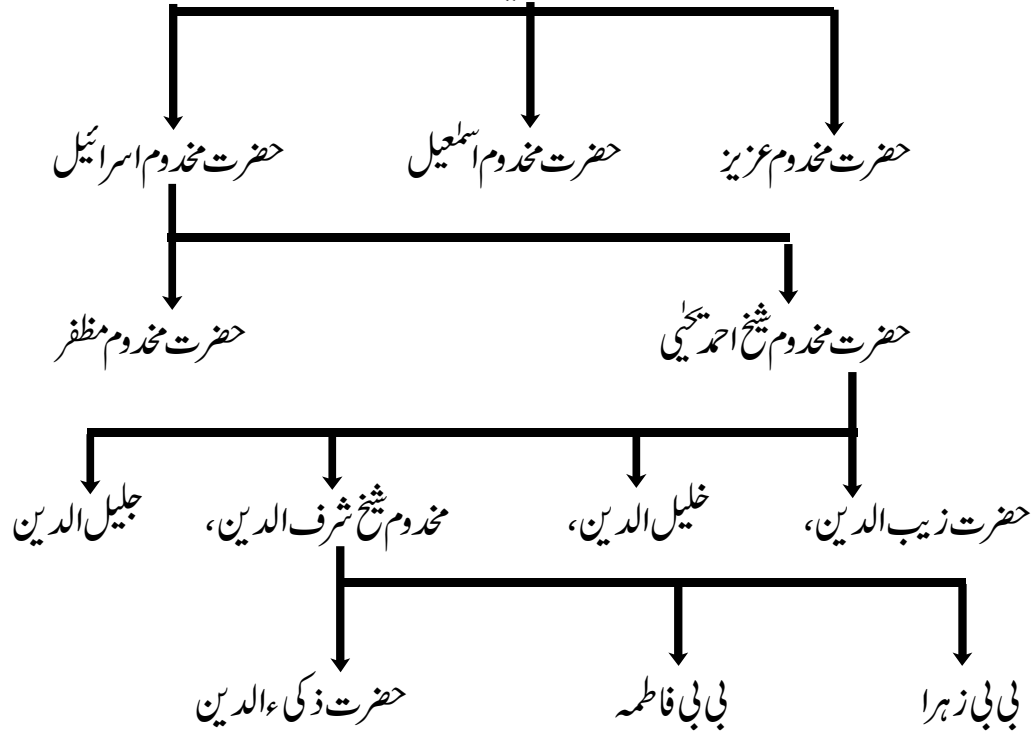
تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیمات

ابتدائی تعلیم شیخ شرف الدین منیری نے گھر اور مکتب میں حاصل کی۔ آپ کی والدہ ایک نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں، بغیر وضو کیے آپ کو دودھ بھی نہیں پلاتی تھیں۔ انہوں نے آپ کی بہتر پرورش پرداخت کی۔ آپ آٹھ سال کی عمر تک اپنے والد ماجد کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی۔ مخدوم جہاں کو علم سے بڑی گہری دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ قدرت نے فطانت سے وافر حصہ ان کے مقدر میں رکھا تھا۔

اس زمانے کے نصاب تعلیم کے مطابق جو رائج تھا مصادر اور مفتاح الغات وغیرہ باالاستیعاب پڑھا۔[۳۵] دینی مدارس میں جو رٹ رٹا کر پڑھانے کا طریقہ رائج ہے یہ طریقہ بہت ہی قدیم ہے۔ یہ طریقہ مخدوم جہاں کے عہد میں بھی جاری تھا لیکن مخدوم جہاں اس طریقہ تعلیم سے نالاں نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے شیخ شرف الدین منیری کا موقف یہ ہے کہ جتنا وقت مصادر و گردان اور نحو و قواعد کو یاد کرنے میں گزارا جاتا ہے اس اوقات میں قرآن مجید کو اگر یاد کرایا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ایک مرتبہ مخدوم جہاں نے حاضرین مجلس سے پوچھا:

''کسی کو یاد ہے کہ یہ آیت کس سورہ میں ہے؟ اتفاقاً کسی کو یہ سورہ یاد نہ تھی۔

> فرمایا مجھ کو کچھ یاد تھا وہ بھی اب یاد نہیں۔ بچپن میں اس قدر کتابیں یاد کرائی گئیں مصادر، مفتاح اللغات، علاوہ ازیں اور کتابیں اور مفتاح اللغات میں سے بہت سے اشعار مجلد کا مجلد یاد کرائے گئے اور بار بار زبانی سنا جاتا تھا۔ افسوس اس کے بجائے قرآن شریف یاد کرایا جاتا۔''[۳۶]

مولانا ابوتوامہ سے پہلی ملاقات

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور کچھ کر گزرنے کا شوق بھی خدائے تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیت کر رکھا تھا۔ ان کا یہ شوق مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی شاگردی اختیار کر کے پورا ہوا۔ آپ متبحر اور باکمال عالم تھے۔ علم کیمیا، ہیمیا، اور سیمیا میں بھی کمال حاصل تھا۔ دینی اور دنیاوی علوم سے مزین تھے۔ آپ کا آبائی

تعلق بخارا سے تھا۔ وہاں سے ہجرت کر کے دہلی آئے تھے اور یہاں تدریس میں مصروف تھے۔

شیخ شرف الدین منیری نے قریب ۲۲ سال تک ابوتوامہ کے سامنے زانوئے تلمذ تے کیا اور متداول علوم میں کمال حاصل کیا۔ مولانا ابوتوامہ سے شیخ شرف الدین منیری کی تعلیم وتربیت کا آغاز وانجام کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے۔

شیخ شرف الدین منیری اور مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی ملاقات ایک عجیب اتفاق تھا۔ پہلے کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ شیخ شرف الدین منیری کے استاذ ہوں گے۔ مولانا ابوتوامہ دہلی میں رہتے تھے اور علم دین کے معاملے میں تمام علماء آپ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ عوام وخواص، امراء اور بادشاہ وقت سب کے سب آپ کے معتقد اور فرمانبردار تھے۔ علم سیمیا کے ماہر تھے جس کے ذریعہ حیرت انگیز کرشمے دکھا کر لوگوں کو حیرت زدہ اور تعجب میں ڈال دیتے، اس کی وجہ سے آپ کے معتقدین کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف لوگوں کی آپ سے بے پناہ محبت وفرمانبرداری نے بادشاہ دہلی کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور وہ اس بات سے خوفزدہ ہونے لگے کہ مولانا ابوتوامہ اور ان کے معتقدین ومتوسلین کہیں ہماری سلطنت پر قبضہ نہ کر لیں اس لئے اس نے مولانا ابوتوامہ کو دہلی سے باہر بھیجنے کے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگے۔ اس وقت دہلی میں خاندان التمش کا خاتمہ ہو رہا تھا، غلاموں کی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ تبدیلیِ خاندان نے دارالحکومت اور اس کے مضافات میں عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ نئے لوگ آباد ہو رہے تھے اور پرانے لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ شیخ شرف الدین ابوتمامہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جن کو حالات دہلی نے یہاں سے رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔ بالآخر مولانا ابوتوامہ نے دہلی کو چھوڑ کر سنارگاؤں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ غالبًا یہ عہد غیاث الدین بلبن کا تھا۔ سنارگاؤں موجودہ بنگال کا ایک مشہور شہر ہے اور اس وقت بنگال بھی بادشاہ دہلی کے ماتحت تھا۔ مولانا بڑے زہین فطین تھے اپنی فراست سے دہلی کے حالات کو سمجھنے میں دیر نہیں کی اور جلد ہی سنارگاؤں کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔ دوران سفر راستے میں ان کا قیام بہار کے ضلع نالندہ میں ہوا۔ یہیں مخدوم جہاں کی ملاقات مولانا ابوتوامہ سے ہوئی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول:

> ''غیاث الدین بلبن کے عہد میں رجوع عام اور بعض حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی بناپر اشارۂ سلطانی سے مولانا ابوتوامہ ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور دہلی کو خیر باد کہہ کر سنارگاؤں (جو اس وقت بنگلہ دیش میں ہے) کے لیے رخت سفر باندھا۔[۳۷]

سنار گاؤں جانے کے وقت شیخ شرف الدین منیری صرف آٹھ سال کے تھے۔آپ کو بہار شریف میں کچھ دن مولانا ابوتوامہ کی خدمت کا موقعہ ملا۔[۳۸] اس دوران مخدوم جہاں پر مولانا کی خاص توجہ رہی۔انہیں پہلے سے ہی تعلیم کا شوق تھا،مولانا سے مل کر وہ شوق اور بھی بڑھ گیا۔انہیں بھی ایک اچھے استاذ کی تلاش تھی،مولانا ابوتوامہ سے مل کر گویا وہ تلاش پوری ہوگئی۔ان کا شوق اور رجحان دیکھ کر مولانا کو بھی ان کی تعلیم میں رغبت پیدا ہوئی۔مناقب الاصفیاء میں ہے:

''مولانا شرف الدین ابوتوامہ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کی قابلیت اور صلاح وتقویٰ کی روش کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ ایسے شخص کو علم دین سکھانے میں محنت کرنی چاہئے۔''[۳۹]

اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر سنار گاؤں کا سفر

جن دنوں مولانا ابوتوامہ کا قیام بہار شریف میں تھا،اس وقت شیخ شرف الدین منیری کے والد اور والدہ باحیات تھے۔جب یہاں سے شیخ ابوتوامہ سنار گاؤں کے لیے نکلنے لگے تو شیخ شرف الدین منیری بھی والد محترم سے اجازت لے کر حصول علم کی خاطر مولانا کے ساتھ ہو لیے اور ۶۶۸ ھ کو سنار گاؤں پہنچے۔سید رکن الدین اصدق چشتی لکھتے ہیں:

''مخدوم جہاں ۶۶۱ ھ میں پیدا ہوئے۔آٹھ سال کی عمر میں ۶۶۸ ھ میں سنار گاؤں پہنچے اور پورے بائیس سال وہاں گذار کر ۶۹۱ ھ میں والد ماجد کی رحلت کی خبر پا کر تیس سال کی عمر میں منیر شریف واپس ہوئے۔''[۴۰]

مولانا ابوتوامہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے۔آپ کی مشہور فقہی مثنوی 'بنام حق' کے نام سے مشہور ہے۔یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اس میں ایک سواسی اشعار اور دس ابواب ہیں اور یہ ۱۵/ جمادی الاول ۶۹۳ ھ میں مکمل ہوئی۔اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ سنار گاؤں جانے کے سفر میں مولانا ابوتوامہ کے بھائی حافظ رکن الدین بھی ساتھ تھے اور یہ بہت ہی شاندار خوبصورت آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔مشہور ہے کہ بادشاہ التمش کے عہد میں تمام مساجد میں حکومت کی طرف سے امام مقرر تھے

اور یہ بھی حکم تھا کہ تمام مساجد میں مقرر امام ہی امامت کے فرائض انجام دیں لیکن حافظ رکن الدین کی شخصیت ایسی تھی کہ اگر موجود ہوتے تو آپ ہی امامت کرتے تھے۔[۴۱]

سنارگاؤں میں قیام

شیخ شرف الدین منیری ۶۶۸ ھ میں بہار شریف سے مولانا ابوتوامہ کے ساتھ سنارگاؤں پہنچے یہ کون سا مہینہ تھا اس کا تذکرہ نہیں ملتا اور نہ اس پر کسی نے کلام کیا ہے صرف اتنا مذکور ہے کہ سن ۶۶۸ ھ میں سنارگاؤں پہنچے اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ سنارگاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کسمپرسی میں پڑا ہوا ہے، اور پینام کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے اور برہم پترا ندی اس سے دو کوس کے فاصلے پر بہتا ہے۔ سنارگاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اس شاہی شہر کا منتہیٰ تھا جس کو شیر شاہ سوری نے بنوایا تھا۔[۴۲] شیخ شرف الدین منیری سنارگاؤں میں تقریباً ۳۰ سال کا لمبا عرصہ گذارا۔ سید صدرالحسن کے بقول شیخ شرف الدین منیری سنارگاؤں میں ۱۲ سال گزارے۔ پتا نہیں انہوں نے یہ تخمینہ کیسے لگایا ہے۔ ۱۲ سال تو کسی بھی طرح سے نہیں بن پاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''مخدوم جہاں نے سنارگاؤں میں بارہ سال گزارے اور اگر سات سال میں سنارگاؤں آنا تسلیم کیا جائے تو بائیس سال بنتے ہیں۔ اغلب یہی ہے کہ آپ نے سنارگاؤں میں بارہ سال گزارے اور تقریباً انتیس سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر منیر پہنچے۔''[۴۳]

مصنف دعوت و عزیمت کے مطابق شیخ شرف الدین منیری، کی عمر سنارگاؤں جانے کے وقت ۱۲ سال کی تھی اور اس وقت دہلی میں غیاث الدین بلبن کی حکومت تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے منیر تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کم سے کم ۱۲ سال کے تھے تو یہ ۶۷۳ ھ ہوگا اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے ۶۶۴ ھ سے لیکر ۶۸۶ ھ تک

سلطنت کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو توامہ نے سلطان
غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔''[۴۴]

شیخ شرف الدین احمد منیری کی ولادت ۶۶۱ھ میں ہوئی اور آٹھ سال کی عمر میں آپ سنار گاؤں گئے اس پر تمام موئرخین متفق ہیں اور ۶۹۰۔۶۹۱ھ میں والدمحترم کا وصال ہوا جس کی خبر سن کر آپ سنار گاؤں سے واپس بہار شریف چلے آئے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری سنار گاؤں میں ۲۲ یا ۲۳ سال گذارے۔ دوران طالب علمی سنار گاؤں میں آپ نے جن علوم وفنون کو حاصل کیا، اس کے متعلق صاحب سیرت الشرف لکھتے ہیں:

''مخدوم نے ایک زمانہ دراز تک مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی صحبت میں
کلام پاک،تفسیر،فقہ،حدیث،اصول کلام،منطق،فلسفہ،اور ریاضیات تمام
علوم متعارفہ کی تحصیل کی اور اچھی طرح کی مخدوم کی تصنیفات اس کی شاہد
ناطق ہیں۔''[۴۵]

شیخ شرف الدین منیری اپنے استاد مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے تبحر علم اور ان کی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں فرماتے ہیں کہ:

''مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ ایسے عالم تھے کہ تمام ہندوستان میں آپ کا
حوالہ دیا جاتا تھا اور علم میں آپ کا کوئی ہمعصر نہ تھا۔مولانا شرف الدین ابو
توامہ ہندوستان کے علماء میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہ
نہیں تھا۔آپ ریشمی سر بند اور ازار بند استعمال کرتے تھے۔آپ نے ایسی
چیزیں لکھی ہیں کہ دوسرے علماء کو اس کی تقلید کرنی چاہئے۔اگر سبق پڑھانے
میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے اور غور کرتے وقت سر بند کاندھے پر لٹکاتے
اور اس کو ہاتھ میں لیکر مشغول رہتے یہاں تک کہ مشکل حل ہوجاتی اس کے
بعد سر بند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔''[۴۶]

حصول علم میں آپ اس قدر محو ہوئے اور کتابوں کا مطالعہ و اسباق کا اس قدر انہماک تھا کی آپ طلبہ و حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونے سے گریز کرتے تھے کہ اس میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ شیخ ابوتوامہ نے مطالعہ کی طرف شیخ شرف الدین منیری کی طبیعت کا اس قدر میلان دیکھ کر اس کا انتظام فرما دیا کہ کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہنچ جایا کرے۔[۴۷]

شیخ کا یہ زمانہ شدید مصروفیت میں گذرا۔ اس دوران وطن سے جو بھی خطوط آپ کے پاس آتے ان کو کسی تھیلی میں اکٹھا کرتے جاتے اور صرف اس وجہ سے پڑھنے کی زحمت نہیں کرتے کہ طبیعت گھر کی جانب مائل ہوگی، ذہن میں انتشار پیدا ہوگا اور مقصد کے حصول میں خلل واقع ہوگا۔

شیخ ابوتوامہ نے علوم دینیہ کے بعد دیگر علوم کی تحصیل کرانے کی بھی خواہش ظاہر کی، لیکن شیخ شرف الدین منیری راضی نہ ہوئے۔ مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

> ”شیخ نے سنارگاؤں میں مولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی۔
> علوم دینیہ اور علوم نافعہ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ ان بعض علوم کی بھی تحصیل کرا لیں جن کے اس زمانے کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب رہا کرتے تھے۔ مثلاً علم کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ مجھے علوم دینیہ ہی کفایت کریں گے۔“[۴۸]

شادی

تذکرہ نگاروں نے شیخ شرف الدین منیری کی زندگی کے کئی اہم گوشوں کو فراموش کر دیا ہے اور بعض چیزوں پر سب کی رائے مختلف نظر آتی ہیں۔ بعض مؤرخوں نے قیاس کا سہارا لے کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ جن گوشوں پر اختلاف پایا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

- شیخ شرف الدین منیری کی کتنی شادی تھی ایک یا دو۔
- شیخ شرف الدین منیری کی شادی مولانا ابوتوامہ کی بیٹی سے ہوئی یا کنیز سے۔
- اولادیں کتنی ہوئیں دو یا تین۔

- شیخ شرف الدین منیری جب والد کی وفات کی خبر سن کر ذکی الدین کے ساتھ منیر لوٹے تو آپ کی اہلیہ اور بچیوں کا کیا ہوا۔
- سنارگاؤں سے منیر لوٹنے کے بعد آپ کی اہلیہ اور بچے بھی واپس آگئے تھے یا نہیں۔
- آپ کی اہلیہ کی قبر سنارگاؤں میں ہے یا منیر میں۔
- شاہ ذکی الدین کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا یا منیر آنے کے بعد۔
- شیخ شرف الدین منیری کے منیر آنے کے بعد دوبارہ اہلیہ سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔

ان تمام گوشوں پر تاریخ نگاروں نے جو کرم فائی کی ہے ان میں سے سب کو غلط قرار دیدینا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جس حقیقت کے بارے میں تاریخ کے پنے خاموش ہوں وہاں غور وفکر اور ادراک سے کام لیا جاتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ قیاسی آرا کو حرف آخر نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور حقیقت ہو۔ مذکورہ مسئلے میں مؤرخوں نے یہی کام کیا ہے کہ قیاس سے کام لیا ہے۔

دوران طالب علمی میں ہی شیخ ابوتوامہ نے اپنی صاحب زادی ہاجرہ سے مخدوم جہاں کا نکاح کردیا تھا۔ اس سے تین اولادیں ہوئیں، لیکن سوائے شاہ ذکی الدین کے سب ایام طفولیت ہی میں وفات پا گئے۔[۴۹] مخدوم جہاں کی شادی کے تعلق سے تاریخی طور پر اختلاف پایا جاتا ہے اور اس میں مؤرخین کی آرا مختلف نظر آتی ہیں ایک روایت یہ ہے کہ مولانا ابوتوامہ نے اپنی صاحبزادی سے مخدوم جہاں کا نکاح کروایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مولانا توامہ نے ایک کنیز سے نکاح کروادیا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں کون صحیح ہے کس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے، مناقب الاصفیاء بھی اس گتھی کو نہیں سلجھا سکی، جبکہ یہ کتاب سلسلہ فردوسیہ کی بنیاد مانی جاتی ہے۔

مناقب الاصفیاء کے متعدد کئی قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ بقول سید صدر الحسن کے مناقب الاصفیاء کا سب سے قدیم خطی نسخہ سنہ ۱۱۴۸ھ، خانقاہ بلخیہ، رائے پورہ، فتوحہ، پٹنہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ بقیہ جتنے نسخے پائے جاتے ہیں سب بعد کے ہیں۔ مناقب الاصفیاء کے متن میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کا اندازہ اس مکتوبات صدی سے لگایا جاسکتا ہے جس کو محمد اکرم صاحب کی فرمائش پر مطبع علوی لکھنؤ نے ۱۳۸۷ھ میں چھاپا تھا۔ اس میں مناقب الاصفیاء کے نسخے میں مذکور شیخ شرف الدین منیری کے حالات پر مشتمل حصہ بھی شامل کردیا گیا ہے تا کہ مکتوبات کے پڑھنے والے صاحب مکتوبات سے بھی واقف ہو جائیں۔ اس کی عبارت

درج ذیل ہے:

''جس زمانے میں آپ (مخدوم جہاں) سنار گاؤں میں حصول علم میں مشغول تھے آپ کو ایک ایسا مرض لاحق ہو گیا جس کا وہاں کے اطباء نے علاج جماع بتایا۔ چنانچہ دفع مرض کے لئے ایک کنیز رکھ لیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا''۔ ۵۰؎

اسی کے حاشیے میں یہ عبارت درج ہے:

''مناقب الاصفیاء کے اکثر نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کے پاس ایک کنیز تھی جس کو مخدوم کے نکاح میں دیدیا۔ اس کنیز سے ایک صاحب زادے پیدا ہوئے کہ جن کا نام ذکی الدین رکھا۔ کچھ نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت مخدوم اپنے شیخ کی خدمت میں حصول علم سے فارغ ہو گئے تو استاد نے اپنی بیٹی سے نکاح کا عندیہ دیا مگر حضرت مخدوم نے تکمیل علم ظاہر و باطن کے فرط شوق میں اس سے معذرت کی یہاں تک کہ آپ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گئے کہ جس کے علاج کے لئے تمام اطباء نے بالاتفاق سوا نکاح کے اور کچھ نہیں بتایا لہذا اپنے استاد کی بیٹی سے نکاح کر لیا جن سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ذکی الدین رکھا اور انہیں والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔'' ۵۱؎

مقالہ مطیع امام میں حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی، صاحب سجادہ خانقاہ بلخیہ، کا ایک مکتوب بھی چھپا ہے جو انہوں نے ڈاکٹر مطیع الامام کے نام لکھا ہے اس میں الگ ہی انکشاف ہے وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم کی دو شادی ہوئی تھی پہلی شادی اس کنیز سے اور دوسری شادی اپنے استاد مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی صاحبزادی بہو بادام سے ہوئی۔ پہلی شادی سے ایک صاحبزادے شیخ ذکی الدین جو سن بلوغ کو پہنچنے

بھی نہ پائے تھے کہ فوت ہو گئے ۔ بہو بادام سے دو صاحبزادیاں فاطمہ و

زہرا پیدا ہوئیں ۔ ان دونوں کا مزار ان کی ماں کے مزار کے پہلو منیر میں

موجود ہے۔''۵۲ے

صاحب وسیلہ شرف وذریعہ دولت نے کنیز کی جگہ جاریہ کا لفظ لکھا ہے۔ جاریہ کا مطلب بھی کنیز اور لونڈی کے آتے ہیں ۔ انہوں نے لکھا کہ دفع مرض کے لئے ایک جاریہ سے شادی کر لی اس سے ایک بیٹا ہوا۔ اس میں بیٹے کے علاوہ کسی اور اولاد کا تذکرہ نہیں ہے۔۵۳ے

شیخ شرف الدین منیری کی شادی کے حوالے سے تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں مصنف نے اپنی ادراک سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شیخ شرف الدین منیری چونکہ ایک قابل شخصیت کے مالک تھے اور وہ بلند مقام پر فائز ہونے والے تھے اس لئے مولانا توامہ نے موقع کو غنیمت جان کر ایسے شخص کو اپنی دامادی میں لینا پسند کیا اور اپنی بیٹی کو ان کے نکاح میں دیدیا۔ البتہ کنیز پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''علامہ ابوتوامہ جو اپنے وقت کے صرف انمول جواہر ہی نہیں بلکہ اچوک جو

ہری بھی تھے، اپنے ہونہار شاگرد کے بارے میں سب کچھ جان گئے تھے کہ

یہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والے ہیں وہ ان پر ایسا فریفتہ ہوئے کہ ان کو

اپنی دامادی میں لینے پر مصر ہوئے ۔ مخدوم نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا لیکن

استاد کے حکم کو ٹالنا ان کے بس میں نہ تھا وہ راضی ہو گئے اور استاد کی دختر نیک

اختر کے ساتھ رشتہ ازدواز میں منسلک ہو گئے ۔''۵۴ے

صاحب سیرت الشرف نے اس طرح کی روایت جس میں کہا گیا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری نے ایک کنیز سے شادی کی تھی اس پر تنقیدی تبصرہ کیا ہے لیکن ان کی رائے بھی تاریخ سلسلہ فردوسیہ کی عبارت سے مماثلت رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں:

''مولانا کو شیخ شرف الدین منیری کے حالات خاندان کے دریافت کرنے کا

پورا موقع مل چکا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جواہر ذاتی سے بھی مالا مال ۔ پھر ایسے

شخص کو دامادی میں لینا تو مولانا کے لئے عین فخر کا باعث تھا۔ عقل صائب ہر

> گزاس کی مساعدت نہیں کرتی کہ مولانا نے اپنی صاحبزادی کے بدلے اپنی کنیز کومخدوم کے ازدواز میں دیا ہو۔حق یہ ہے کہ مخدوم مولانا کی صاحبزادی ہی کو حبالہ نکاح میں لائے تھے۔اس کدخدائی سے مخدوم کے تین اولادیں ہوئیں۔اس میں سے ایک صاحبزادے شاہ ذکی الدین زندہ رہے۔باقی دو ایام طفولیت میں ہی قبل آنے منیر کے سنارگاؤں میں انتقال کر گئے اور اپنی ماں کے ساتھ زمین بنگالہ میں جا لیٹے۔''۵۵؎

مذکورہ حوالوں کے بعد مناقب الاصفیاء کے حالیہ مطبوعہ کی عبارت پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا ترجمہ ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی نے مختلف نسخہء مناقب الاصفیاء کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔عام قارئین کے علم وفہم کے پیش نظر بہت ہی سادہ عام فہم زبان میں ترجمہ کیا ہے۔اس کی عبارت درج ذیل ہے:

> ''جس زمانے میں سنارگاؤں میں رہ کر علم دین حاصل کرنے میں مشغول تھے اسی زمانے میں آپ کو ایک ایسا مرض لاحق ہوگیا کہ طبیبوں نے جس کا علاج نکاح بتایا۔آپ نے علاج کی غرض سے نکاح کیا۔ایک صاحبزادہ تولد ہوا۔''۵۶؎

مذکورہ تاریخی مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے اور یہی درست بھی لگتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کی صرف ایک شادی ہوئی تھی مولانا ابوتوامہ کی صاحبزادی ہاجرہ سے۔(اہلیہ کا نام سیرت الشرف میں ہاجرہ اور مقالہ مطیع الامام میں بہو بادام لکھا ہے) جن سے تین اولادیں ہوئیں ایک لڑکا جن کا نام زکی الدین ہے اور دو لڑکی جن کا نام فاطمہ اور زہرہ ہے۔شیخ شرف الدین منیری سنارگاؤں سے عجلت میں منیر کے لئے روانہ ہوئے تھے اس لئے ہوسکتا ہے کہ تنہائی کو دور کرنے کی غرض سے صرف زکی الدین کو ساتھ لیکر چل دیے ہوں اور بعد میں اہلیہ اور دونوں بیٹی ساتھ آئی ہوں۔منیر میں شیخ شرف الدین منیری کی اہلیہ کے قبر کے نشان موجود ہیں اس لئے یہ بات صحیح لگتی ہے کہ آپ کی اہلیہ منیر آئی ہوں۔شاہ زکی الدین کا انتقال بچپن میں نہیں بلکہ منیر آنے کے بہت بعد میں ہوا۔مزار بیر بھوم بنگال میں ہے۔شیخ شرف الدین منیری کا منیر آنے کے بعد اپنی اہلیہ سے دوبارہ ملاقات ثابت نہیں ہے اور یہی حق ہے اس لئے کہ مخدوم جہاں گھر سے نکلتے وقت اپنی والدہ سے فرمایا تھا کہ مجھے جانے

کی اجازت دیں اور یہ سمجھیں کہ میں اب اس دنیا میں نہیں ہوں اس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

قیام سنارگاؤں میں ایک عرصہ بعد آپ نے خطوط والی اس تھیلی کو کھولا تو پہلا خط جو آپ کے ہاتھ لگا، اس میں آپ کے والد شیخ یحییٰ کے وفات کی خبر تھی۔ آپ اس وقت ۳۰ سال کے ہو چکے تھے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا پھر ماں کی یاد ستانے لگی۔ بالآخر استاد سے اجازت لے کر اپنے بیٹے شاہ ذکی الدین کو ساتھ لے کر ۶۹۰ھ کے کسی مہینے میں منیر تشریف لے آئے۔۵۷

کچھ دن قیام کے بعد آپ نے والدہ سے فرمایا کہ میری جگہ ذکی الدین کو سمجھیں، ۵۸ اور مجھے اجازت دیں کہ جہاں چاہوں جاؤں۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں:

> ''سنارگاؤں سے منیر کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بچے کو دادی کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو میری جگہ سمجھئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤں۔ یہ سمجھئے کہ شرف الدین اب دنیا میں نہیں رہا۔''۵۹

شیخ شرف الدین منیری نے سنارگاؤں سے واپس لوٹنے کے بعد کتنے ماہ یا کتنے دن منیر میں قیام فرمایا، اس پر مؤرخین و محققین خاموش ہیں لیکن مناقب الاصفیا سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے منیر میں زیادہ دن قیام نہ کیا، علوم دینیہ کے حصول کے بعد آپ علمائے ظاہر کی طرح درس و تدریس میں مشغول نہ ہوئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے ایک بڑا کام لینا تھا اور عشق الٰہی کی طلب مزید تاخیر کی اجازت نہیں دے رہی تھی، اس لیے کچھ دن منیر میں قیام کے بعد دہلی کے لیے رخت سفر باندھا۔

اولادیں

اس کا تذکرہ اوپر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

سلسلۂ فردوسیہ میں بیعت وخلافت

شیخ کی تلاش اور دہلی کا سفر

شیخ شرف الدین منیری ایک ذی استعداد اور ماہر استاذ کی بافیض تعلیم وتربیت سے مرصع ہوئے تھے، اس لیے ان کے اندر نقد وجرح کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ ہر چیز کو اپنے ظاہری علوم کے مطابق پرکھتے اور صحیح وغلط یا مناسب وغیرہ مناسب کا حکم لگاتے تھے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''متبحر استاد کے فیض تعلیم اور اپنی جودت طبع سے آپ میں معاصر علما ومشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علوم ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔'' [۶۰]

جب آپ پیر ومرشد کی تلاش میں دہلی آئے تو اسی مذاق وعادت کے ساتھ آئے اور بہتیرے مشائخ سے اپنی اسی عالمانہ شان کے ساتھ ملاقات کی لیکن کوئی بھی ان کی نظروں میں نہیں جچا، بلکہ ان کی حالت دیکھ کر فرمایا:

''اگر شیخی ایں است ما ہم شیخم'' [۶۱]

یعنی اگر شیخی اسی کو کہتے ہیں تو میں بھی شیخ ہوں۔

بالآخر آپ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں تشریف لائے اور اِن سے متاثر ہوئے۔ جس وقت آپ محبوب الٰہی کی بارگاہ میں پہنچے اس وقت وہاں علمی مذاکرہ چل رہا تھا۔ آپ نے چند سوالوں کے معقول جواب دیئے، اس پر محبوب الٰہی بہت خوش ہوئے اور اعزاز واکرام سے نوازا لیکن ایک طشت میں پان پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"سیمرغیست نصیب دام ما نیست۔" [۶۲]

یعنی یہ ایک شاہین بلند پرواز ہے لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں۔

اس بات پر شیخ شرف الدین منیری افسردہ خاطر ہوئے لیکن مرشد کی تلاش انہیں ان کے بھائی جلیل الدین کے ہمراہ پانی پت لے گئی۔٦٣ یہاں حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی سے ملاقات ہوئی۔ صاحب ''آئینۂ مخدوم جہاں'' کے مطابق تین دنوں تک خانقاہ میں مقیم رہ کر اپنے قلب کا رجحان معلوم کرتے رہے، بالآخر دل محزون نے تلاش جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔٦٤ آپ نے یہاں جو کچھ دیکھا، اس کے متعلق اپنی عالمانہ و ناقدانہ انداز میں فرمایا:

''مر دیست ولے مغلو ب الحال است۔''٦٥

یعنی شیخ تو ہیں لیکن مجذوب ہیں، اپنے ہی حال میں مگن ہیں دوسروں کی تربیت کیسے کریں گے اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ شیخ صوفیائے محو میں سے نہ ہو، بلکہ صوفیائے صحو میں سے ہو، تاکہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کر سکے۔ اب انہیں اور بھی الجھن ہوئی۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائیں۔ بھائی نے مشورہ دیا کہ پھر دہلی چلا جائے، چنانچہ واپس دہلی آئے۔

بیعت و خلافت

پانی پت سے جب دہلی واپس لوٹ آئے تو یہاں آکر عجب کشمکش میں مبتلا ہو گئے کہ اب کدھر جائیں۔ اسی بیچ ایک مجذوب صفت آدمی سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ کہاں ادھر ادھر پھر رہے ہو؟ خواجہ نجیب الدین فردوسی کی بارگاہ میں جاؤ۔ یہ کہہ کر وہ مجذوب صفت آدمی جدھر سے آیا تھا، ادھر لوٹ گیا۔

شیخ شرف الدین منیری نے کہا کہ قطب دہلی کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا، لیکن تہی دست لوٹا دیا گیا، اب کہیں اور کہاں جائیں۔

بھائی نے کہا کہ چل کر دیکھ لینے میں حرج تو نہیں۔ بڑے بھائی کا اصرار تھا، ٹال نہ سکے اور گوہر مقصود کی تلاش میں چل پڑے۔ آبادی سے دور مغربی دہلی میں ایک ٹیلے پر بیٹھے ہوئے مرد درویش پر جوں ہی نظر پڑی دل میں مدوجزر کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور قلب پر ہیبت حق لاجلال طاری ہو گیا۔ آپ کو تعجب ہوا کہ اتنے مشائخ کی بارگاہ میں حاضری دی، کہیں یہ کیفیت محسوس نہیں ہوئی۔ آخر یہاں ایسا کیا ہے؟

جب بعد میں طبیعت کو کچھ اطمینان ہوا تو پھر شیخ نجیب الدین فردوسی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے

دیکھتے ہی فرمایا:

''در دھن برگ و در دستار برگ و گفتار اینکه ما ھم شیخم۔''۶۶؎

منہ میں پان اوررومال میں بھی پان ہےاوردعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں۔

اسی وقت آپ نے پان کو پھینک دیا،ادب کےساتھ سامنے بیٹھ گئے اور بیعت کی درخواست کی۔حضرت نجیب الدین فردوسی نے درخواست کو قبول فرمایا اور داخل سلسلہ کر کے اجازت و خلافت نامہ سونپ دیا۔صاحب نقوش شرف نےلکھا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کے بھائی بھی ساتھ میں بیعت ہو گئے تھے۔
صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں:

''تھوڑی دیر کے بعد مرید ہونے کی درخواست کی۔خواجہ نجیب الدین نے آپ کومرید کیااوروہ اجازت نامہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے جو بارہ سال قبل لکھ کر رکھا تھا،حوالہ کیا۔''۶۷؎

وصیت نامہ

آپ کے پیر نے جو وصیت نامہ دیا تھا وہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔ڈاکٹر علی ارشد شرفی نے وصیت نامہ جو کہ فارسی زبان میں ہےاس کا اردو میں ترجمہ کر کے چھپوا دیا ہے۔اس میں سے چند نصیحتوں کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے تا کہ معلوم ہو کہ شیخ شرف الدین منیری کو اپنے پیرومرشد سے کیا کیا نصیحتیں ملیں اور وہ کتنی کار آمد ہیں۔

شیخ شرف الدین منیری کے پیرومرشد حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

- اے عزیز! آپ کی تربیت کے سلسلے میں بہت غور وفکر کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ جو کچھ اس عالم ہست وبو میں ہے اس میں مشغول ہونا غلطی ہے۔
- اپنی خودی کو ترک کرنے میں لگے رہیں۔خودی کیا ہے؟ تمام حرکات وسکنات ،اقوال وافعال اور خواہشات بشری جو عادت کے مطابق کسی سے وجود میں آئے اور جو بشریت کا تقاضہ ہے۔مثلاً کھانا ،پینا،سونا، بولنا،لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا ،انہیں دیکھنا،ان کی باتیں سننا، وغیرہ یہی سب تو خودی کے لوازمات ہیں، بس ضرورت کے وقت ضرورت کے مطابق ہی ہو۔

• کسی بھی حال میں خودی سے باہر نکلو، اس لئے کہ خودی کے رہتے ہوئے کسی بھی کام میں لگے رہنا یا مشغول رہنا شیطانی کام ہے اور خودی کو مجاہدہ اور ریاضت نفس کے ذریعہ دور کیے جائیں۔ (اسی لئے خدوم جہاں کا ایک لمبا عرصہ جنگل میں گزرا) جب خودی دور ہوگی تو تقوی آئے گا اور بشریت کا لبادہ اتر جائے گا۔

• ہرگز ہرگز کسی وقت بھی بے وضو نہ رہیں۔ اگر چہ سردی کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو، اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز ادا کریں بلا ناغہ۔

• کھانے پینے میں زیادتی نہ کی جائے اس لئے کہ کھانے پینے کے تیں ہی مقصد ہے۔ زندگی، عقل اور قوت کو باقی رکھنا۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے اتنی ہی غذا لیں جن سے کام چل جائے۔ لہٰذا سوکھی روٹی، سوکھا چاول یا سوکھی کھچڑی جو بھی میسر آئے تھوڑی مقدار میں لی جائے اور سالن وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ پانی بھی حسب ضرورت ہو جس سے حلق تر ہو جائے اور کوئی نقصان پیدا نہ ہو۔ یہ بات تجربے سے حاصل ہوگی کہ کتنے دنوں تک کھانا پینا چھوڑنے سے زندگی اور عقل میں کمی اور نقصان پیدا ہوتا ہے۔ اس پر تجربہ کر کے طے کرنا ہے۔

• ہرگز ہرگز دن رات صرف سونے میں نہ گذاریں۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز، تلاوت قرآن، اور دوسری کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ نیند کو دور کریں اور ہرگز لیٹے نہ رہیں بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے رہ کر اپنے شب و روز کو گذاریں۔

• کسی سے گفتگو میں مشغول نہ ہوں۔ ہاں اگر کوئی سوال کرے تو اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ کسی عالم کو جواب نہ دیں، کسی علمی بحث میں نہ پڑیں۔ اسلئے کہ علمی بحث کے پیچھے بہت ساری آفتیں لگی رہتی ہیں۔ غیر علمی گفتگو بہت ہی مختصر کریں صرف ضرورت کے تحت ہو۔

• لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھیں تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کریں اور نگاہ ہمیشہ زمین پر ہو، ادھر ادھر نہ ہو۔

• ہرگز کسی کی بات پر کان نہ لگائیں اور نہ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ اگر چہ ضروری بات ہو یا غیر ضروری، وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

• لباس میں ایک کمبل کے سوا کچھ نہ ہو، البتہ جاڑے کے موسم میں معمولی جبہ خرقہ کے اوپر ضرورتاً پہن لیں لیکن اس میں اضافہ نہ کریں۔

• کسی کے آنے جانے کسی کے کچھ کہنے اور کسی کے کام سے ناراض نہ ہوں اور نہ اس پر اعتراض کریں اور نہ یہ ظاہر ہونے دیں کہ کسی بات سے انکار ہو رہا ہے یا کسی کی بات پر اعتراض ہے۔ اگر سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے تو مقام وحدت تک رسائی حاصل نہ ہو جائے اور حال ذوق پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک اپنی زبان بند رکھیں۔

• جہاں تک ممکن ہو سکے حالت سماع میں اپنے احوال کو چھپائیں، حتی المقدور اس بات کی کوشش کریں کہ آنسو نہ گرے، جنبش اور حرکت نہ پیدا ہو۔ ہاں! جب مغلوب ہو جائیں اور اختیار باقی نہ رہے تو اس وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ سماع کے وقت احوال کے ظاہر ہونے میں بڑی آفتیں ہیں۔ احوال کا چھپانا بہت ضروری ہے۔ قلب اور دل پر آگ ہی کیوں نہ برسے۔

• یہ عظیم مقام بے انتہا مشقت، بہت سارے مجاہدے اور بے حساب ریاضتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو اس مقام پر پہنچا دے گا۔ اپنی طرف سے کوشش میں لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ عنایت فرمادے گا۔ جو حضرات برسوں اس راہ میں لگے رہتے ہیں ان کو منزل مل جاتی ہے ورنہ **فقد و قع اجره علی الله** کی سعادت تو حاصل ہو ہی جاتی ہے۔

کارِ نازک تنانِ رعنا نیست

سنگ زیریں آسیاں بودن

یعنی چکی کے نیچے کا پتھر بننا خوبصورت اور نازک بدن والوں کا کام نہیں ہے[۶۸]

شیخ شرف الدین منیری پر بیعت ہونے کے وقت جو کیفیت طاری ہوئی اور پھر اس کے بعد بھی وہ کیفیت باقی رہی بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس کو خود اپنے الفاظ میں اس طرح سے ذکر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"من چون بخواجه نجیب الدین فردوسی پیوستم، حزنے در دل من نهاده شد که هر روز آن حزن زیاده می شد۔"[۶۹]

جب میں خواجہ نجیب الدین فردوسی سے بیعت ہوا تو میرے دل میں حزن کی ایک کیفیت پیدا ہوئی جو ہر روز بڑھتی ہی رہی۔

بیعت کرنے کے بعد رخصت کی اجازت دیدی۔ شیخ شرف الدین منیری کے بیعت و خلافت و اجازت سے متعلق جو بھی معلومات ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم جہاں کی خواہش تھی کہ کچھ دن شیخ کی خدمت میں رہ کر راہ سلوک طے کریں، مخدوم جہاں نے عرض کی کہ ابھی تو میں نے کوئی خدمت بھی انجام نہ دی اور راہ سلوک و طریقت سے متعلق اسرار و رموز کی تعلیم بھی آپ سے حاصل نہیں کی، اس پر یہ اتنی بڑی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی لیکن شیخ نے حکمت کے پیش نظر یہ درخواست منظور نہ کی اور فرمایا:

''آپ کی تربیت بارگاہ نبوت سے ہوگی پیروں کی ولایت کام کرے گی۔

اس کی آپ فکر نہ کریں اور راہ سفر میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا۔''۷۰

دونوں بھائی دہلی سے واپس ہو گئے۔ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ شیخ کے انتقال کی خبر ملی۔ دونوں بھائی واپس لوٹنا چاہتے تھے مگر شیخ کا حکم تھا، اس لیے نہ لوٹ سکے۔ اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی کہ شیخ نے کسی بھی طرح کی خبر سن کر واپس لوٹنے سے منع کر دیا تھا۔ اس پر مؤرخین خاموش ہیں لیکن صاحب ''آئینہ مخدوم جہاں'' نے یہ رائے پیش کی ہے:

''حضرت نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمہ کو اندازہ تھا کہ وصال کی خبر سن کر

میری محبت میں یہ دونوں لوٹ آئیں گے، تو میرے عزیزاں، تبرک کے لیے

ان سے جھگڑا کریں گے اور بدسلوکی سے پیش آئیں گے لہٰذا آپ نے واپس

آنے سے منع کر دیا۔''۷۱

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے پیر و مرشد شیخ نجیب الدین فردوسی کا انتقال ۶/ شعبان ۶۹۱ھ کو ہوا۔ مزار شریف دہلی کے مہرولی میں اولیاء مسجد کے پاس جھاڑی میں واقع ہے۔

جنگلوں میں قیام

دونوں بھائیوں نے حکم شیخ کے مطابق سفر جاری رکھا۔ جب بہیا کے جنگل (ضلع شاہ آباد، آرہ بہار) کے پاس پہنچے تو اچانک مور کی چیخ سنی اور اس کی وجہ سے مخدوم جہاں کے دل میں بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ فوراً گریبان پھاڑا پھر جنگل میں روپوش ہو گئے۔ وہ اللہ کا شیدائی تلاش حق میں نکلا، شجر و حجر میں جمال قدرت کا

مشاہدہ کرتا رہا۔

آپ کے بھائی نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر گھر آئے اور شیخ کا دیا ہوا اجازت نامہ اور تبرکات والدہ کے حوالے کر دیا۔ شیخ شرف الدین منیری نے بہیا کے جنگل میں تقریباً ۱۲ سال کا لمبا عرصہ گذارا، اس عرصے میں مخدوم سے کسی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ شیخ شرف الدین منیری نے خود ہی اپنی بعض مجلسوں میں جنگلوں میں گزرے ہوئے ایام کا تذکرہ کیا ہے اور اس دوران رونما ہونے والے واقعات سے واقف کرایا ہے۔

''حضرت مخدوم جہاں بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے اس کے بعد راج گیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گذاری۔'' ۲؎

جس زمانے میں شیخ شرف الدین منیری راجگیر کے جنگل میں مشغول عبادت تھے، یہاں ہندو جوگی نے بھی پہاڑ کی کھوہ میں اپنا دھیان لگائے بیٹھے تھے۔ یہیں شیخ شرف الدین منیری کی ملاقات ہندو جوگیوں سے ہوئی۔ 'مناقب الاصفیاء' کے مطابق راجگیر میں ایک جوگی مخدوم جہاں سے ملا اور اس نے مرد کامل سے متعلق ایک سوال کیا کہ ''سدّ ھارا چون بشنا سند'' ہندو جوگیوں کی اصطلاح میں ''سدّ ھا'' مرد کامل کو کہتے ہیں۔ مخدوم جہاں نے جواب میں فرمایا کہ ''اگر او ایں جنگل را بگوید زرد شود زرد شود'' ابھی آپ نے یہ کہا ہی تھا کہ فوراً وہ جنگل زرد ہو گیا۔ آپ نے جنگل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ'' تو بر جائے خویش باش من حکا یت می کنم'' ۳؎ تم اپنی حالت پر لوٹ آؤ، میں تو ایک حکایت بیان کر رہا تھا۔

راجگیر کے دامنِ کوہ میں ایک گرم جھرنے سے متصل شیخ شرف الدین منیری کا حجرہ آج بھی موجود ہے جس میں بیٹھ کر آپ مشغول عبادت رہتے تھے۔ قدرتی طور پر اس جھرنے میں ٹھنڈی کے دنوں میں گرم اور گرمی کے دنوں میں ٹھنڈا پانی جاری رہتا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے اور مخلوق خدا اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ شیخ شرف الدین منیری نے پانی کے لیے اسی جھرنے کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اس وقت یہ جھرنا ''مخدوم کنڈ'' کے نام سے مشہور ہے۔

مناقب الاصفیاء کے مطابق قاضی زاہد نے شیخ شرف الدین منیری سے جنگل میں ریاضات و مراقبہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک کھانا نہ کھایا لیکن حاجت کے وقت کبھی کبھار جنگل کی

چند پتیاں توڑ کر کھالیا کرتا تھا۔ بول براز سب بند تھے۔ ایک عرصے بعد میں ٹھنڈ کے موسم میں محتلم ہوا، نماز فجر کے لیے نہانے کی نیت سے پانی کے قریب گیا۔ دل میں خیال آیا کہ تیمّم کا سہارا لے لوں اور نما ادا کرلوں۔ اچانک دل میں دوسرا خیال آیا کہ یہ نفس شریعت کی آڑ میں پناہ ڈھونڈتا ہے بہتر ہے نہالوں۔ فوراً پانی میں کود گیا، پانی بہت ہی سرد تھا بے ہوش ہوگیا۔ جب آفتاب نکلا اور اس کی تمازت نے مجھ پر اثر ڈالا تو پھر مجھے ہوش آیا تو اس دن میری نماز فجر قضا ہوگئی۔ ۴ے مخدوم جہاں نے فرمایا کہ میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر فی المثل پہاڑ کرتا تو پانی ہوجاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ ۵ے

ایک طویل عرصے کے بعد شیخ شرف الدین منیری راجگیر کے جنگل میں دیکھے گئے۔ ایک شخص نے آپ کو جنگل میں اس طرح دیکھا کہ آپ ایک درخت کی ٹہنی پکڑے عالم حیرت میں کھڑے ہیں چیونٹیاں حلق میں آتی جاتی ہیں اور آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی خبر نہیں ہوتی۔ ۶ے اسی روایت سے ملتی جلتی کچھ اضافے کے ساتھ وسیلہ شرف وذریعہ دولت میں اس طرح سے درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانے میں آپ جنگل میں روپوش تھے جگدیش پور کے زمیندار کا اسی زمانے میں اس جنگل کی طرف سے گذر ہوا۔ شیخ شرف الدین منیری کو درخت کی ایک ٹہنی پکڑے عالم حیرت میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس کو یہ گمان ہوا کہ آپ انتقال کرچکے ہیں یہ جاننے کے لئے ناک پر انگلی رکھی تو معلوم ہوا کہ سانس ابھی چل رہی ہے۔ وہ آپ کو وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور خوب خدمت کی۔ جب ہوش آیا تو جانے لگے۔ زمیندار نے بہت التجا منت وسماجت کی کہ آپ ان کے پاس ہی رہیں اور کہیں نہ جائیں لیکن آپ نے نہ مانا اور جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔ زمیندار بھی ساتھ ہوگیا۔ راستے میں ہر تھوڑی دور پر مخدوم اس سے کہتے کہ تم گھر واپس چلے جاؤ مگر وہ نہ مانتا۔ آخر کار جب سُر دَ دَھا پہنچے تو باصرار وہاں سے زمیندار کو واپس کردیا۔ اسی جگہ پر مخدوم جہاں کا چلہ اور زیارت گاہ ہے۔ اب اس جگہ جنگل نہیں ہے۔

قریب میں ہی ڈمراؤ ایک قصبہ ہے یہاں سال میں ایک دفعہ میلہ لگتا ہے۔ اس میلے میں یہاں کے راجہ (ہنسکاری) کے عہد سے ۲۵ آسن کو شیخ شرف الدین منیری کا فاتحہ ہوتا ہے۔ ۷ے

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک خلیفہ اور انہیں کے ہم نام مولانا نظام الدین، بہار ہی میں رہتے تھے۔ وہ مولانا نظام مولیٰ کے نام سے بہت مشہور تھے۔ جب ان کو یہ خبر ملی کہ شیخ شرف الدین منیری راج گیر کے جنگل میں دیکھے گئے ہیں، تو وہ بھی زیارت کی غرض سے جنگل گئے اور شرف زیارت سے مشرف

ہوئے۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔اب مخدوم کو حصول مقصد کی تکمیل کے بعد آبادی میں جا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کی تربیت کا بڑا کام انجام دینا تھا، لہٰذا آپ نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ آپ لوگ جنگل نہ آیا کریں۔ یہ جنگل بہت خطرناک ہے اور یہاں ہر طرح کے جانور رہتے ہیں۔ مجھے فکر لگی رہتی ہے کہ کہیں کوئی جانور آپ لوگوں پر حملہ نہ کر دے۔ میں خود ہی شہر آ جایا کروں گا اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کرے گی، یہ بات لوگوں کو بہت پسند آئی پھر آپ ہر جمعہ جنگل سے شہر کی جامع مسجد میں تشریف لاتے اور لوگوں سے ہم کلام ہوتے، بعد میں پھر وہیں جنگل میں لوٹ جاتے تھے۔

صاحب مناقب الاصفیاء نے لکھا ہے :

”آپ شہر کی جامع مسجد میں آنے لگے۔مولانا نظام اور دوسرے احباب وہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے پھر آپ جنگل کی طرف لوٹ جاتے۔ ایک عرصہ تک یہی رہا پھر احباب نے عرض کی کہ کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں جمعہ کے بعد آپ آرام فرمائیں۔“ ۸ے

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کے زمانے میں منیر اور اس کے اطراف میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد تھی اور کئی مساجد تھیں لیکن آپ نے ملاقات کے لیے شہر کی جامع مسجد کا انتخاب کیا۔

بہار کی پہلی خانقاہ

خانقاہوں کا مسلم معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں ہمیشہ اہم کردار رہا ہے اسی لیے عقیدت مند بادشاہ و امرا خانقاہ کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لیتے رہے اور اس کے اخراجات کے لیے جاگیریں بھی وقف کر دیں۔صوفیہ نے خانقاہوں کے دروازے ہر خاص و عام اور سبھی مذاہب کے ماننے والوں کے لیے کھول رکھا تھا۔صوفیہ اپنی خانقاہوں میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ محبت و بھائی چارہ کا درس دیا کرتے۔جس سے متاثر ہو کر جوق در جوق لوگ خانقاہوں سے جڑے ہوئے تھے۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کے لیے سب سے پہلی خانقاہ رملہ (شام) میں تعمیر ہوئی۔

ایک عیسائی امیر جو شکار کے لیے جا رہا تھا، راستے میں دو درویشوں کو دیکھا کہ وہ محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ دونوں نے اپنا کھانا سامنے رکھا اور مل جل کر کھایا۔ جب رخصت ہونے لگے تو امیر یہ منظر دیکھ کر خوش ہوا، ان دونوں کی باہمی الفت و محبت سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک درویش کو بلا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ امیر نے پھر پوچھا کہ یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟ درویش نے کہا: ''کچھ نہیں'' امیر نے کہا کہ پھر اس میل و محبت کے کیا معنی؟ درویش نے کہا کہ یہ ہمارا طریقہ رہا ہے۔ امیر نے پھر پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم ایک دوسرے سے ملتے ہو؟ درویش نے کہا کہ نہیں۔ امیر نے کہا کہ میں تمہارے لئے ایک مکان بناؤں گا جہاں تم ایک دوسرے سے ملاقات کر سکو گے۔ چنانچہ اس نے اسی مقام پر ایک خانقاہ تعمیر کروادی۔ اس طرح یہ روئے زمین پر پہلی خانقاہ تھی جو عالم اسلام میں تعمیر ہوئی۔ ۷۹

صوفی اور خانقاہ کے متعلق شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں اور خانۂ کعبہ دنیا کی پہلی خانقاہ ہے۔ ۸۰ چنانچہ شہر سے باہر جس جگہ آج شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ ہے وہاں پر دو چھپر ڈال دی گئی۔ یہ پہلی خانقاہ تھی جو شیخ شرف الدین منیری کے لئے بنائی گئی تھی۔ صاحب مناقب الاصفیاء رقم طراز ہیں:

> ''ہر ہفتے جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر یہاں اپنے احباب کے ساتھ آرام فرماتے اور کبھی ایک دو روز قیام بھی کرتے تھے۔'' ۸۱

شیخ شرف الدین منیری نے یہیں سے لوگوں کی اصلاح و تربیت کا آغاز کر دیا۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں حاضر تھے ان کے لیے تو آپ کی صحبت ہی کافی تھی، مگر وہ لوگ جو کسی ضروری کام کی وجہ کر مجلس میں حاضر ہونے سے قاصر تھے، ان کی اصلاح و تربیت کے لئے آپ نے خطوط لکھنے شروع کیئے۔

کچھ عرصے بعد مولانا نظام صاحب نے مجد الملک مقطع بہار پر زور دیا کہ میرے پاس مال ہے، اور میری خواہش ہے کہ میں اس مال سے مخدوم جہاں کے لئے ایک مکان تعمیر کراؤں۔ مناقب الاصفیا میں مزید درج ہے کہ :

> ''جہاں پر دو چھپری تھی وہیں پر ایک عمارت بنائی گئی، کھانا پکا، لوگوں کو دعوت دی گئی۔'' ۸۲

خانقاہ کی تعمیر

دہلی کے سلطان محمد تغلق کو جب یہ معلوم ہوا کہ شیخ شرف الدین منیری جو کہ کئی سالوں سے بہیا کے جنگلوں میں تھے اور کسی سے ملنا جلنا نہیں تھا، اب شہر آ گئے ہیں اور رشد و ہدایت کا کام انجام دے رہے ہیں، تو سلطان محمد تغلق نے ایک فرمان مجد دالملک مقطع بہار کے نام جاری کیا۔

حضرت شیخ شعیب کے بقول سلطان نے اس فرمان میں لکھا:

> ''شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیری کے لیے خانقاہ کی تعمیر کی جائے اور خانقاہ کے فقراء کے اخراجات کے لیے راجگیر پیش کیا جائے، اور ایک یلغاری مصلیٰ بطور نشانی نذر کیا جائے، اور اگر مخدوم الملک اسے قبول نہ کریں تو جبراً اسے قبول کرایا جائے۔''[۸۳]

مجد دالملک مقطع بہار شاہی فرمان لے کر شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوری و بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ میری کیا مجال ہے کہ شاہی فرمان کے مطابق عمل سے گریز کروں، لیکن اگر آپ نے اس فرمان پر عمل نہیں کیا، اس ہدیے کو قبول نہیں کیا تو سارا قصور میرا سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد پھر بادشاہ میرے ساتھ بہت ہی برا سلوک کرے گا، خدا ہی جانے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔ آپ سے گذارش ہے کہ اسے قبول فرمائیں، تاکہ میری جان بخشی جائے۔ جب شیخ شرف الدین منیری نے مجد دالملک کی گریہ وزاری دیکھی تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کراہیت کے ساتھ قبول کر لیا۔[۸۴]

جب خانقاہ بن کر تیار ہو گئی تو مجد الملک نے تمام لنگر داروں اور ارباب تصوف و مریدان شیخ نظام الدین کی دعوت کی اور سلطان دہلی کا بھیجا ہوا مصلیٰ یلغاری بچھایا گیا اور اس پر مخدوم الملک تشریف فرما ہوئے۔

بہار شریف میں خانقاہ سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ اس حوالے سے مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رقم طراز ہیں:

> ''شیخ الاسلام شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری متوفی ۷۸۲ھ کے لئے سلطان محمد تغلق (م۱۳۲۴ء) نے عظیم الشان خانقاہ تیار کرائی جہاں سے وہ بندگان خدا کو علم و روحانیت کی دولت تقسیم کرتے تھے۔''[۸۵]

صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں:

سکندر لودھی شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مزار کی زیارت کے لیے ۱۸/ شوال ۹۰۱ھ کو بہار پہنچا اور فقراء و مساکین کو داد و دہش سے خوش کر کے درویش پور آیا۔ ۸۶

منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایوٗنی لکھتے ہیں:

سلطان سکندر لودھی ۹۰۱ھ میں قطب المشائخ شیخ شرف الدین منیریؒ کی زیارت کو ترہت سے روانہ ہوا اور درویش پور واپس آیا۔ ۸۷

تاریخ فرشتہ کے مصنف ملا محمد قاسم لکھتے ہیں کہ: بابر قصبہ منیر پہنچا تو شیخ شرف الدین منیری کے والد بزرگوار شیخ یحییٰ کے مزار پاک کی زیارت کی اور خیر و خیرات کر کے آگرہ واپس گیا۔ ۸۸

صاحب ''شاہ عالم نامہ'' غلام علی خان کا بیان ہے: شاہ عالم بادشاہ جب بہار پہنچا تو اس سے کہا گیا کہ اس علاقہ میں زبدۂ اصفیاء، قدوۃ الاولیاء، شاہ شرف الدین قدس سرہٗ العزیز کا مزار فیض الانوار واقع ہے۔ یہ سن کر بادشاہ درگاہ کی زیارت کو رونہ ہوا۔ جس وقت اس کی سواری بہار پہنچی اور راستہ سے گزر رہی تھی تو شہر کے باشندوں رعایا و برایا، شریف و رذیل ہر ایک نے فرق مبارک پر اس قدر نقرئی پھول، یعنی روپے برسائے کہ مسکینوں اور محتاجوں نے اس سے اپنے دامن کو بھر لیا اور ہر طبقہ نے مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ جلوس شاہی میں درگاہ تک ہر کہ و مہ کے سر پر سیم و زر کی بارش ہو رہی تھی۔ اسی بارش میں بادشاہ کی سواری درگاہ تک پہنچی۔ اور درگاہ کے خدام نے حضور شاہ میں دستار اور حلقہ ہائے کمان تبرکاً پیش کیے۔ ۸۹

دعوت و تبلیغ کی ابتداء

جنگلوں کے زمانے سے ہی شیخ شرف الدین منیری نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لوگوں کو جب آپ کی خبر ملی کہ جنگل میں دیکھے گئے ہیں تو بہت سارے لوگوں نے آپ کی ملاقات کی خاطر جنگل کا رخ کیا لیکن آپ ہمیشہ انہیں روکتے کہ یہاں نہ آیا کرو، یہاں جانوروں کا خطرہ ہے۔

لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا حادثہ نہ ہو جائے اس لئے آپ نے جنگل سے شہر کی جامع مسجد آنے کا ارادہ کیا اور ہر جمعہ کو شہر کی جامع مسجد میں آجایا کرتے اور بعد نماز جمعہ آپ اپنا کام شروع کر دیا کرتے تھے۔ جب وہیں پر آپ کے چاہنے والوں نے آپ کے لئے ایک خانقاہ کی تعمیر کر دی تو پھر باضابطہ طور پر وہیں سے تبلیغ کا کام شرع کر دیا۔

مسندارشادپر متمکن

مسند ارشاد پر شیخ شرف الدین منیری اسی وقت فائز ہوگئے تھے جس وقت ان کے پیر ومرشد نے سند اور دستار خلافت عطا کیا تھا۔ عام طور سے یہ مشہور ہے کہ جب کسی کو خلافت ملتی ہے اور وہ جس دن سے خانقاہ کی سجادگی کا منصب سنبھالتا ہے، اسی دن سے مسند ارشاد پر متمکن ہونا سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہے کیوں کہ مخدوم جہاں سب سے پہلے جنگل سے دعوت وتبلیغ کی ابتداء کی اس کے بعد خود ہی شہر کی جامع مسجد میں آ کر واعظ ونصیحت کرنے لگے پھر آپ کے معتقدین ومتوسلین نے آپ کے لئے لکڑی اور پھوس سے ایک چھپر ڈال کر آرام گاہ بنایا۔ یہیں سے آپ اپنا کام انجام دیتے رہے۔ بعد میں پھر شاہ تغلق کے حکم سے باضابطہ خانقاہ کی تعمیر ہوئی۔ اس دن ایک عام دعوت ہوئی اور سلطان کا بھیجا ہوا مصلیٰ یلغاری بچھا کر آپ کو اس پر بٹھایا گیا۔ ایک محفل سماع بھی منعقد کی گئی۔ روایت ہے کہ اس محفل سماع میں قوال نے جب یہ شعر پڑھا:

گفتم کہ اے خورشید حشر آخر بریں سوتا بشی　　　گفتا کہ خسرو باش تا صبح قیامت بردمد

اس وقت اس محفل سماع میں بہت سارے فقیر ودرویش حاضر تھے لیکن کچھ دیر بعد حاضرین مجلس سے ایک درویش اٹھا اور مخدوم کے حجرے میں گیا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ مخدوم اس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ منزل اور مقام تمہارا ہے۔ میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، کہ اطاعت اولی الامر سے چارہ نہیں۔ مزید فرمایا کہ یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ مصلے کے لائق ہوں۔ ۹۰

حجرے میں آنے والے اس مرد درویش نے مخدوم کے جواب پر کہا کہ ''مخدوم! تم کو خانقاہ اور مصلے کی وجہ سے کون پہچانتا ہے تم کو جو بھی پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوت باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔'' ۹۱

بعد میں وہی ہوا جو مرد درویش نے کہا تھا۔ اس کے بعد آپ یہیں رہنے لگے اور اس طرح یہاں سے دعوت وتبلیغ کا کام آگے بڑھتا گیا۔ اس درویش کی بات سچ ثابت ہوئی اور مخدوم جہاں نے بے شمار طالب حق کو خدا رسیدہ بنا دیا، گمراہ گروں کو راہ ہدایت کی تلقین کی اور ان کو ہدایت نصیب ہوئی، آپ نے سب کا خیال رکھا۔ ضرورت مندوں اور حاجتمندوں کے لئے سامان مہیا کئے اور یہی نہیں بلکہ بادشاہ وقت، امراء اور سلطنت

کے اعلیٰ عہد داروں کو اپنے فرض منصبی کو بہتر طریقے سے نبھانے کی تلقین فرمائی اور نیک صلاح ومشورے سے نوازا۔

یہ بھی روایت ملتی ہے کہ جب آپ نے مستقل طور پر بہار شریف کی خانقاہ میں سکونت اختیار کرلیا تو آپ کے خاندان والے بھی منیر سے بہار شریف چلے آئے اور ہمیشہ کے لئے یہیں سکونت اختیار کرلی۔ آپ کی والدہ اس وقت باحیات تھیں وہ بھی چلی آئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ تو سادہ اور فقر وفاقہ کی زندگی کو پسند کرتے تھے لیکن والدہ ماجدہ کی خدمت کے لئے شیخ چولھائی کو مقرر کردیا تھا کہ وہ روزانہ معینہ بازار سے لاکر والدہ کی خدمت میں پیش کردیا کریں۔ والدہ سے یہ بھی کہ دیا تھا کہ اب گھر میں چولہا نہیں جلے گا۔ مخدوم نہیں چاہتے تھے کہ میری والدہ اس عمر میں کوئی کام کرے۔ لہٰذا مخدوم کی والدہ اسی معینہ پر گزارا کرتی تھیں۔ ایک دن والدہ صاحبہ کے یہاں ان کے کچھ مہمان تشریف لائے والدہ نے ان کی ضیافت کے لئے مرغ اور روٹی پکانے کے لئے چولہا جلایا۔ مخدوم اپنے گھر میں دھواں اٹھتا دیکھ کر متعجب ہوئے اور اس کی وجہ پوچھی۔ جب حالات سے واقفیت ہوئی تو گھر والدہ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ہم نے تو آپ سے شرط لی تھی کہ آپ چولہا نہیں جلائیں گی۔ اس کا والدہ صاحبہ کو بہت احساس ہوا، اسی وقت مرغ اور روٹی کچا یا پکا جیسا بھی تھا اٹھا کر مہمان کو دیدیا اور کہا کہ اسے لے جاؤ اور کہیں پکوا کر کھالینا۔ والدہ چونکہ نیک صفت خاتون تھیں اپنے بیٹے کے منشا کو سمجھتی تھیں۔ ۹۲

آپ اپنی والدہ کو ازراہ محبت ماموں کہتے تھے اور بوا بھی مشہور تھیں۔

فردوسی مشرب

جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا کہ سلسلہ فردوسیہ، اصل میں سلسلہ سہروردیہ ہی سے نکلا ہے اس لئے بہت ساری چیزیں آپس میں مشترک ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام سلاسل کے مقاصد صرف اور صرف بندوں کو خدا کے قریب کرنا ہوتا ہے۔ مشائخ یہی چاہتے ہیں کہ انسان اپنا تعلق خدا کے ساتھ مضبوط کرلے۔ اس لئے تمام سلاسل میں مرید کرنے کے طریقے کچھ مختلف نظر آتے ہیں۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے سلسلہ فردوسیہ کو بام عروج تک پہنچایا، اس کے اوراد و وظائف و مشاغل کو قلم بند کیا۔ اس لئے انہیں کے حوالے سے فردوسی مشرف کا ذکر کرنا یہاں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ شرف الدین منیری کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا تو آپ اسے پہلے سر کا بال منڈانے کا حکم دیتے پھر غسل کرواتے اس کے بعد صاف ستھرا کپڑا پہننے کی تاکید کرتے ۔ جب ان تمام کاموں سے فارغ ہو جاتے تب ان سے بیعت لے کر سلسلہ فردوسیہ میں داخل فرماتے تھے ۔۹۳ کسی کسی کو کلاہ طاقیہ بھی دیتے تھے ۔ کلاہ طاقیہ اصل میں ٹوپی کو کہا جاتا ہے ۔

خدمت خلق

شیخ شرف الدین منیری کے پاس لوگ ہر طرح کی عرضی لے کر آتے تھے ۔ دینی اور دنیاوی ہر طرح کے مسائل یہاں حل ہوا کرتے تھے ۔ حاجت مند، غربا و مساکین کی ضرورتیں یہاں سے پوری ہوا کرتی تھیں ۔ دعاء اور دوا، دونوں طرح کا علاج آپ کے پاس موجود تھا ۔ جو بھی ضرورت مند اور حاجت مند آتا، اُسے 'میران جلال دیوانہ' کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ اس کی مدد کریں ۔ جو مریض آتا اُس کے علاج کے لئے نسخے ترتیب دیتے اور اس پر عمل کی تاکید کرتے ۔ دوا کے کچھ نسخے دوہے کی شکل میں مشہور ہیں ۔ صاحب نقوش شرف کے بقول پرانے زمانے میں شیخ شرف الدین منیری کے لکھے ہوئے دوہے جو علاج کی غرض سے تھے گھروں میں لوگوں کو یاد ہوا کرتے تھے ۔ علاج کی غرض سے شیخ شرف الدین منیری کے لکھے ہوئے چند دوہے درج ذیل ہیں:

پات کسونجی بکھ ہرے اور پھول رتوندھی جائے
جڑ کسونجی باگھ روئیں ۔ بیج سے بیج نسائے

تل ، تیسی ، دانا ، تکھر ، تال مکھانا
گھی شکر میں سانا ۔ کھائے زنانہ ہو مردانہ

لودھ پھٹکری مرداسنگ
ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ

افیم چنے بھر ، مرچیں چار
کردا برابر تھوتھا ڈار

پوست کے پانی سے پوٹری کرے
نین کا بید اترتے ہرے

نون مرچ مجیٹھ لے آوے
نیلا تھوتھا آگ جلا دے

لودھ پیٹھانی کتھ پا پڑیا
پیس برابر منجن کریا

منجن کر کے پان چباوے
دانت کا پیرا کبھو نہ پاوے

ہڑ بہیڑا اونلا اور چیتا
آن نہ جانوں کتنا کھائے

۹۴

مذکورہ دوہے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری علوم حکمت سے بھی واقف تھےاوراس کے ذریعہ لوگوں کوفائدہ بھی پہنچاتے تھے۔اس کے علاوہ شیخ شرف الدین منیری کواس وقت کے حکماوامراء کی طرف سے جا ئیدادیں ملتی تھی تو اس کو بھی اپنے مریدین ومتوسلین میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔آپ نے پیڑ لگانے کی بھی تلقین کی حتیٰ کہ آپ نے خود پیڑ لگایا تا کہ اس سے آلودگی دور ہوسکے۔زمین دینے اوراس میں گل چکاں کا درخت لگانے کے واقعہ کا تذکرہ شیخ شرف الدین منیری کے مرید وخلیفہ حضرت شیخ آموں نے اپنے ملفوظات میں تفصیل سے کیا ہے۔مولانا آموں وہ ہیں جن کوشیخ شرف الدین منیری اپنے آخری وقت میں آموں آموں کہہ کر پکارا کرتے تھے۔مولانا آموں ایسے پہلے شخص ہیں جن کے ملفوظات کو جمع کرنے والے ان کے بیٹے شیخ مبارک اور پوتے شیخ ارزانی ہیں۔بات دلچسپ یہ ہے کہ دونوں نے بیک وقت شیخ آموں کی مجلس میں موجود رہ کر ملفوظات کو جمع کیا اور دونوں ملفوظات کے الگ الگ نام بھی رکھے گئے۔ایک کا نام ''تحقیقات المعانی'' جامع ،حضرت ارزانی اوردوسرے کا نام ''مطلوب المبارک'' جامع حضرت شیخ مبارک ہیں۔

تحقیقات المعانی کی دوسری مجلس میں ہے کہ کامگارنام کے حاکم نے کچھ زمینیں مخدوم جہاں کواپنے متعلقین کے خرچ کے لئے دیدیا تھا شیخ شرف الدین منیری نے اسے مجھے دیدیااورایک دن اس زمین میں تشریف لاکراپنے ہاتھ سے گلچکاں کا ایک درخت بھی لگادیااورمزید درخت لگانے کی تلقین فرمائی۔عبارت یہ ہے:

''ایک دن حضرت مخدوم جہاں دام شرفہ مقرہ عادت کے مطابق عنایت اور سرفرازی کے طور پراس بے چارے (شیخ آموں) کی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے اس وقت کامگر نام کا ایک حاکم تھا جومجد الملک مقطع کے لقب سے مشہور تھا، اس نے برگنہ حویلی بہار کی کچھ زمین جومریدوں کی نذر کے لئے حکام کی طرف سے واگذاشت کی ہوئی تھی فقراء واردوصادر اور میرے متعلقین کے خرچ کے لئے نذر کیا۔پہلے تو میں نے لینے سے انکار کر دیا پھراس کی خوشنودی اور حضرت مخدوم جہان دام شرفہ کے حکم سے قبول کر لیا۔حضرت مخدوم جہاں دام شرفہ نے اپنے دست مبارک سے اس زمین میں گلچکاں کا ایک درخت لگادیا پھر پورا باغ تیار کرنے کی مجھے تاکید فرمائی

اور انتہائی نوازش وکرم کے ساتھ فرمایا کہ ھٰذہ الْاَرْضُ مَکَانُ وَ مَقَامُ وَ مَسْکَنَ اَوْلَادَکَ (یہ زمین تمہاری اولاد کی ملک ہے جو ان کی سکونت قیام گاہ اور بود و باش کے لئے ہے) چنانچہ میں نے قبول کر لیا۔'' ۹۵

شیخ شرف الدین منیری پہلے تو خود ہی ضرورت مندوں کی مدد کرتے اس کے علاوہ سلاطین وقت اور امراء کو بھی غریب رعایا پر رحم وکرم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ایک مکتوب میں دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کو خواجہ عابد ظفر آبادی کی مدد کے لئے لکھا۔مخدوم جہاں نے یہ خط خواجہ عابد کی گذارش پر لکھا تھا جن کا کچھ مال ظلم کے ذریعہ چھین لیا گیا تھا جس کی شکایت انہوں نے مخدوم سے کی۔آپ نے اس خط میں تفصیل کے ساتھ وہ حدیث بھی نقل کی جس میں ایک نصرانی کا مال ابوجہل نے ناجائز طور پر قبضہ کر رکھا تھا۔اس مال کو واپس دلوانے کے لئے رسول پاک ﷺ ابوجہل کے پاس خود تشریف لے گئے اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹے جب تک سارا مال واپس نہ دلوا دیا۔اسی طرح کی اور بھی بہت سی احادیثیں جو مظلوموں پریشان حال لوگوں کی مدد سے متعلق ہیں اس کا ذکر بھی اپنے اس خط میں کرتے ہوئے آخر میں نصیحت آمیز جملہ لکھا:

''خدا کا شکر ہے کہ آج آپ کی مکرم و معظم ہستی عاجز اور مظلوموں کی پناہ گاہ بنی ہوئی ہے۔آپ کے یہاں سے دنیا والوں کو عدل وانصاف مل رہا ہے اور آپ کو وہ سعادت حاصل ہے جس کی پیغمبر ﷺ نے تاکید فرمائی ہے۔جس کے متعلق یہ فرمایا کہ ایک گھنٹہ کا عمل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ عاقبت بخیر باد۔'' ۹۶

مکتوبات دوصدی کے مکتوب ۹۲ میں ایک شخص کی مدد کرنے کے لئے اجتماعی طور اپنے مریدوں کو لکھا کہ سارے لوگ ہر طرح سے اس شخص کی مدد کریں اور اس کی پریشانی دور کریں چنانچہ شیخ شرف الدین منیری لکھتے ہیں:

''عزیزان و دوستان من! بعد سلام و دعا مطالعہ باد۔۔۔

خواجہ حاجی زائر حرمین شریفین، حامل رقعہ ہٰذا صاحب عیال واطفال ہیں۔ معاش کی کمی نے کچھ ان کو مضطرب اور پریشان کر دیا ہے۔اسی لئے انہوں نے تم لوگوں کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔جس عزیز اور جس دوست تک

وہ پہنچیں وہ لوگ اپنی عادت کے مطابق جیسا کہ وہ لوگ حاجت مندوں کی رفاقت اوران کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے ہیں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کریں اوران کے دل کی پراگندگی کو امکان بھر دور کرنے کی کوشش کریں۔اس طرح اپنی آخرت سنوارنے کا سامان مہیا کریں۔''۹۷

اس طرح کے بے شمار خطوط شیخ شرف الدین منیری کے ملتے ہیں جن میں ضرورت مندوں اورفقیروں کی مدد کرنے کا تذکرہ ہے سب کا یہاں پر ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔

مخدوم کے ہاتھ پر دولت ایمان حاصل کرنے والے

مخدوم جہاں کے ہاتھ پر کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا یقینی طور پر اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور نہ اس کے بارے میں کہیں تذکرہ ملتا ہے۔البتہ تاریخی کتابوں میں کہیں کہیں اسلام قبول کرنے کے واقعات ضرور ملتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم نے بہت سے بندوں کو کلمہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا۔اختصار کے ساتھ چند واقعات درج ذیل ہیں:

ایک مرتبہ ایک حسین وجمیل جوگی بہار آئے۔شیخ شرف الدین منیری کے چند مریدوں سے اس کی ملاقات ہوئی ان مریدوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ کی کیا شان ہے،ایک کافر کو بھی اتنا خوبصورت بنایا ہے!جوگی پر یہ خیال منکشف ہوگیا،اس پر جوگی نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی گرو ہے؟ان لوگوں نے کہا کہ ہاں ہے۔جوگی نے شیخ شرف الدین منیری سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔لوگ ان کو وہاں لے کر گئے جوگی نے جیسے ہی مخدوم کو دیکھا الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ وہ''کرتاروپ''دھارے ہوئے ہیں اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو خاک ہوجاؤں گا۔جب اس واقعہ کی خبر آپ کو ہوئی تو فرمایا کہ اب اس کو میرے پاس لے آنا۔دوبارہ جب وہ جوگی آیا مخدوم کی خدمت میں بیٹھا اور عرض کیا کہ مجھے اسلام میں داخل کر لیجئے۔اس کو اسلام میں داخل کیا وہ تین دن رکا پھر چلا گیا۔مریدین نے پوچھا کہ تین ہی دن میں اسے کیوں جانے دیا،آپ نے فرمایا کہ وہ اپنا کام کر چکا تھا صرف کفر کا زنگ باقی تھا۔مسلمان ہونے کے بعد یہاں قلیل مدت ٹھہرنے سے وہ زنگ بھی دور ہوگیا۔۹۸

برہان الاتقیاء میں ایک روایت اس طرح درج ہے کہ ایک مرتبہ اسی سال کا بوڑھا ہندو شیخ شرف الدین منیری کی مجلس میں آکر اسلام میں داخل ہوا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ ایک بیگانہ اسی سال کے بعد اللہ نے اسے توفیق دی۔ حاضرین نے سوال کیا کہ اگر اسی مجلس میں اس کا انتقال ہو جاتا تو اس کو کس میں شمار کیا جاتا؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا بندہ پچھلے گناہوں سے بالکل پاک وصاف جاتا ہے۔ ۹۹

حضرت شیخ چولھائی جن کو شیخ شرف الدین منیری نے اپنی والدہ کی خدمت پر معمور کر دیا تھا یہ گوالے تھے اور بہیا کے جنگل میں گائے چراتے تھے۔ ایک مرتبہ مخدوم نے اس سے کہا کہ گائے کا دودھ نکالو۔ اس پر اس نے کہا کہ اس سے دودھ نہیں نکل سکتا اس لئے کہ اس نے ابھی بچہ نہیں جنا ہے اور کسی نر سے اس کا جفت ہوا ہے لیکن مخدوم نے کہا کہ دودھ ہوا تو؟ جب چولھائی نے دودھ نکالا تو نکلنے لگا بس یہی سبب بنا شیخ چولھائی کے ایمان لانے کا۔ اس کے بعد سے شیخ چولھائی، شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں رہنے لگے۔ ۱۰۰

ایمان لانے سے متعلق اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، مثال کے طور پر ان میں سے چند کا تذکرہ کر دیا گیا ہے، سبھی واقعات کا جمع کرنا مناسب نہیں۔

خلفاء و مریدین کی تعداد

شیخ شرف الدین منیری کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد اور خلفا کی تعداد ۳۱۳ بتائی جاتی ہے۔ آپ کے خلفاء و مریدین کے اعداد و شمار کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آپ کے مریدین نہ صرف بہار سے تعلق رکھتے تھے بلکہ ہندوستان کے مختلف شہروں اور بیرون ہندوستان مثلاً بخارا، ہمدان سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ چند کا تذکرہ کرنا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ بخارا سے مرید ہونے کی غرض سے ایک شخص آیا! شیخ شرف الدین منیری نے بیعت کیا اور انہیں طاقیہ دیا یعنی ٹوپی پیش کی۔ ۱۰۱ گنج لایفنی میں حضرت زین بدر عربی لکھتے ہیں کہ بخارا سے آنے والے شخص حضرت مخدوم جہاں کے پہلے مرید تھے، بہت ہی غریب اور لاچار تھے تقریباً تیس سال تک مخدوم جہاں کے ساتھ رہے اسی حالت میں وفات پائی۔

حضرت زین بدرعربی بھی شروع میں شراب پیتے تھےایک دن والدہ سے پیسے مانگا۔ والدہ نے کہا کہ لاکر تو دیتے نہیں میں کہاں سے دوں۔ اس کے بعد یہ شیخ شرف الدین منیری کے پاس گئے آپ نے کہا کہ مصلے کا کونا اٹھا کر دو مٹھی بھر لے لینا زیادہ مت لینا چنانچہ وہ دو مٹھی پیسہ لے کر والدہ کے پاس گئے اور واقعہ سنایا۔ والدہ نے کہا کہ اے بد بخت اتنے بڑے بزرگ کے پاس گیا اور خدا کا دشمن مانگ لایا۔ یہ گھر سے باہر آئے اور سارا پیسہ خرچ کر دیا، تائب ہوئے اور مخدوم کے مرید ہو گئے۔ پھر سلسلہ فردوسیہ سے ایسا چمٹے کہ آج مخدوم جہان کا جو بھی علمی سرمایا موجود ہے اس میں سے زیادہ تر کو آپ ہی نے مرتب کیا ہے۔

شیخ شرف الدین منیری کے مرید و خلفاء کا تذکرہ ان کے ملفوظات و مکتوبات میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ آپ کے خلفاء کی تعداد کی فہرست بھی کافی طویل ہے لیکن جن سے سلسلہ فردوسیہ کو فروغ حاصل ہوا، یا جنہوں نے سلسلہ فردوسیہ کی اشاعت میں اپنی علمی خدمات کے ذریعہ کلیدی کردار ادا کیا اور جن کی تصنیفات بھی ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا مظفر شمس بلخی، حسین نوشئہ توحید بلخی، مولانا آموں، جناب شاہ شعیب، سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری، شیخ شمس الدین محمود خضر بدایونی، نصیر الدین سمنانی۔ ان میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ باب پنجم میں کیا گیا ہے، اور بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے:

بہرام بہاری، مولانا ابراہیم، مولانا آموں، مولانا نصیر الدین سمنانی اودھی، حضرت مولانا شمس الدین مشہدی، حضرت مخدوم راستی پھلواری، حضرت مولانا قاضی شمس الدین، حضرت مولانا قاضی صدر الدین، قاضی اشرف الدین، سید علیم الدین گیسو دراز دانش مند نیشاپوری، شیخ شمس الدین محمود بدایونی، سید العارفین سید علی ہمدانی۔[102]

ذکر وفکر اور طریقہ تعلیم

فردوسی تعلیمات کا تذکرہ باب چہارم میں تفصیل سے ہوا ہے۔ یہاں پر صرف شیخ شرف الدین منیری کے طریقہ تعلیم کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ شیخ شرف الدین منیری کے طرز تکلم اور حسن گفتگو کا اندازہ ہو سکے جس کی وجہ سے بے شمار لوگ آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

شیخ شرف الدین منیری سے منسوب ایک رسالہ ''رسالہ در ہدایت حال'' اس رسالے تک میری رسائی نہ

ہوسکی لیکن اس کا تذکرہ مقالہ مطیع الامام میں ہے۔اس رسالے میں تعلیم کے حوالے سے جو ہدایتیں درج ہیں ان میں سے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''یہ بات جان لینی چاہئے کہ جب کوئی شخص مردانہ وار راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو پہلے سچی توبہ کرتا ہے۔حرام کے قریب نہیں جاتا اور اپنے آپ کو مردہ خیال کرتا ہے، اور اہل قبور میں شمار کرتا ہے اور دنیا کے کاروبار سے خودکو دور رکھتا ہے مگر ضرورت کی حد تک۔یعنی جسم باقی رہے اور راہ دین پر چلنا ممکن ہو اور کھائے بھی تو آدھے پیٹ سے زیادہ نہیں بس اتنا کہ بھوکا نہ رہے اور نہ سیر ہوکر کھائے۔لباس اسی قدر استعمال کرے جو سردی اور گرمی سے حفاظت کیلئے ضروری ہے۔خواہ یہ لباس نیا ہو یا پرانا۔بستر سالم ہو یا پھٹا پرانا لیکن بستر نرم نہ ہو اور غیب سے جو کچھ بھی حاصل ہو اس میں تکلیف نہ کرے غم زدہ نہ ہو۔صبر وشکر اور قناعت اختیار کرے اور اس حالت میں خوش رہے اور اس کے بعد وضو میں استقامت اختیار کرے۔کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی بے وضو نہ رہے۔خواہ سردیوں کا موسم ہو اور ٹھنڈا پانی ہو یہاں تک کہ بے وضو نہ پانی پیئے اور نہ کھانا کھائے بلکہ تصور یہ رہے کہ بے وضو کھانا اور پینا حرام ہے۔جب بھی وضو کرے شکر وضو کا دوگانہ ادا کرے۔اگرچہ دن میں دس دفعہ کیوں نہ کرے اور بقیہ شب وروز کے سارے اوقات خواہ تنہا ہو خواہ لوگوں کے ساتھ ہو ذکر الٰہی میں گزارے۔ اگر لوگوں کے درمیان ہو تو آہستہ ذکر کرے اور اگر تنہا ہو تو بہ آواز بلند۔ذکر اتنا ہو کہ زبان سے دل میں اتر جائے اور دل پر غالب آجائے۔اس طرح اگر زبان خاموش بھی ہو تو دل سے ذکر جاری رہے گا۔''[۱۰۳]

سید صدر الحسن صاحب نے لکھا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری نے تعلیمات کے دو طریقے رائج کیے۔ ایک زبانی اور دوسرا کتابی۔ زبانی طریقہ تعلیم یہ تھا کہ نماز سے فارغ ہو کر کبھی ظہر کے بعد تو کبھی عصر کے بعد کبھی عشاء کے بعد اور کبھی فجر کے بعد مسجد میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور مرید و معتقدین بھی حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور نشستوں میں بالاستعاب تصوف یا شریعت سے متعلق کوئی کتاب پڑھی جاتی۔ اس میں جو بھی مسائل نکل کر آتے شیخ شرف الدین منیری اس کی وضاحت فرماتے تھے یا خود ہی بعض مسائل کی توضیح پیش کرتے تھے۔ اس مجلس میں روز کتاب پڑھنے کے لئے کوئی آدمی مختص تھا، یا ہر روز مختلف آدمی کتاب پڑھتا تھا۔ اس کا پتا نہیں چلتا ہے۔ ہاں معدن المعانی میں چند مجالسوں کا ذکر ہے جس میں مخدوم زادہ کا سراج العارفین اور شرح تعرف پڑھنے کا ذکر ہے۔ مثلاً معدن المعانی کے باب بارہ، سولہ، پچیس اور چونتیس وغیرہ میں۔ اس کے علاوہ صدر الدین پسر شیخ احمد، مولانا نصیر الدین وغیرہ بھی کتاب پڑھتے تھے۔

ملفوظات و مکتوبات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب کتاب پڑھنے کے بعد عام لوگوں کو ختیار ہوتا تھا کہ جس طرح کے بھی سوالات ذہن میں آئے پوچھو۔ اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان مجلسون میں سوالات پوچھنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ شیخ شرف الدین منیری کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران حل المشکلات اگر کوئی دوسرا مسئلہ زیر بحث آجاتا تو شیخ شرف الدین منیری اسے چھوڑ کر آگے نہیں بڑھتے بلکہ اسے بھی حل کرتے جاتے۔ لگتا ہے کہ مخدوم جہاں کی یہ مجلس مکتب کی طرح ہو گئی تھی۔ معدن المعانی اور دوسرے ملفوظات و مکتوبات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان مجلسون میں ہر طرح کے مسائل زیر بحث لائے جاتے تھے۔

شیخ شرف الدین منیری کی تعلیمات کا ایک طریقہ تو یہی تھا جو اوپر گزرا، یہ طریقہ اجتماعی طور پر ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ انفرادی طور پر بھی آپ نے لوگوں کو تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی شخص مرید ہونے کے لئے آتا اور اسے کسی چیز کی ضرورت پیش آتی تو آپ انفرادی طور پر اسے تعلیم دیتے۔ اسے اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ ایسے اعمال کی بھی تعلیم دیتے جس کا مقصد مرید کی ذاتی کمزوریوں کو دور کرنا ہوتا تھا۔ شیخ شرف الدین منیری کی اس مجلس میں جو لوگ کثرت سے شرکت فرماتے تھے ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا نظام الدین، مولا قاضی زاہد، زین الدین مجد الملک، زین بدر عربی، قاضی شمس الدین، مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی، مولانا شاہ آموں، شیخ حسین بلخی، شیخ معز الدین، قاضی اشرف الدین، قاضی منہاج الدین، قاضی شہ (پسر مولانا جلال الدین دمشقی)، ملک محمود عوض، (متصرف خطہ بہار) تاج الدین،

(برادرزادہ ملک محمود عوض متصرف) خواجہ شمس الدین پروانہ نویس، خواجہ کریم الدین عوض، ملک نصر الدین قلمغانی، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا قمر الدین، مولانا نجم الدین، (خواہرزادگاں حضرت مخدوم)، مولانا نظام الدین، (خال زادہ حضرت مخدوم)، خواجہ خضر (نائب مجد الملک)، میاں شمس الدین، (متولی خانقاہ معظم) اس مجلس میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا وہ ساری کتابیں مخدوم جہاں کے پاس موجود تھیں شاید آپ یہ ساری کتابیں اپنے استاد سے حاصل کر کے سنار گاؤں سے لے کر آئے تھے۔ مخدوم جہاں کی کتابوں میں جن کتابوں کے حوالے درج ہیں ان میں کی بہت ساری کتابیں اس وقت ناپید ہو چکی ہیں اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ بعض کتابیں جو درس و تدریس میں شامل تھیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

تفسیر زاہدی، عوارف المعارف از شہاب الدین سہروردی، آداب المریدین از حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی، زبدۃ الحکائق از حضرت عین القضات، مضیب از شیخ الشیوخ ملخص احیاء العلوم از حضرت امام غزالی، مثنوی مولانا روم از حضرت مولانا جلال الدین رومی، شرح تعرف، لوامح از حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، سراج العارفین، از سلطان المشائخ۔

شیخ شرف الدین منیری کے معاصرین

شیخ شرف الدین منیری کے عہد میں علماء اور صوفیاء کی بڑی تعداد موجود تھی۔ معاصرین شیخ شرف الدین منیری کے جو نام ہمیں مل سکے، ان کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی، حضرت اخی سراج پنڈوا شریف (بنگال)، سید جلال الدین بخاری، سید علی ہمدانی کشمیر، شاہ راجو قتال اوچھ، سلمان ساؤجی ساؤس، شیخ صفی الموسوی جار شاہان صفویہ ایران آردبیل، علاؤ الدولہ سمنانی خانقاہ سکاکہ سمنان، شیخ اوحد الدین اصفہانی، امام یافعی مکہ، سید امیر کلال ملک شام، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخارا، سید احمد چرم پوش محلّہ انبیر بہار شریف، سید رکن الدین ملتانی، سید علاء الحق پنڈوہ وغیرہ۔[۱۰۴]

مذکورہ تمام علماء و اولیاء اپنے زمانے میں بہت ہی مشہور و معروف تھے۔ ان کا تذکرہ تاریخ و تصوف کی معروف و مقبول کتابوں میں دستیاب ہے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو مشہور نہ تھے لیکن مخدوم سے عقیدت رکھتے تھے۔ یہاں پر بعض ان اولیائے کرام کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جن کو شیخ

شرف الدین منیری سے کسی نہ کسی طرح سے عقیدت ومحبت تھی۔

حضرت نصیرالدین چراغ دہلی

حضرت نصیرالدین چراغ دہلیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے چہیتے خلیفہ تھے۔ جب آپ کے پیرومرشد کاوصال ہوگیا تو آپ دہلی کے تخت ولایت پر فائز ہوگئے۔ آپ کے جد بزرگوار شیخ عبداللطیف یزدی تھے جو خراسان سے لاہور تشریف لائے تھے۔ یہیں آپ کے والد شیخ محمود یحییٰ کی ولادت ہوئی اور جب بڑے ہوئے تو لاہور سے اودھ چلے آئے جہاں حضرت نصیرالدین پیدا ہوئے۔ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا افتخارالدین گیلانی سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ جب آپ پچیس سال کے ہوگئے تو تذکیہ نفس میں لگ گئے اوراس کے لئے ایک بزرگ کے ساتھ آٹھ سال تک جنگل میں رہے۔ آپ نماز کے بہت پابند تھے۔ دہلی میں موجود حضرت نظام الدین اولیاء سے بڑی عقیدت تھی ۔۴۳ سال کی عمر میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے ۔ ۸ رمضان بروز جمعہ ۷۵۷ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار دہلی میں واقع ہے ۔ تصنیفات میں ملفوظات کے دو مجموعے خیرالمجالس اور مفتاح العاشقین کے نام سے مشہور خاص وعام ہے۔

ایک دن آپ نے شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات کے مطالعہ کے بعد فرمایا، سبحان اللہ! کفر صد سالہ ما بر کف دست نبود۔ کہ شرف الدین نے ہمارے سوسالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔

حضرت احمد چرم پوش

حضرت احمد چرم پوشؒ، حضرت شہاب الدین پیر جگجوت کے نواسے اور حضرت مخدوم کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں۔ والد کا نام موسیٰ ہمدانی ہے۔ ۷۵۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور آپ تقریباً شیخ شرف الدین منیری سے چار سال بڑے تھے۔ آپ کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے آپ کے نانا پیر جگجوت بھی اسی سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔ نانا کا انتقال ۶۶۶ھ میں ہوا۔ حضرت احمد چرم پوش کے پیرو مرشد کا نام علاء الدین علاء الحق سہروردی ہے جن کو حضرت سلیمان مہسویؒ سے ارادت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کا وصال ۲۶ صفر المظفر ۷۷۶ھ میں ہوا۔ گنج ارشدی میں ۲۷ صفر ۷۷۶ھ بروز سہ شنبہ درج ہے۔ آپ کا

مزار بہار شریف انبیر میں ہے۔

حضرت مخدوم شعیب

آپ حضرت عبدالعزیز بن امام تاج فقیہ کے پوتے اور حضرت جلال الدین منیری کے بیٹے تھے۔ ۶۸۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔تاریخ ولادت ''شاہ شعیب'' سے نکلتی ہے۔بچپن میں ہی والد کا سایا سر سے اٹھ گیا تھا۔آپ کے والد کا مزار منیر میں حضرت مخدوم یحییٰ کے مزار کے سامنے ہے۔آپ کی والدہ سعیدہ بنت شیخ ابوبکر بن مخدوم ابراہیم بن اسماعیل بن تاج فقیہ تھیں۔نہیال میں پرورش ہوئی۔آپ نے بھی شیخ شرف الدین منیری کی طرح جنگل میں ایک مدت گزاری۔مخدوم جہاں سے آپ کو ارادت تھی۔مناقب الاصفیاء آپ ہی کی تصنیف ہے۔سلسلہ فردوسیہ پر یہ کتاب پہلی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔۱۲ ربیع الآخر بوقت عصر ۸۲۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کا مزار شیخ پورہ میں ہے۔

حضرت جلال الدین بخاریؒ

آپ کا نام سید جلال الدین تھا لیکن آپ جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے معروف ومشہور تھے۔ سیر العارفین میں اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ لکھا ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ ، حضرت شیخ صدرالدین اور حضرت شیخ رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا اور اس مراقبے میں ان بزرگوں سے عیدی طلب کی۔چنانچہ ان بزرگوں نے عیدی میں ''مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' کا لقب دیا۔اس کے علاوہ مؤرخوں نے اور بھی وجہیں لکھی ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ بمطابق ۱۳۰۸ء میں ہوئی۔سب سے پہلے والد گرامی احمد کبیر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔اس کے بعد شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی خرقہ پایا۔حضرت نصیرالدین چراغ دہلی سے خلافت حاصل کی۔آپ نے سات بادشاہوں کا دور دیکھا ہے جن میں علاء الدین خلجی، قطب الدین مبارک شاہ، ناصرالدین خسرو، غیاث الدین تغلق، محمد بن تغلق، اور فیروز شاہ تغلق شامل ہیں۔محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز بھی کیے گئے تھے۔بادشاہ نے آپ کو فقراء کے لنگر کا منتظم بھی بنا دیا تھا۔سیوستان کے علاقے میں چالیس خانقاہوں کا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا۔آپ کے تعلقات فیروز شاہ

تغلق سے بہت اچھے تھے۔آپ نے حج بھی اور درج ذیل ممالک کی سیر بھی کی۔مثلاً

مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ،یمن،عدن،دمشق، لبنان، مدائن،شوکارہ، بصرہ،کوفہ،شیراز،تبریز،خراسان، بلخ، نیشاپور،سمرقند،گازرون،قطیف،بحرین،غزنی، ملتان،اوردہلی وغیرہ۔

ایک درجن سے زیادہ آپ کی تصنیفات وملفوظات ہیں۔چندکا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

ملفوظات،جامع العلوم

-۔ سراج الہدایہ

-۔ خزانۂ جلالی

-۔ جواہر جلالی

-۔ مظہر جلالی

مکتوبات،مقرر نامہ

مناقب مخدوم جہانیاں

رسالہ مکیہ کا فارسی ترجمہ

اسرار العارفین وغیرہ۔

آپ کا وصال ۷۸۵ھ میں ہوا۔مزاراُچہ ملتان میں واقع ہے۔[۱۶]

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی علمی خدمات

(مکتوبات کے حوالے سے)

شیخ شرف الدین احمد منیری نے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے اس سے قیامت تک ایک خلقت فیضیاب ہوتی رہے گی اور گمراہ بے راہ روی کے شکار لوگ اس کے ذریعہ راہ راست پر آتے رہیں گے۔ شیخ شرف الدین منیری کی جو تصنیفات ہیں ان کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ **مکتوبات**

مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی، مکتوبات بست وہست، فوائد رکنی

☆ **ملفوظات**

معدن المعانی، مخ المعانی، راحت القلوب، خوان پر نعمت، کنز المعانی، مغز المعانی، گنج لایفنی، مونس المریدین، تحفہ غیبی، ملفوظ الصفر، برات المحققین۔ وغیرہ

☆ **تصنیفات**

شرح آداب المریدین، عقائد شرفی، ارشاد السالکین، ارشاد الطالبین، اجوبہ کا کویہ، اوراد خورد، اوراد اوسط، اوراد کلاں، فوائد المریدین، اجوبہ زاہدیہ، رسالہ اشارات، رسالہ مکیہ۔ وغیرہ

سید صباح الدین عبد الرحمٰن، شیخ شرف الدین منیری کی تصنیفات کے بارے میں ان کے خاندانی روایات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مخدوم کی تصنیفات کی تعداد سترہ سو ہے۔ عبارت یہ ہے

''حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کی تصنیفات کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں۔'' [۱۰۵]

لیکن اب تک تمام مکاتیب و ملفوظات جو دستیاب ہو سکے ہیں اس کے مجموعے کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ مزید تلاش جاری ہے۔ جناب شاہ نجم الدین نے ''حیات ثبات'' میں تصنیفات کی تعداد پینتیس ۳۵ ہے۔ صاحب تاریخ فردوسیہ اور مطیع الامام کی تحقیق کے مطابق تصانیف کی تعداد چھبیس یا ستائس ہے۔ مؤرخوں نے جو تصنیفات کی فہرست دی ہے اس کا تقابل کرنے سے پتا چلتا ہے کہ کتابوں میں ناموں کا

فرق کتابت کی غلطی کی وجہ سے ہوگیا ہے۔مثلاً برأت المحققین اصل میں مراۃ المحققین ہے۔اسی طرح کچھ کتابوں کے نام کے مترادفات بھی ملتے ہیں جیسے کنز المعانی کو بحرالمعانی اور فوائد غیبی بھی کہا جاتا ہے۔ایک کتاب ہے تحفہ غیبی اس کا دوسرا نام گنج لایفنی بھی ہے۔اسی طرح بعض رسالوں کے نام میں بھی فرق پایا جاتا ہے اور بہت سے رسالے ایسے ہیں جو چند صفحات پر مشتمل ہیں اور اسے بھی الگ مجتمع کر دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر اجوبہ کلاں مجموعہ ہے۔اجوبہ زاہدیہ،اجوبہ اسئلہ ،اجوبٔی منیری،رسالہ در تصوف۔لگتا ہے کہ بعض مؤرخوں نے مذکورہ تصانیف کے نام الگ الگ ذکر کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے کسی کے یہاں تصانیف کی تعداد زیادہ اور کسی کے یہاں کم نظر آتا ہے۔

شاہ نجم الدین نے حیات ثبات میں جو تصنیفات شمار کیے ہیں ان کے شمار میں تصنیفات وملفوظات کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے جنہوں نے ہر نام کو الگ تصنیف شمار کیا ہے۔مثال کے طور پر دیکھیں انہوں نے گنج لایفنی اور تحفہ غیبی کو الگ الگ تصنیف شمار کیا ہے جبکہ دونوں ایک ہی ہے،صرف نام مختلف ہے۔ کتابوں کے ناموں میں اختلاف کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نام کا تو پتا ہے لیکن کتاب دستیاب نہیں ہے اس لئے کہ ابھی بہت ساری تصنیفات مخطوطے کی شکل میں موجود ہیں اس پر الگ سے تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اب ترتیب کے ساتھ ہر ایک کا اختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا جاتا ہے تا کہ ان تصانیف کی اہمیت واضح ہوسکے اس کے لئے سب سے پہلے مکاتیب پر گفتگو کریں گے جن میں تعلیمات وہدایات ملتی ہیں۔

مکاتیب شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی اہمیت

مراسلت اور خط وکتابت کی قدیم تاریخ رہی ہے، کیونکہ گذشتہ زمانے میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں میں خط وکتابت کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی بعض نبیوں کے مکتوب کا ذکر ہے، حضورﷺ بھی خطوط کے ذریعہ بادشاہ وامراء تک اسلام کی دعوت پہنچایا کرتے تھے۔ حضور کے بعد خلفائے راشدین نے اس روایت کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اسے مزید ترقی کے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ مملکت اسلامیہ کے عوام وخواص بھی امیر المومنین کے پاس خطوط لکھا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان آزادی کے ساتھ اطمینان سے پوری بات لکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام نے بھی سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف اس روش کو اپنائے رکھا بلکہ اسے مزید آگے بڑھایا ہے۔ اور اس فن کو خوب ترقی دی، اور خط وکتابت کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیا۔ اس کے نتیجے میں بے شمار علمی، فکری، اور سیاسی مکاتیب ار خطوط منظر عام پر آگئے جن سے قیامت تک تشنگان علوم فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

برصغیر ہند میں صوفیائے کرام نے اپنے مریدین ومتوسلین کی تعلیم وتربیت کے لئے بے شمار خطوط لکھے، جو بعد میں سب کے سب کتابی شکل میں جمع کر دیے گئے۔ یہاں پر خالص ان مکاتیب کا ذکر کیا گیا ہے ہیں جن کا تعلق علم تصوف اور اشاعتِ دین سے ہے اور وہ مکمل کتابی شکل میں موجود ہیں۔

مکتوبات میر سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (۷۲۰-۸۲۵ھ) خلیفہ خاص حضرت نصیر الدین چراغ دہلی: اس میں ٦٦ مکتوب ہیں اور اس کے جامع مولانا رکن الدین ابو الفتح علاء قریشی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں ۶۳۴ مکاتیب ہیں۔ پہلی جلد کے جامع مولانا یار محمد۔ دوسری جلد کے جامع مولانا عبد الحئ حصاری اور تیسری جلد کے جامع مولانا خواجہ محمد برہان پوری ہیں۔

مکتوبات خواجہ سیف الدین: یہ مکتوبات حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی نبیرۂ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہیں، اور اس کے مرتب مولانا محمد اعظم ہیں۔

حضرت خواجہ سیف الدین، حضرت عروۃ الوثقیٰ (خواجہ محمد معصوم) کے پانچویں فرزند ہیں آپ ۱۰۵۵ھ

میں پیدا ہوئے۔خواجہ معصوم نے آپ کو حضرت مجددالف ثانی کے کمالات اور خصائص کی خوش خبری دی۔ حضرت قیوم ثانی آپ پر بے حد مہربان تھے جنہوں نے بادشاہ ہندوستان اورنگ زیب، شاہزادۂ اعظم شاہ اور دیگر ارکان سلطنت کی دینی اور روحانی تربیت کی ذمے داری آپ کو دی تھی۔

خواجہ محمد معصوم کی نسبت وتوجہ اور آپ کے صاحب زادے خواجہ سیف الدین کی تربیت وصحبت کے طفیل اورنگ زیب نے وہ بلند مقام حاصل کر لیے، جو بڑے بڑے شہنشاہوں کو نصیب نہیں ہوئے۔موقع کی منا سبت سے یہاں ایک مکتوب کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے، جو خوا جہ سیف الدین کے نام خوا جہ محمد معصوم نے لکھا تھا۔ یہ ان مکاتیب میں سے ہے جو اس وقت لکھے گئے تھے، جب خواجہ سیف الدین قلعہ معلیٰ، دہلی میں اورنگ زیب کی روحانی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے:

> ''جو کچھ بادشاہ دین پناہ سلمہٗ ربہٗ کے بارے میں مرقوم تھا یعنی اثرات ذکر در وظائف، حصول سلطان ذکر و رابطہ، قلّت خطرات، قبول کلمہ حق، رفع بعض منکرات اور ظہور لوازم طلب، یہ سب باتیں واضح ہوئیں، شکر خدا بجالاؤ، طبقۂ سلاطین میں اس قسم کے امور حکم عنقا رکھتے ہیں۔'' ۱۰۶

مکتوبات قدوسیہ: یہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کا ہے۔ یہ ۱۹۳ مکاتیب پر مشتمل ہے۔

مکتوبات مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۰-۱۱۹۵ھ) اور اس کے علاوہ بے شمار بزرگوں کے مکتوبات ملتے ہیں، مگر سب میں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکاتیب کی علمی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور زمانہ کتاب ''عوارف المعارف'' کا وقت کے جید علماء و مشائخ اپنی محفلوں میں درس دیا کرتے تھے اور اس کو اپنے مطالعے میں رکھتے تھے۔اسی طرح مکتوبات مخدوم جہاں کو بھی وہ مقام حاصل ہے کہ بے شمار مشائخ عظام نے اس کے مطالعے کو اپنی روح کی غذا سمجھی۔ مثلاً جب جلال الدین جہانیان جہاں گشت دہلی میں تشریف لاتے تو بہار کی طرف منہ کر کے سینہ ملتے اور فرماتے کہ بہار کی طرف سے عشق ومحبت کی بو آرہی ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا: آخری عمر میں کیا شغل رہتا ہے؟ فرمایا کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعے میں مشغول رہتا ہوں۔ اس نے پھر پوچھا کہ شیخ شرف الدین کے مکتوبات کیسے ہیں؟ تو فرمایا کہ بعض مقامات ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں

آئے ہیں۔

” چوں جلال الدین در شہر دہلی در آمدے رو سوی بہار کردے و سینہ مالیدے و فرمودے بوئے عشق از طرف بہار می آید۔ جلال بخاری را پر سیدند کہ در آخر عمر در چہ مشغول اید فر مود در مطالعہ مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری باز پر سیدند مکتوبات شیخ شرف الدین احمد منیری چگونہ است ؟ فرمود بعضے محل ہنوز فہم نشدہ است ۔“[107]

صاحب مآثر عالمگیری محمد ساقی مستعد خان لکھتے ہیں کہ:

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے مطالعہ میں حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصانیف، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور شیخ زین الدین کے منتخب مکتوبات اور اسی طرح کی دوسری کتابیں بالالتزام رہا کرتی تھیں۔[108]

پروفیسر شمیم احمد منعمی عظیم آبادی لکھتے ہیں:

”جتنی بڑی تعداد میں آپ کے مکاتب ملتے ہیں اتنی بڑی تعداد میں شاید ہی کسی دوسری شخصیت کے مکاتیب مل سکیں اور اگر مل بھی جائیں تو کسی ایک شخص کے نام دو دو سو مکتوب لکھنے والی شخصیت یقیناً آپ کی اکیلی شخصیت ہوگی۔“[109]

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات

اب تک شیخ شرف الدین منیری منیری کے مکتوبات کے چار مجموعے دستیاب ہو سکے ہیں:

(۱) مکتوبات صدی

(۲) مکتوبات دوصدی

(۳) مکتوبات بست وہست

(۴) فوائدرکنی

مکتوبات صدی

شیخ شرف الدین منیری کی تمام تصنیفات فارسی زبان میں ہیں، مکتوبات صدی میں کل ایک سو مکاتیب ہیں، جن میں ۹۸ مکاتیب قاضی شمس الدین حاکم چوسہ۱۱۰ اور باقی دومکتوب قاضی صدرالدین۱۱۱ کے نام ہیں ۔اس کو مخدوم جہاں کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے ۔ سن تالیف میں مؤرخین کا ختلاف ہے، زین بدر عربی سن تالیف سے متعلق لکھتے ہیں:

”وبا وقات مختلفه از خط بهار صا نها الله تعا لیٰ عن الا فات و

عن البوا ء در شهورسنه سبع و اربعین ماء ته در قصبه مذکور بر

سائل مذکور فر ستادن فر مود۔“۱۱۲

یعنی خطہ بہار سے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ اس کو آفتوں اور بربادیوں سے محفوظ رکھے، ۷۴۷ھ میں سائل مذکور کوارسال فرمایا۔۱۱۳ لیکن ایک نسخہ میں ۷۴۹ھ درج ہے۔

شیخ شرف الدین منیری نے اتنی کثیر تعداد میں قاضی شمس الدین کو مکاتیب کیوں لکھے؟ اس کی وجہ مکتوبات صدی کے دیباچہ میں یہ بیان کی گئی ہے:

''قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث مخدوم الملک کی مجلس میں حاضر ہونے سے معذور تھے اس لیے ان کی تعلیمات مکتوبات کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔''[۱۱۴]

اس مکاتب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکتوبات قاضی شمس الدین کے لیے شیخ شرف الدین منیری لکھتے تھے لیکن مکتوبات کی مجلسوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری، یہ مکاتیب صرف ایک شخص کے لیے نہیں لکھا بلکہ ان تمام حضرات کے لئے لکھے تھے جو مخدوم جہاں کی مجلس میں حاضر ہونے سے قاصر تھے ۔یہی وجہ ہے کہ جب مکتوبات صدی کی مجلسوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں مکتوبات کا درس ہو رہا ہے اور مخدوم الملک مکتوبات کے ذریعہ ہر طرح کے سوالات کے جوابات دیتے نظر آ رہے ہیں۔

شیخ شرف الدین منیری نے مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام مسائل پر عالمانہ،محققانہ گفتگو کی ہے،جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔شیخ شرف الدین منیری ایک مکتوب میں تصوف کی اصل اور نقل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرے بڑے بھائی شمس الدین ،اللہ تم کو بزرگ بنائے۔سمجھو کہ تصوف کا ضابطہ قانون دیرینہ ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ۔اس پر پیغمبروں اور صدیقوں کا عمل رہا ہے۔ بری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال برا دکھائی دیتا ہے۔ان کی پاک دامنی پر دھبے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے اور خلاف اصول عادتوں میں مبتلا ہوکر تصوف کو بدنام کر دیا ہے ورنہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے۔اہل طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں،(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) اور مشتبہ پھر تینوں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ۔صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے۔خواہشات نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے۔

متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت ومجاہدہ میں اس لیے مصروف وسرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کرسکے اور قدم بہ قدم ان کی راہ چل کر اپنے معاملات ان کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورتاً تو صوفیوں کے اکثر عادات ہوں، مگر معناً نہیں۔ ۱۱۵

مکتوبات دوصدی

مکتوبات دوصدی کے جامع اور مرتب بھی مولانا زین بدر عربی ہیں، مگر خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ بلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے۔ اس مجموعے میں مختلف لوگوں کے نام تقریباً دو سو خطوط ہیں۔ ۱۱۶

مکتوبات دوصدی کی تعداد کے سلسلے میں مختلف رائے ملتی ہیں، صوفیہ نمبر میں پروفیسر شمیم احمد منعمی اپنے مقالہ ''مکتوبات مخدوم جہاں'' میں لکھتے ہیں:

''مکتوبات دوصدی میں مختلف لوگوں کے نام دو سو خطوط ہیں۔'' ۱۰۹

اور مولانا ابوالحسن علی ندوی دعوت وعزیمت میں لکھتے ہیں:

''اس میں ۱۵۳ مکتوبات ہیں اور مختلف اشخاص کے نام ہیں۔'' ۱۱۷

انڈیا آفس کیٹلاگ میں ۱۵۱ مکاتب کا ذکر ہے۔ ۱۱۸ اس کے علاوہ مکتوبات صدی کا وہ ترجمہ جسے حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسی نے بڑے ہی اچھے انداز میں کیا ہے، اس میں دو سو آٹھ مکاتیب کے ترجمے ہیں۔ سید شاہ قسیم الدین احمد اشرفی فردوسی لکھتے ہیں:

''اصل کتاب دو بار طبع ہو چکی ہے دونوں مطبوعہ ۱۵۴ مکتوبات پر مشتمل ہے، لیکن حقیقتاً یہ ۲۰۸ خطوط کا مجموعہ ہے، ۱۵۴ مکتوب کے بعد کا حصہ مخطوطہ ہے اور کامیاب ہے۔'' ۱۱۹

یہ مکتوبات جمادی الاولیٰ ۷۴۹ھ اور رمضان المبارک ۷۴۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ ۱۲۰ مکتوبات

دوصدی میں جن لوگوں کو لکھے گئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

شیخ عمر ساکن قصبہ انکلی، قاضی شمس الدین ساکن چوسہ، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوشی، (دوسری نسخے میں بجانب قاضی کمال الدین ہے،) مولانا صدرالدین، ملک خضر، خواجہ خواص پوری، رضی الملک، بھائی خواجہ محمد سلیمان، صدر العلماء مولانا حمید الملک عمر ظفر آبادی، مولانا مظفر، امام نظام الدین، فرزند عزیز قاضی حسام الدین، داؤد ملک داماد سلطان محمد مولانا قیام الدین، مولانا بایزید، نصیر الدین، امین خان ملک مفرح، ملک محمود، قطب الدین، عبد الملک، امام افتخار، فخر الدین خواجہ احمد، محمد دیوانہ، والدہ ماجدہ، مولانا تقی، محمد شاہ وغیرہ۔[۱۲۱]

اس کے علاوہ بہت سے خطوط ایسے ہیں جن میں پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کے نام لکھے گئے ہیں۔ شیخ شرف الدین منیری نے مکتوبات دوصدی میں علوم و معارف کے علاوہ دیگر مسائل کو بھی بیان کیا ہے اور حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے کہیں مکاتیب کو ایک دوسرے سے چھپانے، کہیں ایک دوسرے کو بتانے اور کہیں ایک دوسرے کے پاس موجود مکتوبات کو نقل کر کے مطالعہ میں رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ ایک خط میں عمل کے طریقے اور عشق کی روش پر گفتگو کرنے کے بعد تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ خط ہر شخص کو نہ دکھلائیں تاکہ اپنی بیہودگیوں میں ملوث نہ کر دے۔''[۱۲۲]

اسی طرح دوسرے خط میں راہ حق اور ترک نفس پر گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''مطالعہ کے بعد اس خط کو چاک کر دینا تاکہ ہذیان بکنے والے یاوا گو اپنی یاوا گوئی میں ملوث نہ کر لیں۔''[۱۲۳]

اور جب پڑھنے پڑھانے سیکھنے سیکھانے کی باری آئی تو فرزند عزیز قاضی حسام الدین کو ایک خط میں یہ لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''اس فقیر کے مکتوبات کا نسخہ وہاں دولت آباد میں جس کے پاس ہو، اپنے لیے اس کی نقل کرالیں اور ہمیشہ پڑھا کریں اور بار بار غور وخوض کے ساتھ مطالعہ میں رکھیں، انشاء اللہ اس مذہب کے اصول وفروع اور اس گروہ

صوفیہ کی روش اور ان کے معاملات اس کے مطالعہ سے معلوم ہوں گے۔''۱۲۴

شیخ شرف الدین منیری کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خطوط کے ذریعے ہر طرح کے لوگوں کی اصلاح اور تربیت فرمایا کرتے تھے۔ایک خط میں امام افتخار صاحب کو راہ طلب اور نفس امارہ سے متعلق گفتگو کے بعد تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بدتمیزوں، فضولیوں اور دودھ پیتے بچوں کی طرح جو لوگ ہیں ان سے اس خط کو محفوظ رکھنا، تاکہ وہ لوگ اپنی فضول بکواس میں اس کو آلودہ نہ کردیں، اور جو لوگ اہل ہیں ان سے نہ چھپائیں اس لئے کہ علم جس طرح نااہلوں کو دینا حرام ہے اسی طرح جو اہل ہیں اس سے روک رکھنا بھی حرام ہے۔''۱۲۵

شیخ شرف الدین منیری معاشی تنگی سے پریشان حال لوگوں کی خطوط کے ذریعہ مدد فرماتے ہیں۔ایک شخص جو ایسے ہی مسائل سے دوچار تھا، اس کے امداد کے لئے آپ نے پورے علاقے کے نام خط لکھا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''عزیزان ومحبان جو اس علاقہ میں رہتے ہیں، ان پر واضح ہو کہ خواجہ حاجی زائرالحرمین حامل رقعہ ہٰذا یہ ایک درویش صاحب آل واولاد ہیں۔معاش کی قلت نے انہیں اضطراب و پیشانی میں ڈال دیا ہے۔اسی بنا پر اس طرف جانے کا انہوں نے عزم کرلیا ہے، جس کے پاس پہنچیں آپ لوگ اپنے اخلاق کریمانہ سے حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے رہیں۔''۱۲۶

مکتوبات بست وہست

یہ مولانا امام مظفر بلخی کے نام لکھے گئے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔مولانا مظفر، شیخ شرف الدین منیری کے ہاتھ پر ۷۵۵ھ یا ۷۵۶ھ میں بیعت ہوئے تھے اور آپ کا وصال ۷۸۲ھ میں ہوا۔۱۲۷ بیعت کے بعد تقریباً ۲۵ یا ۲۶ سال تک شیخ مظفر کو سلوک کی حالت میں جو بھی واقعات پیش آئے آپ ان تمام واقعات کو اپنے شیخ کی

خدمت میں رہ کر لکھتے رہے اور شیخ ہر ایک کا جواب دیتے رہے۔
مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''اور اس میں زیادہ تر راہ سلوک میں پیش آنے والے مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے اور ان سے شیخ مظفر کے علوِ استعداد اور انعاماتِ الٰہیہ کا اندازہ ہوتا تھا۔''۱۲۸

مذکور ہے کہ مولانا مظفر کے نام شیخ شرف الدین منیری نے دوسو سے زیادہ خطوط لکھے تھے۔۱۲۹ لیکن شیخ شرف الدین منیری ساتھ میں یہ وصیت کر دی تھی کہ خطوط کسی کو نہ دکھلائیں۔اس لئے مولانا مظفر ان تمام خطوط کو عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔جب مولانا کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کر دی کی کہ یہ تمام خطوط میرے ساتھ میری قبر میں دفن کر دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تمام خطوط کو قبر میں رکھ دیا گیا،مگر اتفاق سے ۲۸ خطوط کہیں الگ رکھے ہوئے تھے، جو دفن نہ ہو سکے۔
''ایک تھیلی کے اندر شیخ الاسلام کے دستخطوں سے مصدقہ خطوط کا ایک بنڈل باقی رہ گیا۔''۱۳۰

مکتوبات بست وہست اسی باقی ماندہ ۲۸ مکتوبات کا مجموعہ ہے، یہ ''مکتوبات جوابی'' کے نام سے بھی شائع ہوا ہے اور اب عام ہو چکا ہے۔ایک خط میں شیخ شرف الدین منیری، مولانا مظفر کو لکھتے ہیں کہ اس کو سب سے چھپا کے رکھنا، کسی کو اس خط کے بارے میں معلوم نہ ہو۔
''برادر عزیز کی تمام مشکلات و معاملات کا حل میں نے تحریر کیا ہے، یہ خطوط کسی کو نہ دکھلانا، اس لئے کہ یہ ربوبیت کے اسرار کے افشا کا موجب اور سبب ہوگا۔''۱۳۱

مولانا مظفر بلخی زبردست عالم تھے،علم حدیث اور فقہ پر گہری نظر تھی۔آپ نے ''مشارق'' کی شرح بھی لکھی تھی، لیکن مخدوم جہاں نے انہیں غیر ضروری علم کے سیکھنے سے منع فرمایا تھا:
''آپ نے مشارق کی شرح لکھی تھی اس کے جتنے اوراق صاف کیے گئے تھے اسے مطالعہ کیا، بہت ہی خوب اور پسندیدہ خاطر ہے۔ بہت سارے معا

نی ہرنوع وجنس وحال کے اس میں لکھے ہیں،لیکن آپ اس میں مشغول نہ
ہوں، کیونکہ علم اپنی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔ہوشیار رہیں۔آپ کا معاملہ
معلوم ہے،علم کو کنارے کر دیجئے۔''۱۳۲

شیخ شرف الدین منیری نے کبھی بھی حصول علم سے روگردانی نہیں کی بلکہ ہمیشہ علم دوست بن کر رہے اور حصول علم میں اس قدر غرق ہوئے کہ والد کے جنازے میں بھی شریک نہ ہو سکے، پھر آپ کا یہ کہنا کہ ''علم کو کنارے کر دیجئے'' یقیناً اسی طرح ہے جیسے آپ کے استاذ شیخ ابوتوامہ نے آپ سے علم ہمیا، سیمیا، اور کیمیا کے حصول کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے جو علم حاصل کر لیا ہے وہ میرے لئے کافی ہے۔اسی طرح شیخ شرف الدین منیری نے مولانا مظفر بلخی کو بھی غیر ضروری علم سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

فوائد رکنی

یہ ایک مکمل رسالہ ہے جو ۴۴ صفحے پر مشتمل ہے اس کو شیخ شرف الدین منیری نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو صفر حج بیت اللہ کے وقت مطالعہ کے لئے دیا تھا۔صاحب بزم صوفیہ رقم طراز ہیں:

''یہ خطوط کی صورت میں ہے، اس کے مختلف فوائد ہیں، عشق الٰہی کی بے
چارگی، انسان کی برتری، راہ طریقت میں محنت وریاضت، مکار وغدار دنیا
سے قطع تعلق، تواضع انکساری، روحانی گرسنگی اور صوفیاء کرام کے رموز و
اشارات پر مباحث ہیں۔''۱۳۳

مکتوبات صدی کے اردو ترجمہ کے مقدمہ میں شاہ محمد نعیم فردوسی القادری فوائد رکنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فوائد رکنی کو حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ کہنا چاہئے۔''۱۳۴

اس کے علاوہ مکتوبات سہ صدی کے نام سے بھی ایک مکتوبات کا مجموعہ لاہور سے چھپا ہے دراصل اس میں مکتوبات صدی اور مکتوبات بست وہست کے مکاتیب کو اکٹھا کر کے چھاپ دیا گیا ہے۔ یہ مکتوبات کا کوئی الگ مجموعہ نہیں ہے۔

اس کا قلمی نسخہ بھی کہیں موجود نہیں ہے۔ایسا لگتا ہے کہ قارئین کی آسانی کے لیے دونوں مکتوبات کو یکجا کر

کے چھاپ دیا گیا ہو بہت سی کتابوں میں مکتوبات سہ صدی کے نام سے بھی حوالے ملتے ہیں۔

مکتوبات کے قلمی نسخے

شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات کے قلمی نسخے اس وقت ملک اور بیرون ملک کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ کس قدر مکتوبات کے تئیں دلچسپی رکھتے تھے جس کے نتیجے میں اتنی تعداد میں مکتوبات کے قلمی نسخے وجود میں آ گئے،اور ہر چہار جانب پھیلے۔

کتب خانوں میں موجود قلمی نسخے

ان کتب خانوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں جہاں اس وقت قلمی نسخے موجود ہیں:

(ا) کتب خانہ بلخیہ فردوسیہ، بھینسہ سور، بہار شریف، ضلع نالندہ، پٹنہ بہار، میں مخدوم جہاں کے مکتوبات وملفوظات کے علاوہ دیگر مشائخ کی کتابوں کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

(ب) مکتبہٗ شرف، خانقاہ معظم مخدوم جہاں، بہار شریف میں چند قلمی نسخے موجود ہیں۔

(ج) خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ میں مکتوبات کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

(د) خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں مکتوبات اور اس کے علاوہ دیگر کتابوں کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(ہ) کتب خانہ ریاست کپورتھلہ میں مکتوبات صدی کا قلمی نسخہ موجود ہے۔[۱۳۵]

(و) حیدر آباد کی اورینٹل منواسکرپٹ لائبریری (آصفیہ لائبریری) میں بھی مکتوبات کے دو قلمی نسخے موجود ہیں۔

(ز) رضا لائبریری، رامپور، اتر پردیش میں مکتوبات کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

(ح) اسی طرح کشمیر یونیورسیٹی کی علامہ اقبال لائبریری میں بھی مکتوبات صدی کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس نسخہ کے اوپر ایک مہر لگی ہے، جس میں لکھا ہے: National Book Depot, Bazar Guzri Amroha (Moradabad) U.P اور دوسرے صفحہ پر علامہ اقبال کتب خانہ، کشمیر یونیور

سٹی کی مہر ہے، پہلی مہر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب پہلے امروہہ مرادآباد، یوپی، میں تھی، بعد میں علامہ اقبال کتب خانہ لے جائی گئی۔ مکتوبات صدی کا قلمی نسخہ انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔

(ط) صاحب بزم صوفیہ ۱۲۵ مکتوبات پر مشتمل ایک اور نسخہ ہونے کی خبر دیتے ہیں، جس میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں۔ یہ نسخہ انڈیا لائبریری لندن میں موجود ہے۔

ملفوظات:

شیخ شرف الدین احمد منیری کے ملفوظات کی تعداد نو تک دستیاب ہوسکی اور تقریباً یہ سبھی کتابیں ڈاکٹر علی ارشد شرفی کے کتب خانہ بلخیہ بھینسہ سور بہار شریف میں قلمی نسخے کے ساتھ موجود ہیں۔

معدن المعانی

معدن المعانی کو ملفوظ کے ساتھ تصنیف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس کو مولانا زین بدر عربی نے جمع کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۶۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع خود کہتے ہیں کہ جب یہ ملفوظ مکمل ہوگئی تو اس کی اصلاح کے لئے مخدوم جہاں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مخدوم نے اسے اول تا آخر مطالعہ کیا اور جہاں ضرورت پیش آئی وہاں اضافہ کر دیا اور جہاں زیادہ تھا وہاں حذف کر دیا۔

اس ملفوظ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کے پاس اس وقت بہت ساری کتابیں زیر مطالعہ تھیں۔ اس لئے کہ اس کتاب میں تفسیر و احادیث، فقہ، تصوف اور دیگر کتب کے جتنے حوالے اس کتاب میں ملتے ہیں دوسری کتاب کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ جن کتابوں کا حوالہ اس میں دیا گیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ہدایہ، تذکرۃ الاولیاء، وصیت شیخ الشیوخ ملخص احیاء العلوم، روح الارواح، لوامع، مکتوبات عین القضات، کلمات قدسیہ، ملفوظات نظام الدین اولیاء، ترغیب الصلوٰۃ، غرائب التفسیر، کشف المحجوب، روضۃ العلماء، سراج العارفین، قوت القلوب، عوارف المعارف، لسان فقہ ابواللیث، کنز المسائل، شرح تعرف، سراج العالمین، ریاحین، تفسیر زاہدی، زبدۃ العین القضات، کتاب الٰہیات ارسطو۔ غیرہ۔

خوان پرنعمت

اس ملفوظ میں فقہ وتصوف اور شرعی مسائل کا ذکر ہے۔ شیخ شرف الدین منیری نے اس میں بھی معدن المعانی کی طرز پر گفتگو کی ہے۔اس کے جامع بھی مولانا زین بدرعربی ہیں۔اس میں ۱۵شعبان ۷۴۹ھ تک کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔

راحت القلوب

اس ملفوظ کے جامع بھی مولانا زین بدرعربی ہیں۔اس کے مسائل مذکورہ دونوں ملفوظات سے قدرے مختلف ہیں۔اس میں جوعنوان باندھا گیا ہے،اندازہ ہوتا ہے کہ اسی کی مناسبت سے اس کا نام راحت القلوب رکھا گیا ہے۔اس میں تعظیم وتکریم ،حقوق کی ادائیگی ،تلاوت قرآن پاک ،روزآشورہ ،چونے کے حلال وحرام وغیرہ پر بحث ملتی ہے۔

اس میں ایک مختصر رسالہ ''وفات نامہ'' بھی شامل کرلیا گیا ہے۔یہ وہ رسالہ ہے جس میں شیخ شرف الدین منیری کے بوقت رحلت جوبھی واقعات پیش آئے اسے قلم بند کیا گیا ہے۔نقوش شرف کے مطابق اس کی تصحیح بھی مخدوم جہاں نے کی تھی۔

مخ المعانی

اس ملفوظ کوجمع کرنے والے بھی مولانا زین بدرعربی ہیں لیکن بزم صوفیہ کے مطابق اس کے جامع شیخ شہاب الدین عماد ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ مغز المعانی کے جامع شیخ شہاب الدین عماد ہیں۔ یہاں پر شاید مؤلف سے چوک ہوگئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ملفوظ کے نام ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اوراس میں ۵۳ مجالس ہیں ۔سید صباح الدین صاحب بزم صوفیہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں ۵۱ مجالس ہیں ۔ اب انہوں نے کہاں سے ۵۳ کی جگہ ۵۱ لکھا ہے،اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

اس میں مہینوں اور دنوں کی وجہ تسمیہ، لیلۃ الرغائب کی وجہ تسمیہ، ماہ رجب کے روزے کی فضیلت ۔ کنت لہ سمعنا کی تفسیر، مسئلہ حدوث وقدم عالم، بحث قدم مادہ، مسئلہ رویت باری تعالیٰ، مسئلہ جبرو اختیار، تعبیر خواب، وتزکیہ باطن اورعلم کے اقسام پر بحث کی گئی ہے۔

مونس المریدین

اس ملفوظ کے جامع حضرت صلاح مخلص داؤ دخان ہیں۔ یہ کل اکیس مجالس پر مشتمل ہے۔اس میں اکیس شعبان سے لے کر اکیس محرم ۷۷۵ھ تک کے مجالس کا تذکرہ ہے۔شیخ شرف الدین منیری نے اس میں اقسام خواب،سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف، زاہد کی تعریف، درخت گندم میں حضرت آدم سے اجتہادی غلطی، شب برأت،اوراس کی فضیلت،اعمال واذکار، واقعہ حضرت موسیٰ، واقعہ حضرت خضر، مذمت نفس، ماہ رجب کے معمولات،نماز لیلۃ الرغائب بجماعت،حدیث تشبہ بقوم،واقعہ دجال وحضرت عیسیٰ،شریعت وطریقت اور حقیقت، ماہیت روح، قیامت، جنت ودوزخ وغیرہ پر بحث کی ہے۔

فوائد غیبی

یہ ملفوظ۳۲ مجالس پر مشتمل ہے۔اس میں پہلے شعبان ۷۵۷ھ سے ماہ صفر ۷۵۸ھ تک کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔اس میں آدمی کے مراتب، عجز وانکساری،ادراک حقیقت اول،شکایت زمانہ کا بے معنی ہونا، اسمائے باری تعالیٰ،اشیاء کے ذکر کی حکمت،حقوق العباد،تعریف شہود،علم کی فضیلت، حج کے ارکان عرفات، کعبہ کا طواف، واجبات حج وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

گنج لایفنی

اس ملفوظ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر مجلس کے دن تاریخ اور سن لکھے گئے ہیں۔اس میں یک شنبہ ربیع الاول ۷۶۰ھ سے روز شنبہ ۲۶ ذالحجہ ۷۶۰ھ کے درمیان ہونے والے مجالس قلم بند کیے گئے ہیں۔اس میں مثنوی اور غزل کے اشعار بھی ہیں جو قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں۔اس میں شب قدر کو مخفی رکھنے کی حکمت،موت کی سختی،تلقین میت،فضیلت حضرت صدیق اکبرؓ،احادیث کی تقسیم اور اس کی تعریف، اولیاء اللہ کی تعداد ہمیشہ کتنی رہتی ہے،سلطان وقت کے سوالات کا جواب، فیروز شاہ تغلق کے سوال کا جواب،آخرت میں اللہ کا دیدار وغیرہ کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

مغزالمعانی

اس ملفوظ کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عماد ہیں۔ شیخ نے اس کو مخدوم کے دوسرے ملفوظات سے اخذ کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۲۹ اذ کار کا ذکر ہے جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

ذکر ذات وصفات، سماع حلال ہے یا حرام، ذکر، مراقبہ، تفکر، عبادت، ظاہر و باطن عشق ومحبت، ذکر تاویل زلف وخال، حال وقال کا تذکرہ، اس کے علاوہ روح وغیرہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔

تصنیفات

لطائف المعانی

کافی تلاش کے باوجود اس کتاب تک رسائی نہ ہوسکی ۔ مؤلف بزم صوفیہ کے بقول اس کتاب کو معدن المعانی کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں۔

فوائد المریدین

یہ ایک مختصر رسالہ ہے اور مطبوعہ شکل میں دستیاب ہو چکا ہے۔اس میں کلمہ کی فضیلت اور نماز باجماعت کی اہمیت اس کے علاوہ قرآن مجید کی چند آیتوں کی فضیلت ،قبرستان ،منکر نکیر، جنت و دوزخ، قیامت، ایمان، والدین، پڑوسی، اور زوجین کے حقوق پر گفتگو کی گئی ہے۔

رسالہ مکیہ وذکر فردوسیہ

یہ رسالہ بالکل ہی مختصر ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔اس میں ذکر واذکار کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

شرح آداب المریدین

آداب المریدین ،حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی کی عربی تصنیف ہے۔ان سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بشارت دی تھی کہ میری اس کتاب کی شرح میری ایک اولاد معنوی کرے گی۔اس کام کے کرنے کی سعادت حضرت مخدوم جہاں کو حاصل ہوئی۔مخدوم نے اس کی فارسی شرح لکھی اور اس کا نام شرح آداب المریدین رکھا۔اس شرح کے لکھنے کا طریقہ یہ رکھا کہ پہلے عربی متن لکھ دیا،اس کے بعد اس کے معنی بتائے گئے ۔اس کے بعد جہاں جہاں جیسی ضرورت پیش آئی اس کے مطابق اس کی تشریح کردی۔اور اگر عبارت میں کہیں کوئی اشکال نظر آیا تو شیخ کا ادب کرتے ہوئے اس کی بہتر سے بہتر مناسب تاویل کردی۔

ارشادالطالبین

یہ ایک مختصر رسالہ ہے اس میں اصلاحی بیانات ہیں۔ یہ رسالہ بھی شاید غیر مطبوعہ ہے اس لئے کہ یہ کہیں دستیاب نہ ہوسکی۔ سید صباح الدین بزم صوفیہ میں لکھتے ہیں کہ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے لیکن اس کا نام برہان العارفین مرقوم ہے۔

ارشادالسالکین

یہ رسالہ صرف چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں توحید کے رموز واسرار بتائے گئے ہیں۔

رسالہ اشارات

یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے اس میں انتالیس اشارے ہیں جس کو شیخ شرف الدین منیری نے شیخ شہباز عرف گورکھ، شیخ لامع، شیخ مرداداور شیخ ہادی اللہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

رسالہ اجوبہ

یہ اصل میں سوال وجواب کا مجموعہ غیر مطبوعہ ہے۔ مخدوم جہاں کے دوستوں احباب کی طرف سے جو سوالات ہوتے تھے ان کو اس میں مع جواب کے یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ سوالات مختلف قسم کے ہوتے تھے۔

عقائد شرفی واورادکلاں واوسط وخرد

یہ کتابیں اوراد و وظائف پر مشتمل ہے۔ سلسلہ فردوسیہ سے وابستہ افراد کے لئے قیمتی سرمایہ ہے۔

شیخ شرف الدین منیری کی شاعری پر ایک نظر

شیخ شرف الدین منیری کی تحریروں میں کثرت سے فارسی کے اشعار ملتے ہیں جو تصوف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں بعض اشعار خود مخدوم کے ہی ہیں۔ آپ نے شاعری میں زیادہ زور آزمائی نہیں کی شاید اسی لئے شاعر کی حیثیت سے متعارف نہیں ہوئے لیکن جو بھی اشعار آپ کے ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو

شعر و شاعری سے بھی گہرا لگاؤ تھا اس لئے ضرورت کے تحت شعر سے شغف رکھا۔

بعض مؤرخوں نے ان اشعار کے بارے میں کہا ہے کہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اشعار شیخ شرف الدین منیری کے ہی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ اشعار مخدوم کے نہیں تو پھر کس کے ہیں؟ جواب کے لئے تحقیق کی ضرورت ہے۔

سید صدر الحسن صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ جن اشعار کو شیخ شرف الدین منیری نے دیوانے یا سوختہ جان سے منسوب کیا ہے وہ مخدوم کے ہی اشعار ہیں:

> ''کم از کم وہ اشعار جنہیں آپ نے کسی دیوانے یا سوختہ جان سے منسوب کیا ہے اور وہ آپ کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں وہ حضرت مخدوم جہاں کے ہی ہیں۔''[۱۳۶]

جن اشعار میں دیوانہ یا سوختہ کا ذکر ہے، ان میں سے چند نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل ہیں:

از حال دل شکستہ ام می دانی — در صفحہ جاں مراد من خوانی
حیراں شدہ ام بہ لطف خود وستم گیر — اے آنکہ تو دستگیر ہر حیرانی [۱۳۷]

معشوق چو پادشاہ است فرمائش رواست — بر کردۂ او چون و چرا زہرۂ کراست
گر بیذ یرد خوئے پسندیدۂ اوست — در بر گردوز بختِ شوریدۂ ماست [۱۳۸]

نو مید مشود لا تو امر وز ازانکہ — فردا نظرش بہ حکم خود خواہد بود [۱۳۹]

عاصی شکستہ گر چہ بے باک بود — از بہر چہ در رہ تو غمناک بود
شو یند ہ چو فضل تست الواث را — آلودہ بہ تحقیق بہ از پاک بود [۱۴۰]

گر تو بکمند عشق در بند شوی — در در گزری ز حرص خور سد شوی
پاکیزہ شود وجودت از لوث گناہ — نا قابل اسرار خدا وند شوی [۱۴۱]

چوں می کشی رہا کن تا پائے تو بوسم — بارے بہ سینہ من ایں آرزو نہ ماند [۱۴۲]

باعشق جمال ما اگر ہم نفسی — یک حرف بس است اگر بدی در تو کسی
تابا تو توئی تست درمانہ رسی — در ما تو گہے رسی کہ از خود برسی [۱۴۳]

یہ تو نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کر دیئے گئے ہیں۔ان اشعار سے شیخ شرف الدین منیری کی شاعرانہ شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔آپ کی شاعری کا انداز ہ معاصر فارسی شاعروں سے مختلف ہے۔آپ کی شاعری خالص صوفیانہ ہے، جو کہیں کہیں اشعار کی شکل میں نظر آتی ہیں۔البتہ ابھی تک شاعری کے حوالے سے کوئی مسودہ یا کوئی تصنیف جو صرف شاعری پر مشتمل ہو، دستیاب نہ ہو سکی۔

شیخ شرف الدین منیری مؤرخین کی نظر میں

شیخ شرف الدین منیری کی علمی قابلیت کو ہر زمانے کے جلیل القدر علماء ومشائخ نے تسلیم کیا ہے اور آپ کے ملفوظات ومکاتیب کو اپنے مطالعہ کا مشغلہ بنایا ہے۔

مخدوم شاہ شعیب بن جلال منیری لکھتے ہیں:

''شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری طریقت وحقیقت کے مشائخ کبار سے تھے۔ مجاہدہ وریاضت میں ان کی شان عجیب تھی، سلوک سے پیشتر آپ پر جذب کا غلبہ تھا۔، جنگلوں کہساروں میں ریاضت وعبادت میں تیس سال بسر کیے۔ آپ کا مقصود ومطلوب صرف ذات الٰہی تھی۔ تارک ماسوااللہ تھے اور آپ کی نظر میں دنیا معدوم تھی۔'' ۱۴۴

علامہ ابوالفضل آئینۂ اکبری میں لکھتے ہیں:

''مخدوم یحییٰ بن اسرائیل کے صاحب زادے شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ایک بلند پایا صوفی تھے اور حضرت گنج شکر سے کسب فیض حاصل کیا تھا۔ ابتداءً کہساروں اور بیابانوں میں ریاضت کی پھر اپنے برادر بزرگ شیخ خلیل الدین کے ہمراہ شیخ نظام الدین اولیاء کی زیارت کے لیے دہلی پہنچے۔ مخدوم نے بہت سی تصنیفات یادگار چھوڑیں۔ مکتوبات شیخ نفس کشی کے لئے بے حد مفید ہیں، آپ کی خواب گاہ بہار خاص ہے۔'' ۱۴۵

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار میں رقم طراز ہیں:

''شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ہندوستان کے مشاہر مشائخ میں ہیں۔ ان کی منقبت کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان کی تصانیف بلند پایہ ہیں، ان

میں مکتوبات مشہور اور لطیف ترین تصنیف ہیں۔'' ۱۴۶ؔ

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں:

''شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا شمار ہندوستان کے اولیاء اور مشائخ کبار میں ہے۔ ریاضت، اخلاص، عبادت اور تقویٰ و رشد و ارشاد میں یگانہ و یکتا تھے۔'' ۱۴۷ؔ

حضرت جلال الدین بخاری فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔'' ۱۴۸ؔ

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں:

'' مکتوبات شیخ شرف الدین کفر صد سالہ مابر کف نمود''، یعنی شیخ شرف الدین مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔'' ۱۴۹ؔ

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ فرماتے ہیں:

''اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کندتا فریب نفس و وساوس خناس دریابد''، یعنی اگر کسی کا مرشد موجود نہ ہو تو مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا مطالعہ کرے تا کہ وساس وخناس اور فریب نفس سے آگاہی حاصل ہو۔'' ۱۵۰ؔ

مولانا مناظر احسن گیلانی مخدوم کے بارے میں فرماتے ہیں:

''دینی و علمی برتریاں جو حضرت مخدوم کو بارگاہ ربانی سے ارزانی فرمائی گئی ہیں ان سے تو دنیا واقف ہے لیکن کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں حضرت سعدی، شیرازی کے بعد کسی کا نام ہند ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر

لیا جا سکتا ہے تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہو سکتے ہیں۔''۱۵۱

پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں:

''طریقہ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔''۱۵۲

سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے عظیم المرتبت شیخ جلال الدین پانی پتی (م ۷۶۵) ان مکتوب کی فادیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''مخدوم کے مکتوبات کے مطالعہ کے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر انوار الٰہیہ کی بارش ہو رہی ہے۔''۱۵۳

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے کہ شیخ مخدوم الملک منیری اپنے مریدوں کے نام لکھے مکتوبات کی وجہ سے معروف و مشہور ہوئے۔

"Shaykh Makhdum al-mulk Maniri (d782)
are famous for the their letters to
disciples." ۱۵۴

مخدوم الملک شرف الدین احمد یحیٰ منیری المعروف بہ مخدوم الملک، بہار کے مشہور شیخ طریقت اور بر گزیدہ عالم تھے۔۱۵۵

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔۱۵۶

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سلسلہ فردوسیہ کے عظیم مشائخ میں سے ہیں اور ان کی وجہ سے ہندوستانی تاریخ میں سلسلہ فردوسیہ کے ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا ہے۔

"with the emergence of Shaikh Sharfuddin yahya Maneri as a great Firdausi Sant,a new chapter opend in the history of the Firdausi silsila in India " ref.157

وقت وصال

دنیا میں بے شمار ایسی شخصیات گذری ہیں جن کے دنیا میں آنے اور دنیا سے جانے کے حالات کو تذکرہ نگاروں نے اس اسلوبی سے قلم بند کیا ہے کہ جن سے ان کے تمام احوال وکمالات اور خدمات کا بحسن وخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری بھی انہیں برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جن کے وصال سے قبل جو بھی واقعات پیش آئے، اور مخدوم نے اپنے آخری وقت میں کس طرح سے اپنے مریدوں کو درد بھرے لہجے میں پکارا، انہوں نے ایسے حالت میں بھی کہ جب روح نکلنے والی ہے اور شریعت کا پاس لحاظ، ان سب کو مخدوم کے خلیفۂ خاص، جو ان تمام واقعات کے عینی شاہد بھی ہیں شیخ زین بدر عربی نے بڑے اچھے انداز میں قلم بند کیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

> ''کسی امت کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور ان کے دمِ واپسی کے حالات اس قدر مؤثر، یقین افروز، اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابر اسلام کے محفوظ کیے ہیں۔'' ۱۵۸

وفات نامہ

مولانا زین بدر عربی کے لکھے ہوئے وفات نامے کو من وعن یہاں پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بے نظیر استقامت اور جذبۂ اتباع شریعت کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت زین بدر عربی فرماتے ہیں:۔

> ''چہار شنبہ کا دن تھا اور ۵رشوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں حاضر خدمت ہوا، نماز فجر کے بعد اس نئے حجرے میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کے لئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمش الدین، مولانا شہاب الدین، (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا

ابراہیم، مولانا آموں، قاضی میاں، ہلال وعقیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا: **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم** . پھر حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا: تم بھی کہو۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور سب نے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم** پڑھا اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا: سبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے۔ ، خدا کا فضل وکرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہوسکتی ہے؟ پھر آپ نے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم** پڑھنا شروع کیا ، اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ ووظائف میں مشغول ہوگئے۔ چاشت کے وقت ان سے فارغ ہوئے ، کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہوئے ، بآواز بلند **الحمدللہ الحمدللہ** کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا۔ **المنّۃ اللہ المنّۃ اللہ** کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے رہے، فرماتے جاتے تھے۔ **الحمدللہ الحمدللہ المنّۃ اللہ المنّۃ اللہ**۔

بعد ازاں مخدومؒ حجرہ سے صحن حجرہ میں تشریف لائے ، اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے ، جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں۔ آپ نے قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لیے رہے ، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا ، خدام کو رخصت کرنے کا آغاز انہیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینۂ مبارک پر رکھا اور فرمایا، ہم وہی ہیں ہم وہی ہیں پھر فرمایا: ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں۔ پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا: نہیں! بلکہ ہم ان دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا: ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کے امیدوار رہنے کی تاکید فرمائی

اور بلند آواز سے کہا: **لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً.** پھر یہ شعر پڑھا۔

ایا رحمت دریا ئے عام است

از آنجا قطرۂ برما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا **لاتقنطوا من رحمة الله** لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا۔اس کے بعد کلمۂ شہادت بلند آواز پڑھنا شروع کیا:۔**اشهد ان لا الٰه الاالله وحده لاشریک له واشهد انّ محمّدًا عبده ورسوله.**

یہ الفاظ بھی ادا کیے: **رضیت با للّٰه رباً وبا لاسلام ربنا و بمحمد صلی الله علیه وسلم نبیّاو بالقرآن اماماو بالکعبةقبلة وبالمومنین اخواناو بالجنة ثواباو بالنار عذابا.** اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔اوران کے حال پر بڑی عنایت ومہربانی فرمائی پھر زبان مبارک سے فرمایا: آموں! مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑ کر آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چہرۂ مبارک پر ملنے لگے۔فرمایا:۔تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوروں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا **لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً.** اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا۔دوستوں سے کہوں خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو رہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔

اس کے بعد ہلال اور عقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم نے ہم کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہو گے اور ہمیشہ خوش

رہو گے۔ تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا ''بامراد رہو گے''۔

اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپ نے کئی مرتبہ ان کے سر، چہرہ، داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے۔ اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ آپ نے ہاتھ نیچے کر لیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر تھی اور وہ بھی درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین خواہر زادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر۔

اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا اور فرمایا: ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ بہت خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے اپنی تمام انگلیوں سے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے۔ مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں، خلافت اور مقتدائی کے لئے جو شرائط واوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا، اس سے ان غریبوں کو فتنۂ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔

اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے کچھ پیش کیا اور عرض کیا: مخدوم اسے قبول فرمائیں؟ فرمایا: میں نے قبول کیا، یہ کیا ہے میں نے تو تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی، انہوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس درمیان میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کروایا اور عرض کیا: یہ قاضی مینا ہیں؟ فرمایا: قاضی مینا قاضی مینا! قاضی مینا نے کہا حضرت میں حاضر

ہوں اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے ان کا ہاتھ اپنے چہرہ وریش مبارک ورخسار پر پھیرا اور فرمایا: خدا کی تم پر رحمت ہو، با ایمان رہو اور با ایمان دنیا سے جاؤ، از راہ شفقت یہ بھی فرمایا کہ: مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے آپ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، با آبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا: مخدوم، مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا ہم سب سے راضی ہیں، تمہیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہئے۔ جو کچھ ہے میری طرف سے ہے۔

اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نورالدین حاضر ہوئے، آپ نے قاضی نورالدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی داڑھی، چہرہ و رخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ: تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے۔ اس کے بعد مولانا نظام الدین کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آ گیا تھا، یہ کہہ کر کلاہ مبارک اپنے سر سے اتار کر ان کو عطا فرمائی اور حسن عاقبت کی دعاء فرمائی اور فرمایا حق تعالیٰ تمہیں مقصود تک پہنچائے۔

پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوستو! جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو۔

اس کے بعد کاتب سطور زین بدر عربی نے دست مبارک کو بوسہ دیا، اپنی آنکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: گدائے آستانہ توجہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سر نو غلامی میں قبول فرمایا جائے! فرمایا: جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارے گھر اور تمہارے خاندان والوں کو قبول کیا۔، خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا: مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔

فرمایا: امیدیں تو بہت ہیں ۔قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدوم کے پہلو میں بیٹھ گئے ۔مولانا شہاب الدین، ہلال وعقیق نے عرض کیا کہ: مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے۔ کئی جگہ میں اس کو فرزند لکھ چکا ہوں، خط میں اس کو میں نے برادرم بھی لکھا ہے۔ان کو علم درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی، انہیں کی خاطر اتنا کہنے اور لکھنے کی نوبت پیش آئی ورنہ کون لکھتا۔

اس کے بعد برادرم خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علماء درویش چھوڑیں گے نہیں ۔ایک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا، اس کو میرا اسلام ودعا پہنچانا میری طرف سے بہت معذرت کرنا، اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں، تم بھی راضی رہنا۔فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل بہت متاثر تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا: خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔اس کے بعد فرمایا: کون ہے؟ ہلال نے عرض کیا کہ: مولانا محمود صوفی ہیں ۔آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ: بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کے لئے حسنِ عاقبت کی دعاء کی ۔اس کے بعد قاضی خان خلیل حاضر خدمت ہوئے ۔فرمایا:۔ بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے اور عاقبت بخیر ہو، اور حق تعالیٰ دوزخ سے رہائی دے۔ اس کے بعد خواجہ معزالدین مشرف بہ خدمت ہوئے ۔فرمایا: عاقبت بخیر ہو پھر مولانا فضل اللہ نے قدم بوسی کی ۔فرمایا: بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور

قدموں میں گر گیا۔ فرمایا: بیچارہ فتوحا جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دعا عاقبت فرمائی۔ اس کے بعد مولانا شہاب الدین نے شرف قدم بوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کروایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا: انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ اور رحمت حق کے امیدوار ہو کر پڑھو **لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً**.

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، آپ نے سید ظہیر کو بغل میں لے لیا، اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا: میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے۔ اس کے بعد تین مرتبہ ان کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی: **لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً**. اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا امیدوار بنایا۔ اس کے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور سید ظہر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں۔ اس کے بعد سلطان شاہ برگنہ دار راجگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوئے اور ایک روغن کا سرِ ریاح پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان دے کر معذرت کی، اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر قینچی طلب کی، قینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی اور فرمایا: جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی، اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثناء میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدان خاص میں سے ہیں آئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور

آ کر بیٹھ گئے، آپ کی نظر لڑکے پر پڑی۔ آپ نے فرمایا: پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟
حاضرین نے عرض کیا، ابھی چھوٹا ہے۔ سید ظہیرالدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا۔ میاں
ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے، انہوں نے
اس لڑکے کو بلایا، اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیرالدین نے بھی جب یہ
محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضہ ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ
قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورہ فتح کی آ
خری رکوع کی آیتیں **محمد الرسول الله و الذین معه** پڑھنی شروع کیں۔

حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے سے آرام فرما رہے تھے۔ اٹھ بیٹھے، اور معمول قدیم کے
مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے۔ لڑکا جب **لیغیظ
بھم الکفار** پر پہنچا تو مرعوب ہوگیا اور اس سے پڑھا نہ جاسکا، آپ نے اس کو آگے کے
لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرأت ختم کی تو آپ نے فرمایا: اچھا پڑھتا ہے اور
خوب ادا کرتا ہے لیکن مرعوب ہو جاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا
ذکر کیا کہ کبھی اس کی طبیعت حاضر ہوتی تھی، اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا۔ کبھی
طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کا حکم ہوا اور معذرت فرمائی۔ آپ نے
پیراہن جسم سے اتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب کیا، آستین سمیٹی، مسواک مانگا،
آواز سے بسم اللہ بڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں، کہنیوں تک
دونوں ہاتھ دھوئے، منہ دھونا بھول گئے۔ شیخ فریدالدین نے یاد دلایا کہ منہ دھونا رہ گیا،
آپ نے از سر نو وضو کرنا شروع کیا اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح سے آئی
ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیرالدین اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے

اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط ! قاضی زاہد نے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدوم نے ان کو روک دیا، اور فرمایا: کھڑے رہو! اس کے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی میں کنگھی کی۔

اس کے بعد مصلےٰ طلب کیا، نماز شروع کی اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان ہو جانے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا، شیخ جلیل الدین نے عرض کیا کہ حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہو گیا ہے؟ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا، دوسرا مولانا شہاب الدین کے کاندھوں پر۔ حجرہ میں آپ ایک شیر کی خال پر لیٹ گئے۔ میاں منور نے بیعت توبہ کی درخواست کی، آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ان کو توبہ و بیعت سے سرفراز کیا اور ان کے سر کے بال دونوں جانب سے تھوڑے تراشے، ان کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دوگانا ادا کرو۔ یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی۔ اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر ہوئی اور شرف قدم بوسی حاصل کیا۔

نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے عرض کیا کہ حضرت چارپائی پر آرام فرمائیں۔ آپ چارپائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔ نماز مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نورالدین، ہلال اور عقیق، اور دوسرے احباب و خدام جو خدمت میں مصروف تھے چارپائی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم نے کچھ دیر کے بعد با آواز بلند بسم اللہ کہنے شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا **لاالٰہ الا انت سبحا**

نک انی کنت من الظالمین اس کے بعد بار بار بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا، پھر کلمۂ شہادت اشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و اشھد ان محمداعبدہ ورسولہ اس کے بعد فرمایا: لاحول ولاقوۃ الابا للہ العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمۂ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم ، بسم اللہ الرحمن الر حیم ، لاالہ اللہ محمد الرسول اللہ ،اس کے بعد بڑے اہتمام سے اور دل کی بڑی قوت اور بڑے ذوق وشوق سے محمد ، محمد ، محمد ، اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰ ل محمد پھر یہ آیت پڑھی: ربنا انزل علینا مائدۃ من الماء تاآخر ،رضیت با للہ ربا وبالاسلام ربنا و بمحمد صل اللہ علیہ وسلم نبیاالخ۔

اس کے بعد تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا، پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی دعاء اور مناجات کرتا ہے، فرمایا؛ اللھم اصلح امۃ محمد اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اغفر لامۃ محمداللھم تجاوز عن امۃ محمداللھم اغث امۃ محمداللھم انصر من نصر دین محمد اللھم فرّج عن امۃ محمدفرجاعاجلااللھم اخذل من خذل دین محمد برحمتک یا ارحم الراحمین ،

ان الفاظ پر آپ کی آواز بند ہوگئی، اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ، لاالہ الا اللہ اس کے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا، اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۶ رشوال ۸۲ے ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔ ۱۵۹ھ

نماز جنازہ اور تدفین

آپ کی نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی تھی جو انتقال کے بعد پہنچے تھے۔ لطائف اشرفی میں مخدوم جہاں کے خود وصیت اور پیشگوئی فرمانے اور حضرت جہانگیر اشرف کے وہاں پہنچنے اور پھر اس کے بعد نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ روایت یہ ہے کہ شیخ اشرف جہانگیر دہلی سے بنگالہ سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری پنڈوی کی خدمت میں تشریف لے جا رہے تھے ۔، راستے میں بہار شریف اسی وقت پہنچے جب حضرت مخدوم کا جنازہ تیار کر کے راستے پر رکھ دیا گیا تھا۔ سب امام کا انتظار کرنے لگے۔ شیخ اشرف جہانگیر تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا مزار بہار شریف میں ہے اور وہاں بڑی درگاہ کے نام سے معروف وخاص و عام ہے۔[١٦٠]

ماخذ ومصادر

۱۔ تاریخ بہار، ندیم گیا، ۱۹۳۱ء۔۱۹۴۵ء سے انتخاب، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، صفحہ ۸

۲۔ سید انوار الحق، آثار شریف، صفحہ ۱۴

۳۔ سطوط بانو، بہار کے اہم فارسی صوفی شعراء، ایک مطالعہ، شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۰۴، صفحہ ۲۰

۴۔ تاریخ بہار، ندیم گیا، ۱۹۳۱ء۔۱۹۴۵ء سے انتخاب، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، صفحہ ۸

۵۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، شبلی اکیڈمی، مطبع، معارف، اعظم گڑھ، صفحہ ۳۵۰۔ ایضاً، قرون وسطیٰ کے بہار میں اسلامی تصوف کی تاریخی اہمیت۔ ''مضمون'' سید حسن عسکری، پٹنہ، سالنامہ ساتھی، ۱۹۵۲ء

۶۔ سید ضمیر احمد۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۴۳

۷۔ تاریخ بہار، ندیم گیا، ۱۹۳۱ء۔۱۹۴۵ء سے انتخاب، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، صفحہ ۸

۸۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۴۴

۹۔ سطوط بانو، بہار کے اہم فارسی صوفی شعراء، ایک مطالعہ، شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۰۴، صفحہ ۲۰

۱۰۔ سید ضمیر احمد۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، ص ۴۵

۱۱۔ سید ضمیر احمد۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، ص ۴۰

۱۲۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ ۲۰۰۱ء ص ۲۶۴

حضرت شاہ شعیب اور حضرت مخدوم جہاں آپس میں چچازاد بھائی ہیں۔ دونوں کے دادا حضرت امام فقیہ کے صاحبزادے تھے، اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے حالات کا قدیم اور خاندانی ماخذ ہے۔

۱۳۔ سید صدر الحسن، نقوش شرف، ناشر بزم فردوسیہ ٹرسٹ، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۴۲

۱۴۔ نقوش شرف، صفحہ ۴۳

۱۵۔ محمد معین الدین دردائی۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، مطبوعہ تاج پریس، باری روڈ، دھامی ٹولہ (گیا) ۱۹۶۲ء، صفحہ ۱۴۸

۱۶۔ سید ضمیر احمد۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، ص ۴۰

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ سید شاہ نجم الدین فردوسی ،حیات ثبات ،غیر مطبوعہ ، و تاریخ سلسلہ فردوسیہ،مطبوعہ تاج پریس ،باری روڈ ،دھامی ٹولہ (گیا)۱۹۶۲ء،صفحہ ۱۳۸

۲۰۔ ابوعمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوز جانی ،طبقات ناصری ، فارسی ،کلکتہ ۱۸۶۴ء،صفحہ ۱۴۸۔

۲۱۔ طبقات ناصری ،صفحہ ۱۴۸ ونقوش شرف ،صفحہ ۵۲

۲۲۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ ۲۶۳،مزید وسیلہ شرف وذریعہ دولت ،صفحہ ۱۲

۲۳۔ مقالہ مطیع امام ،مہر نیمروز،شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء،صفحہ ۲۹

۲۴۔ نقوش شرف ،صفحہ ۴۰

۲۵۔ وسیلہ شرف وذریعہ دولت ،صفحہ ۴۷

۲۶۔ نقوش شرف ،صفحہ ،۴۸

۲۷۔ وسیلہ ءشرف وذریعہ دولت ،صفحہ ۴۷

۲۸۔ سید شاہ مراد اللہ منیری ،آثار منیر ، ناشر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۱۹۴۸ء،صفحہ ۲۵

۲۹۔ نقوش شرف ،صفحہ ۶۴،وکنز الانساب ،صفحہ ۵۰

۳۰۔ سیرت الشرف ،صفحہ ۵۷

۳۱۔ سید شاہ فرزند علی منیری ،وسیلہ شرف وذریعہ دولت ، مطبع احسن المطابع پٹنہ،۱۳۱۳ھ،صفحہ ۱۱

۳۲۔ سیرت الشرف ،صفحہ ،۷۶

۳۳۔ تذکرہ ءہندو پاک ،ڈاکٹر ظہور الحسن شارب ، ناشر الفیصل ،لاہور،،صفحہ ۹۶

۳۴۔ نقش شرف ،صفحہ ،۷۰

۳۵۔ تاریخ فردوسیہ ،صفحہ ۱۴۰

۳۶۔ معدن المعانی ،صفحہ ۸۶

۳۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی ۔تاریخ دعوت وعزیمت ، مطبع ،کاکوری آفسیٹ پریس لکھنوء ۲۰۰۶ء،ج ،۳،صفحہ ۱۸۰،

۳۸۔ سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی۔آئینۂ مخدوم جہاں، ناشر، مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف، پکی تالاب بہار شریف نالندہ، طبع اول،۲۰۱۲ء،ص،۸۲

۳۹۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی۔مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ۔مطبع، اصلیہ پریس، دہلی، ۲۰۰۱ء،ص.۲۶۵۔

۴۰۔ سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی۔آئینۂ مخدوم جہاں، ناشر، مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، پکی تالاب بہار شریف، نالندہ، طبع اول،۲۰۱۲ء،ص،۸۲

۴۱۔ وسیلۂ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۱۴، مقالہ مطیع الامام میں زین بدر عربی نے لکھا ہے، سیرت الشرف۔

۴۲۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج ا صفحہ، ۱۸۰

۴۳۔ نقوش شرف، صفحہ، ۸۴

۴۴۔ دعوت وعزیمت، ج،۳، صفحہ، ۱۸۰

۴۵۔ سید ضمیر احمد۔سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۴۸

۴۶۔ خوان پر نعمت، صفحہ، ۶۱

۴۷۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی۔مناقب الاصفیاء، مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ، مطبع، اصلیہ پریس، دہلی ۲۰۰۱ء صفحہ ۲۶۵

۴۸۔ سید ابوالحسن علی ندوی۔تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات، لکھنوء ۲۰۰۶ء ج،۳، صفحہ ۱۸۲

۴۹۔ سید ضمیر احمد۔سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۵۰۔۵۱

۵۰۔ نقوش شرف، صفحہ، ۸۵

۵۱۔ نقوش شرف، صفحہ، ۸۶۔مناقب الاصفیاء، صفحہ، ۲۹۔۳۲

۵۲۔ مقالہ مطیع الامام، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۲ء صفحہ، ۲۲

۵۳۔ وسیلۂ شرف وذریعہ دولت۔صفحہ، ۱۷

۵۴۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ، ۱۴۳

۵۵۔ سیرت الشرف، صفحہ ۵۰

۵۶۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۵

۵۷۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، ناشر، مکتبہء شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ، ۲۰۰۱ء صفحہ ۲۶۵

۵۸۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مطبع، کاکوری آفسیٹ پریس لکھنوء ۲۰۰۶ء، ج ۳، صفحہ ۱۸۲

۵۹۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ، ۲۰۰۱ء صفحہ ۲۶۵۔

۶۰۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۳، صفحہ ۱۸۴

۶۱۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ، ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۶۶

۶۲۔ ایضاً، ص، ۲۶۶

۶۳۔ سید ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۳، صفحہ ۱۸۴۔

۶۴۔ سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی، آئینہ مخدوم جہاں، ناشر، مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، پکی تالاب بہار شریف، نالندہ، طبع اول، ۲۰۱۲ء، صفحہ ۸۲

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی مناقب الاصفیاء، مکتبہء شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف نالندہ، صفحہ ۲۶۶

۶۷۔ ایضاً

۶۸۔ وصیت نامہ، اردو ترجمہ، ڈاکٹر علی ارشد شرفی، ناشر مکتبۂ فردوسیہ، خانقاہِ شرف، ذاکر نگر، جمشید پور، ۲۰۰۶ء، صفحہ، ۶۶ اس کا قلمی نسخہ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ بہار شریف میں موجود ہے۔

۶۹۔ بزم صوفیہ، صفحہ، ۳۵۸

۷۰۔ ایضاً، صفحہ ۲۶۷

۷۱۔ آئینہء مخدوم جہاں، صفحہ ۹۳

۷۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، شبلی اکیڈمی، مطبع، معارف، اعظم گڑھ، صفحہ ۳۵۸
ایضاً مناقب الاصفیاء، وسیرت الشرف، ص ۶۵

۷۳۔ سیرت الشرف، صفحہ ۶۹

۷۴۔ ایضاً، صفحہ ۷۵

۷۵۔ ایضاً،نوٹ: مجھے لگتا ہے کہ یہ عبارت ''کہ میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر فی المثل پہاڑ کرتا تو پانی ہوجاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا'' مخدوم جہاں کے نہیں بلکہ یہ عقیدت مندوں نے مخدوم جہاں کی طرف منسوب کر دیا ہے کیوں کہ شیخ شرف الدین منیری جس پائے کے بزرگ ہیں ان سے اپنی عبادت کے بارے میں تفاخر کے کلمات صادر ہوں محل نظر ہے۔

۷۶۔ ایضاً

۷۷۔ وسیلہ شرف وذریعہ دولت،صفحہ۲۳

۷۸۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ۲۶۹

۷۹۔ نفحات الانس،صفحہ،۲۲،مطالعہ تصوف،ڈاکٹر غلام قادر لون،مرکزی مکتبہ اسلامی،دہلی ۲۰۱۱،صفحہ ۶۶

۸۰۔ مکتوبات صدی،مجلس ۲۲،صفحہ۱۷۵

۸۱۔ مناقب الاصفیا،صفحہ۲۶۹

۸۲۔ ایضاً

۸۳۔ ایضاً

۸۴۔ بزم صوفیہ،صفحہ۳۶۰

۸۵۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری،دیار یورپ میں علم اور علماء،صفحہ،۳۱،ندوۃ المصنفین،اردو بازار،جامع مسجد،دہلی،سن اشاعت: فروری ۱۹۷۹ء۔۱۳۹۹ھ

۸۶۔ طبقات اکبری،فاری،صفحہ۳۲۰ ومعارف،ج،۸۴،دسمبر،۱۹۵۹

۸۷۔ منتخب التواریخ،فارسی،صفحہ۱۶۰،۔معارف،ج،۸۴،دسمبر،۱۹۵۹۔

۸۸۔ فرشتہ،فارسی،ج،اول،صفحہ۲۱۱،معارف،ج،۸۴،دسمبر،۱۹۵۹۔

۸۹۔ شاہ عالم نامہ فارسی،صفحہ۱۱۶۔

۹۰۔ سیرت الشرف،صفحہ۸۷

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ وسیلہ شرف وذریعہ دولت،صفحہ،۵۶

۹۳۔ مقالہ مطیع الامام،مہر نیمروز،شمارہ جولائی،اگست ۱۹۷۳،صفحہ،۱۹

۹۴۔ نقوش شرف،صفحہ،۱۲۶

۹۵۔ شیخ آموں، ملفوظ تحقیقات المعانی،صفحہ ۴۴

۹۶۔ مکتوبات دوصدی،مکتوب ۹۵،صفحہ ۴۳۸

۹۷۔ مکتوبات دوصدی، مجلس ۹۲

۹۸۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ ۲۷۶

۹۹۔ نقوش شرف،صفحہ ۱۲۹

۱۰۰۔ وسیلۂ شرف وزریعہ دولت،صفحہ ۵۲

۱۰۱۔ راحت القلوب، ماخوذ از نقوش شرف،صفحہ ۱۳۱،مقالہ مطیع الامام،مہر نیمروز،شمارہ مارچ ۱۹۷۳،صفحہ ۲۵

۱۰۲۔ سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ۱۹۹۴ء ص ۴۴

۱۰۳۔ مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز،شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۳،صفحہ ۱۹ تا ۲۰۔ ماخوز از نقوش شرف،صفحہ ۱۳۲

۱۰۴۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ،صفحہ ۲۴۴

۱۰۵۔ بزم صوفیہ،صفحہ ۳۸۲

۱۰۶۔ خواجہ سیف الدین، مکتوبات، جلد سوم،مکتوب نمبر ۲۲ ملخصاً، معارف کراچی، ۲۰۰۵ء

۱۰۷۔ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، مطبع نور الآفاق کلکتہ، ۱۸۹۵ء، مخدوم جہانیان جہاں گشت، از پروفیسر محمد ایوب قادری ایجوکیشنل پریس پاکستان، ۱۹۷۵ء

۱۰۸۔ مآثر عالمگیری، فارسی،صفحہ ۵۳۱۔ معارف، ج ۸۴، دسمبر ۱۹۵۹۔

۱۰۹۔ رسالہ المیز ان، کا صوفیہ نمبر، جلد اول، زیر انتظام صوفی فاؤنڈیشن، ۲۰۱۰ء،صفحہ ۳۱۹

۱۱۰۔ ایضاً

۱۱۱۔ ایضاً

۱۱۲۔ دیباچہ، مکتوبات صدی، قلمی نسخہ، ورسالہ المیز ان، کا صوفیہ نمبر، جلد اول، زیر انتظام صوفی فاؤنڈیشن، ۲۰۱۰ء صفحہ ۳۲۰

۱۱۳۔ ایضاً

۱۱۴۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، ۲۰۱۱، صفحہ ۳۸۰

۱۱۵۔ مکتوبات صدی، ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان، چوک کراچی، سن ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۷۵

۱۱۶۔ انڈیا آفس کیٹلاگ، صفحہ ۱۰۲، نمبر ۱۸۴۴ و یز ایشیاٹک سوسائیٹی کیٹلاگ، صفحہ ۵۷۴

۱۱۷۔ تاریخ دعوت و عزیمت، صفحہ ۲۴۶

ایضاً۔ مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، مکتوبات دو صدی، اردو ترجمہ، مترجم، سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی فردوسی، ۱۹۹۰ء۔

۱۱۸۔ انڈیا آفس کیٹلاگ، ص، ۱۰۲، نمبر ۱۸۴۴ و یز ایشیاٹک سوسائیٹی کیٹلاگ، صفحہ ۵۷۴

۱۱۹۔ مکتوبات دو صدی، مکتوب، مترجم، سید شاہ قسیم احمد شرفی فردوسی، خانقاہ فردوسیہ، کلکتہ، ۱۹۹۰، صفحہ ۲۴

۱۲۰۔ دعوت و عزیمت، صفحہ ۲۴۶

۱۲۱۔ ایضاً، صفحہ ۴۷

۱۲۲۔ مکتوبات دو صدی، مکتوب، ۱۱۵

۱۲۳۔ ایضاً مکتوب، ۹۰

۱۲۴۔ مکتوبات دو صدی، مکتوب، ۹۱

۱۲۵۔ ایضاً مکتوب ۱۲۸

۱۲۶۔ ایضاً

۱۲۷۔ سیرت الشرف، صفحہ ۹۴

۱۲۸۔ دعوت و عزیمت، صفحہ ۲۴۶

۱۲۹۔ بزم صوفیہ، صفحہ ۳۸۱

۱۳۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ادبی دنیا۔ مٹیا محل دہلی، طبع اول، ۱۴۱۴ھ، صفحہ ۲۵۲

۱۳۱۔ ایضاً

۱۳۲۔ مکتوبات بست و ہست، صفحہ ۵۷

۱۳۳۔ بزم صوفیہ، صفحہ ۳۸۲

۱۳۴۔ مکتوبات صدی، مقدمہ، صفحہ ۲۶

۱۳۵۔ صوفیہ نمبر مذکور، صفحہ ۳۲۸

۱۳۶۔ نقوش شرف، صفحہ ۱۷۶

۱۳۷۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۵۳، صفحہ ۳۵۳

۱۳۸۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۵۳، صفحہ ۳۶۱

۱۳۹۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۹، صفحہ ۱۰۶

۱۴۰۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۹، صفحہ ۱۰۷

۱۴۱۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۸، صفحہ ۹۹

۱۴۲۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۸۵، صفحہ ۵۲۰

۱۴۳۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۹۰، صفحہ ۵۵۱

۱۴۴۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۵۸

۱۴۵۔ علامہ ابوالفضل آئینۂ اکبری

۱۴۶۔ اخبار الاخیار۔ صفحہ ۲۵۱

۱۴۷۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۸۷۳ء

۱۴۸۔ نقوش شرف، صفحہ، ۱۷۹

۱۴۹۔ نقوش شرف، صفحہ، ۱۷۹

۱۵۰۔ مکتوبات دوصدی، حصہ دوم، مترجم شاہ الیاس، صفحہ، ۲۸۴

۱۵۱۔ نقوش شرف، صفحہ، ۱۸۰

۱۵۲۔ نقوش شرف، صفحہ، ۱۸۰

۱۵۳۔ صوفیہ نمبر مذکور، صفحہ ۳۲۸

۱۵۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج، ۱۰، صفحہ ۳۲۳

۱۵۵۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد، ۱۲۱، صفحہ، ۱۱۷

۱۵۶۔ تذکرۂ اولیاء ہند و پاک، ملت پبلی کیشنز، فیصل مسجد، اسلام آباد ۱۹۹۹ء، صفحہ ۹۳

۱۵۷۔ مسلم شرائن ان انڈیا، سی، ڈبلیو ٹرول، صفحہ ۲۶۲

۱۵۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، جلد۳، صفحہ۲۲۵

۱۵۹۔ رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی، مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

۱۶۰۔ لطائف اشرفی مطبوعہ، المطابع دہلی، ۱۲۹۵ھ، صفحہ۹۴

۱۶۱۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی، گلزار ابرار، مکتبہ سلطان عالمگیر، لاہور، ۱۴۲۷ھ، صفحہ۵۷، اخبار الاخیار، صفحہ۳۰، منا قب الاصفیاء، صفحہ۲۷۰

باب چہارم

فردوسی تعلیمات اور
شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

باب چہارم

فردوسی تعلیمات اور
حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

فہرست

خلافت

اشغالِ فردوسیہ

عبادات کا آغاز

ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید

نماز بحصولِ شبِ قدر

شبِ عاشورہ کی نماز و دعاء

لیلۃ الرغائب کی نماز اور اس کی دعائیں

اوراد و وظائفِ مسنونہ

وظیفہ پڑھنے اور چھوڑنے پر لعنت کی عالمانہ تاویل

وظیفہ میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرے

نمازِ معکوس

حبسِ دم

مشربِ فردوسیہ کے اذکار و مجاہدہ

پاسِ انفاس

ذکر دو ضربی

ذکر اثبات یک ضربی

شجرۂ فردوسیہ کے وظائفِ پنج گانہ

سلسلۂ فردوسیہ میں روزانہ کے وظائف

مناجات

معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ تعلقات

بادشاہ و امراء سے تعلقات

محمد بن تغلق (عہد حکومت ۱۳۲۵-۵۱ء)

فیروز شاہ تغلق (عہد حکومت ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء)

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

تعلیمات فردوسیہ

سلسلہ فردوسیہ، ایک طرف سے سلسلہ سہروردیہ اور ایک طرف سے سلسلہ شطاریہ سے فیض یاب ہے اور بنیادی طور سے انہیں دونوں کی منفرد شاخ ہے جیسے گنگا اور جمنا دوندیوں کی شاخ سرسوتی ندی ہے۔اسی لئے سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کی تعلیمات اور معمولات پر ان دونوں سلسلوں کی تعلیمات اور معمولات کے اثرات نمایا نظر آتے ہیں۔

تعلیمات کی دو جہتیں ہیں:

☆ نظریاتی

☆ عملی

اسی طرح معمولات کی بھی دو جہتیں ہیں:

☆ انفرادی

☆ روایتی

اور ہر دو کی دونوں جہتوں کے علاوہ چند مشترکہ تعلیمات، معمولات اور مشترکہ اقدار بھی ہیں جو دوسرے سلسلوں میں بھی پائے جاتے ہیں یہاں ان کا تذکرہ ضروری نہیں۔اور معمولات بھی تعلیمات کی عملی تدبیرو تصویر ہوتی ہیں اس لئے تعلیمات کے بعد معمولات کا تذکرہ بحث کا حصہ ضرور ہے۔مثلاً نظریہ توحید، نظریہ ارکان اسلام، (کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ) نظریہ اخلاق، انسانی رشتے کی قدر، اخلاق وآداب، محبت و بھائی چارگی، معمولات خانقاہی، روایتی، موروثی معمولات، بیعت وارادت اور خلافت واجازت کے شرائط، مریدین وخلفاء کی تعلیم وتربیت کے طریقے، نصاب ونظام، وعظ وخطابت کے موضوعات وملفوظات کی نوعیت۔یہ تمام چیزیں تعلیمات سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے قبل اگر سلسلہ فردوسیہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سے قبل کسی فردوسی شیخ نے تعلیمات فردوسیہ کو کتابی شکل میں مرتب ہی نہیں کیا تھا اور نہ کسی کی اس حوالے سے کوئی تصنیف ہی ملتی ہے۔

مناقب الاصفیاء کی ایک عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شرف الدین کے دادا پیر شیخ رکن الدین

فردوسی نے ایک کتاب لکھی تھی لیکن وہ کتاب ناپید ہے، مناقب الاصفیاء کے علاوہ کسی بھی تذکرہ نگار نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے باضابطہ تعلیمات فردوسیہ اور معمولات فردوسیہ کو مرتب کیا اور اس حوالے سے کتابیں لکھیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

عقائد پر مشتمل شیخ شرف الدین منیری نے ''عقیدۂ شرفی'' لکھ کر اس میں قیامت ، ایمان کے شرائط ،ارکان ایمان ، ایمان مجمل ، ایمان مفصل ، ایمان میں استثناء اور شک ، اسی طرح ایمان میں کمی و زیادتی وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اوراد و وظائف پر مشتمل ''اورادخورد'' کے نام سے ایک نایاب تحفہ اسیران سلسلہ فردوسیہ کو عطا کیا۔ آپ نے صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات سونے کے وقت تک کے اوراد و وظائف کو اس تصنیف لطیف میں لکھ دی ہیں۔

اس کے علاوہ کثیر تعداد میں ملفوظات و مکتوبات کی شکل میں بیش بہا خزانہ عطا کیا جو سب کی سب فردوسی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ ان تمام خدمات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلسلہ فردوسیہ کو مرتب کرنے میں اور اس کو فروغ دینے میں شیخ شرف الدین منیری کا جتنا حصہ ہے، کسی اور کا نہیں۔ اس لئے جب یہ واضح ہو گیا کہ تعلیمات فردوسیہ کو مرتب کرنے میں شیخ شرف الدین منیری سرفہرست نظر آتے ہیں پھر بعد کے بعض مشائخ فردوسیہ نے بھی اس طرف توجہ دی ہے تو انہیں مشائخ کی کتابوں کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ فردوسی تعلیمات کیا ہیں؟ اور کیا یہ تعلیمات قرآن و سنت کے عین مطابق ہیں یا نہیں۔ سب سے پہلے توحید سے گفتگو کا آغاز کیا جاتا ہے۔

توحید

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر اعتبار سے وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا تن تنہا سارے عالم کا پیدا کرنے والا ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دنیا کی ہر ایک چیز اس ہستی برحق کی وحدانیت پر دال ہے اور گواہی دے رہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔

شیخ شرف الدین احمد منیری فرماتے ہیں کہ ذرّات عالم کا ہر ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے

موجود ہے اور اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں اور اس کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) گویا زبان حال سے ہر ذرہ یہ کہتا ہے کہ ہم معدوم تھے ہمارا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس وقت جو ہم موجود ہیں اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں کیونکہ نیست شئی سے کوئی فعل وجود میں نہیں آ سکتا۔ اسی سے میں نے جانا کہ میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ خدا کے وجود پر ایک گواہی ہے۔

(۲) یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ ذات موجود ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے اس لئے کہ اگر دو خدا ہوتے تو کائنات عالم درہم برہم ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمراں ایک ہی ہے اور وہ خدا ہے۔

(۳) یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ذات جو وحدہٗ لاشریک ہے وہ عالم بھی ہے اس لئے کہ جس چیز کے بارے میں اسے علم نہ ہو وہ چیز اس شان سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایجاد سے پہلے اس چیز کا علم ضروری ہے۔

(۴) جب یہ تینوں باتیں ثابت ہو گئیں تو آخر میں یہ بھی یقین کرنا ہوگا کہ وہ ذات جو وحدہٗ لاشریک ہے وہ عالم الغیب قادر بھی ہے، اس لئے کہ جس کو قدرت نہیں ہوگی وہ کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

> ''عاجز سے کسی شئی کی ایجاد محال ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہر ذرہ اور سب موجودات اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ موجود ہے، واحد ہے، عالم ہے اور قادر بھی ہے۔''[1]

اس کے علاوہ اہل سلوک کے لئے از روئے شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت، اجمالاً توحید کے چار درجے مرتب کیے ہیں اور ہر درجے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مکتوبات صدی کا پہلا مکتوب جسے آپ نے شمس الدین کے نام لکھا ہے اس میں توحید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ توحید کے اجمالاً چار درجے ہیں اور جو اہل توحید ہوتے ہیں ان کی ان چاروں درجے میں مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ پورا اقتباس دیکھیں:

توحید کا پہلا درجہ:

یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے مگر دل سے رسالت وتوحید حق کا منکر ہے۔ ایسے لوگ

زبان شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ یہ توحید مرنے کے وقت یا قیامت کے دن کچھ فائدہ بخش نہ ہوگی۔

توحید کا دوسرا درجہ:

اس کی دو شاخیں ہیں ایک گروہ زبان سے بھی لا الہ اللہ کہتا ہے اور دل میں تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ ماں باپ وغیرہ سے اس نے سنا ہے اسی پر ثابت قدم ہے، اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو زبان سے بھی لا الہ کہتا ہے اور دل میں اعتقاد بھی صحیح رکھتا ہے علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین یعنی علماء ظواہر کہلاتے ہیں۔

رودیدہ بدست آرکہ ہر ذرۂ خاک حامیست جہاں نما کردرد نگری

یعنی جاؤ آنکھیں حاصل کرو خاک کا ہر ایک ذرہ ایک پیالہ ہے جس میں سارا

جہاں دیکھائی دیتا ہے۔

عام مسلمان و متکلمین یعنی علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے کہ شرک جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی وثبات آخرت سے ملحق ہے۔ خلودِ دوزخ سے رہائی بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے، البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے اس لئے ارباب طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنا ہے۔ **عَلَیْکُمْ بِدِیْنِ الْعَجَائِزِ** یعنی بوڑھی عورتوں کے دین کو اختیار کرو، ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ:

موحد مومن با اتباع پیر طریقت مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے، ایسا موّحد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کرسکتا کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ:

کثرت اذکار و اشغال اور ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفات کا ظہور اِس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرہ دکھائی نہیں دیتا، اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرہ نیست ہو جاتا ہے یا ذرہ آفتاب ہو جاتا ہے بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی ذروں کو چھپ جانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا سائبان میں آتی ہے اس وقت ذروں کا تماشہ دیکھو صاف نظر آتے ہیں، پھر آنگن میں نکل کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بندہ خدا نہیں ہوتا. **تَعَالَی اللہ عَنْ ذٰلک علوّا کبیراً** . یعنی اللہ اس سے بہت بلند تر ہے اور نہ ہوتا ہے کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے۔ نابود ہونا اور چیز ہے اور نہ دیکھا جانا اور شے ہے دونو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

پیش توحید او نہ کہنہ نہ نویست   ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

کہ بود ما ز ما جدا مندہ   من و تو رفتہ و خدا ماندہ

اس کی توحید کے سامنے نیا اور پرانا کیا! ہیچ ہی ہیچ ہے۔ وہ وہی ہے جیسا کہ وہ ہے۔ لفظ ما سے ما کب تک الگ رہے گا۔ من و تو بیچ سے اٹھ گیا اور خدا باقی رہ گیا۔[2]

شیخ شرف الدین منیری نے اس شعر میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں نے مجھے ستایا اور فلاں نے فلاں کو مار ڈالا تو اس میں بھی شرک چھپا ہوا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

دریں نوع ہم شرک پوشیدہ است   کہ زیدم بیازرد وعمرم بکشت[3]

حضرت شیخ شرف الدین منیری نے مثالوں کے ذریعہ توحید عامیانہ، توحید متکلمانہ، اور توحید عارفانہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

وحدت الوجود

وحدت الوجود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالم ایک آئینہ کی طرح ہے اور اس آئینے میں سالک جب دیکھتا ہے تو اس کو بعض وقت خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ وحدت الوجود ایک الگ بحث ہے جس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ وحدت الوجود کو شیخ شرف الدین منیری نے کس طرح مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ تم خود آئینہ دیکھو اور اپنے حسن و جمال پر محو ہو جاؤ پھر دیکھو تو یقینی طور پر آئینہ تمہاری نظر سے ایسا لگے گا کہ ساقط ہو گیا ہے یا نہیں۔ وہ ضرور ساقط ہوگا جبکہ ظاہر میں آئینہ ساقط نہیں ہوتا ہے بلکہ آئینہ دیکھنے والوں کے ذہن و دماغ سے آئینہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ایسے عالم میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آئینہ نیست ہو گیا، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آئینہ جمال ہو گیا، یا جمال آئینہ ہو گیا؟ ایسا ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ آئینہ نیست ہو گیا۔ نیست ہونا اور ہے، نہیں دکھائی دینا اور بات ہے۔

یہاں شیخ شرف الدین منیری فنا فی التوحید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس کی نظر میں آفتابِ انوار حق اس شان سے ظہور کرے (جو اوپر گذرا) تو اس کی نظر میں ساری ہستیاں نہ ہونگی تو کیا ہونگی؟ فرماتے ہیں کہ قدرت کا مقدورات میں دیکھنا بلا فرق اسی طرح پر ہوتا ہے۔ صوفیوں کے یہاں اسی مقام کا نام الفناء فی التوحید یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں جو اس مقام پر پہنچ کر نہ جانے کیا کیا کہہ گذرتے ہیں۔ شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر خلاف شریعت افعال سرزد ہو جاتے ہیں۔

گوید آنکس دریں مقام فضول ۔۔۔ کہ تجلی نہ داند او ز حلول

وہ شخص یہاں فضول بکتا ہے، کیونکہ وہ تجلی اور حلول کا فرق نہیں سمجھتا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پر پہنچنے کے بعد سالکین سے شطحیات کا ارتکاب ہوتا ہے اور لاعلمی میں اس کو خدا کا انسان میں حلول سمجھ کر اس پر لعنت و ملامت کیا جاتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو اسی مقام سے خلاف شریعت قدم بڑھانے کی بنا پر پھسل گئے اور گمراہی کی وادی میں بھٹکنے لگے۔

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے اور وہ تجلی اپنا جلوہ دکھاتی ہے مگر خدا انسان میں

حلول نہیں کرتا:

''اس مقام پر اگر شطحیات سالک سے سرزد ہونگے تو اس کی خامی سمجھی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے مگر انسان میں حلول نہیں کرتا، اس مقام میں پہنچ کر سینکڑوں سالک پھسل کر گر چکے ہیں اس خوفناک جنگل سے جان سلامت لے جانا بغیر تائید غیبی وعنایت ازلی ناممکن ہے اور پیر کی مدد بھی ضروری ہے جو پیر حق رسیدہ ہو، صاحب بصیرت ہو، نشیب وفراز سے واقف ہو، شربت قہر جلال اور لطف جمال کا چکھ چکا ہوتا کہ اس ورطہء ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔''[۴]

اسی مکتوب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

''توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہنچے، ہر مرتبہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اسی لئے اَنَا الْحق، وسبحانی ما اعظم شانی وغیرہ کہنا اگر صدق حال نہ ہو تو خود اہل طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں اور جہاں صدق حال ہے، بے شک وہاں کمال ایمان کی دلیل ہے۔''[۵]

توحید کی اس چوتھی قسم میں سالکوں کے لئے جو کہا گیا ہے کہ راہ سلوک میں ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں سالک فنا فی التوحید کے درجے پر پہنچ جاتا ہے، اس کا مطلب ایسا ہرگز نہیں کہ سالک پر ہر وقت اور ہر لمحہ فنائیت طاری رہتی ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اس کیفیت سے باہر نہیں نکل سکتا بلکہ شیخ شرف الدین منیری کے بقول توحید کی اس چوتھی قسم میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں لیکن کسی پر ہفتہ میں ایک ساعت کے لئے فنائیت طاری ہوتی ہے، کسی پر ہر روز ایک ساعت یا دو ساعت یا کسی کا زیادہ تر اوقات عالم استغراق میں گذرتا ہے۔

اللہ کی ذات وصفات

ایک سوال کے جواب میں کہ ذات وصفات کی معرف سے کیا مراد ہے؟ شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا کہ معرفت ذات سے مراد اللہ کی ذات ہے اور وہ ایک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو انسانی ذات کے مثل نہیں سمجھنا چاہئے۔ ذاتہ لیس کذواتنا اس لئے کہ اللہ کی ذات نہ جوہر ہے نہ جسم، وہ زمان ومکان سے پاک ہے، نہ وہ محدود ومتناہی ہے اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے وہم وخیال میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حوالے سے جو بھی چیز یا جو بھی تصور قائم ہوتا ہے وہ اصل میں اللہ کی ذات نہیں ہوتی۔ مخدوم فرماتے ہیں کہ اللہ وہی ہے جو عقل وفہم ووہم سے باہر ہو۔ شعر

آنچہ در وہم تست اللہ نیست
آنچہ پیش تو بیش از ان رہ نیست

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات موصوف ہے اور اس کی صفات کمالیہ نقصان وزوال سے پاک ومنزہ ہے اور معرفت صفات سے مراد صفاتہ لیس کصفاتنا ہے۔ یعنی اللہ کے صفات ہم لوگوں کے صفات کی طرح نہیں ہیں۔ ہماری ذات وصفات تو حادث ہے ختم ہو جانے والی ہے لیکن اللہ کی ذات وصفات قدیم ہے باقی رہنے والی۔ اللہ کی صفات نہ عین ہے نہ غیر اور اللہ کی جتنی صفات ہیں ان سب صفات کا تعلق بھی آپس میں اسی طرح سے ہے کہ نہ عین ہے نہ غیر۔ مثال کے طور پر علم وقدرت۔ علم نہ عین قدرت ہے نہ غیر قدرت، اسی طرح قدرت نہ عین علم ہے اور نہ غیر علم اور اللہ کی ذات وصفات دونوں قدیم ہیں اور اللہ کی تمام صفات قائم بذات خداوند ہے اور یہ نہ عرض کے طور پر ہے اور نہ ہی یہ صفات ذات الٰہی سے منسلک ہے بلکہ الگ ہے۔

کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ کے صفات کو اللہ کی ذات سے الگ کہہ سکتے ہیں؟ شیخ شرف الدین منیری نے جواب دیا ہاں! اہل سنت والجماعت کے نزدیک سب صفتیں ذات سے جدا ہیں۔ اس قول سے اس کا مقصد یہ ہے کہ معتزلہ سے ہمارا مسلک الگ ہے۔[٦]

کسی نے شیخ شرف الدین منیری سے جوہر کے بارے میں سوال کیا کہ جوہر کس کو کہتے ہیں؟

جوہرایک اصطلاح ہے شیخ شرف الدین منیری نے اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات جوہر نہیں ہے، اس لئے کہ جوہر کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ جن اجزاء سے مل کر مرکب وجود میں آتا ہے ان اجزائے مرکب کو جوہر کہتے ہیں۔ جوہر خود کسی سے مرکب نہیں بلکہ کئی جوہر مل کر مرکب بناتے ہیں۔ دوسری تعریف یہ ہے کہ جوشئ قائم بنفسہ ہو، اسے جوہر کہتے ہیں۔ جوہر کی پہلی تعریف کے اعتبار سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو جوہر نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اللہ کی ذات کسی مرکب کا جز وخاص نہیں۔ اس کی شان ان مرکبات سے منزہ ہے اور اہل سنت و جماعت کا مسلک بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل ترکیبات سے مرکب نہیں ہوسکتا۔ جوہر کی دوسری تعریف کہ جو قائم بنفسہ ہو، اس اعتبار سے اللہ کو جوہر کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بھی قائم بنفسہ ہے۔ شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ اللہ کو جوہر نہیں کہنا چاہئے کیونکہ معناً اگر چہ کہنا درست ہے لیکن لفظاً گناہ ہے، اس لئے کہ اسماء وصفات باری تعالیٰ جو کتاب اللہ وحدیث رسول میں مذکور ہے اس کے علاوہ کسی کی کیا مجال کہ اجتہاد کر کے کوئی نیا نام یا کوئی دوسری صفات سے اللہ کو یاد کرے۔ اگر چہ معناً وہ درست بھی ہوں۔ مثال کے طور پر اللہ کو طبیب کہنا معنی کے اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن یہ نام قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے، اس لئے اللہ کو طبیب نہیں کہہ سکتے۔ جو معنی کے اعتبار سے اللہ کو طبیب کہے تو درست ہوگا لیکن لفظاً وہ گناہگار ہوگا۔ [۷]

قاضی صدرالدین نے اس پر سوال کیا کہ حضرت صدیق اکبر نے اللہ کے لئے طبیب کا لفظ استعمال کیا ہے :الطیب امرضنی یعنی اللہ نے مجھ کو بیمار کیا۔ تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ سے ایسی خطا ممکن ہے؟ اس پر شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا کہ معصوم تو صرف نبی ہیں، اس لئے اصحاب رسول سے ایسی خطا ممکن ہے۔ اب یہاں پر مخدوم جہاں اس عبارت کی تاویل کرتے ہیں کہ جب تک غلبۂ علم ہے، اس قسم کے الفاظ کا استعمال درست نہیں۔ ہاں غلبۂ حال ہے تو معذور ہے صرف لفظاً خطا ہوگا۔ شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ کیوں نہ کہا جائے کہ حضرت صدیق اکبر نے غلبۂ حال میں ایسا فرمایا ہو۔ [۸]

اسی مجلس میں کسی نے نفس وذات کے بارے پوچھا تو آپ نے جواب دیا پھر مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت بھی کی:

''ذات سے ہستی مطلق مراد لیتے ہیں اور ایسے چند لفظ ہیں جس سے مراد ہستئ الٰہی ہوا کرتی ہے جیسے۔ عین، شئے، وجود، ذات، نفس۔'' [۹]

اس کے بعد ایک گل سرخ جو آپ کے ہاتھ میں تھا، اس کے ذریعہ سمجھایا کہ:

''دیکھو اس پھول کو عین گل، ذات گل، وجود گل، سب کہہ سکتے ہیں اور سب سے مراد یہی گل کی ہستی ہے اور ان لفظوں کے ساتھ قرآن وحدیث میں جو بیان آیا ہے اس سے مراد ہستی حق ہے سوائے صفات کے کہ وہ ذات سے الگ ہے۔''[۱۰]

خدا کا دیدار

کیا اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟ واقعہ معراج کو سامنے رکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کے حوالے سے مخدوم جہاں فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار محال ہے، ناممکن ہے۔ اپنے سر کی آنکھوں سے اس دنیا میں اللہ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ شیخ شرف الدین منیری کے بقول صحابہ کرام کا دو گروہ اس مسئلے میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں اور دونوں گروہ کے پاس اپنی اپنی دلیلیں بھی ہیں۔ ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا میں خدا کا دیدار ممکن نہیں اور یہ حضرت عائشہ کی روایت پیش کرتے ہیں لیکن دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ حضور ﷺ نے معراج میں خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ گروہ اپنی بات ثابت کرنے کے لئے حضرت ابن عباس، حضرت اسماء، اور حضرت انس کی روایت پیش کرتے ہیں کیوں کہ یہ تینوں حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ معراج کی شب حضور ﷺ نے سر کی آنکھ سے اللہ عزوجل کا دیدار کیا۔ شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں:

''اس گروہ کے عام لوگوں اور ان کے بزرگوں کا خیال ہے کہ بچشم سر نہ دیکھا اور دنیا میں بچشم سر کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا ہے۔ چنانچہ مادر موموناں حضرت عائشہ صدیقہ سے جو روایت ہے اس سے یہی ثابت ہے: **انها قالت من زعم ان محمد ارای الی ربه فقد کذب** یعنی جو شخص کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ عزوجل کو دیکھا اُس نے جھوٹ کہا۔ اور اکثر لوگ اہل سنت و جماعت کے یہی خیال رکھتے ہیں جو حضرت صدیقہ کا قول ہے اور ایک

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں چشم سر سے خدا کو دیکھا اور حضور ﷺ کے لئے یہ بات مخصوص ہے، اس میں خلق اللہ کی شرکت نہیں۔اس کے علاوہ یہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، حضرت اسماء، اور حضرت تینوں اصحاب رسول اس بات کے قائل ہیں کہ رسول خدا نے سر کی آنکھ سے خدا کو دیکھا۔جو گروہ دیدار بچشم سر کا قائل ہے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تین ہستیاں ایسی ہیں کہ تین چیز کے ساتھ مخصوص ہیں: حضرت موسیٰؑ کلام کے ساتھ، حضرت ابراہیمؑ خلت کے ساتھ اور حضور ﷺ دیدار بچشم سر کے ساتھ۔آپ ﷺ کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔''[11]

حضرت شیخ شرف الدین منیری ان دونوں گروہ میں تطبیق کی صورت نکالتے ہوئے نظر آتے ہیں:

فرماتے ہیں کہ عام اہل سنت والجماعت، اللہ کے دیدار کو بچشم سر جائز نہیں سمجھتے ہیں اور جو یہ اس کے قائل ہیں ان کو کافر یا مبتدع ضال بھی نہیں کہتے۔صرف اتنا کہتے ہیں کہ ایسا خیال خطا ہے۔شیخ شرف الدین منیری کی ان عبارتوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ صرف اس بات کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ کو معراج کی شب خدا کا دیدار ہوا، اور یہ ان کا خاصہ ہے۔ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دنیا میں سر کی آنکھوں سے خدا کا دیدار کر سکے۔

تخلیق کائنات

آسمان وزمین کی تخلیق کے حوالے سے سوال کیا گیا کہ ان میں سے سب سے پہلے کس کو اللہ نے پیدا کیا؟ اور آسمان کے تخلیق کی کیفیت کیا ہے؟ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ سے تو یہی ظاہر ہے کہ چھ دن لگے زمین وآسمان کی تخلیق میں جن میں سب سے پہلے زمین کو پیدا کیا گیا، اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی۔اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَاۗءِ(القرآن) پھر اللہ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا آسمان کو پیدا کیا۔پھر سوال کیا گیا کہ زمین کس طرح ختم ہوگی؟ آپ نے جواب دیا کہ زمین بھی ختم کی جائے گی اور یہ اس کے بعد ہوگا جب خلق دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔اہل

بہشت، بہشت میں جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں جائیں گے جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے: **یـــــوم تبـدلُ الارض غیـر الارض.** (القرآن، ۱۴ : ۴۸) یعنی جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے سوا۔ یہ اسی زمین کی طرف اشارہ ہے جس دن یہ زمین فنا ہو جائے گی۔[۱۲]

ایمانیات

ایمان کی شرطیں:

ایمان کے شرائط میں سے یہ ہے کہ بندہ سب سے پہلے اللہ رب العزت پر ایمان لائے اور اس طرح سے لائے کہ ہر طرح کی نفی و اثبات پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز یا ہر شئی کے معبود برحق ہونے کی نفی کر دے اور صرف اسی ایک کے برحق ہونے کا اقرار کرے۔ اس کے بعد حضورﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھے اور اس طرح سے رکھے کہ آپﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا۔ شرائط ایمان کے حوالے سے مخدوم فرماتے ہیں:

> ''ایمان کی شرط یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ملائکہ، کتاب
> اللہ، پیغامبر، قیامت، مرنے کے بعد زندہ ہونا، پر ایمان لانا فرض ہے اور
> خدائے تعالیٰ پر ایمان اس کے بغیر درست نہیں ہوتا ہے اور ان کے انکار کر
> نے سے کفر لازم آتا ہے۔ اس کو ایمان کے شرائط کہتے ہیں۔''[۱۳]

مزید فرماتے ہیں کہ شرائط ایمان کو ایمان کے صفات بھی کہتے ہیں کیوں کہ ہر وہ چیز جو قرآن مجید کے نص قطعی یا حدیث متواترہ یا اجماع سے ثابت ہو، اس کو قبول کرے اور دل سے اس کی تصدیق بھی کرے۔ آپ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہر وہ چیز جو خبر واحد سے ثابت ہو اور تمام فقہا کا، اس پر اتفاق ہو تو بغیر کسی تاویل کے اس پر عمل کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے۔

مثلاً عذاب قبر، پل صراط، میزان، شفاعت اور معراج رسولﷺ بیت المقدس سے آسمانوں تک کا سفر۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری خبر واحد پر ایمان لانے کو واجب قرار دیتے ہیں اور اگر کوئی خبر واحد کا منکر ہو تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں مخدوم فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے

نزدیک کافر ہوجاتا ہے اور بعض کے نزدیک کافر نہیں ہوتا لیکن مبتدع ضرور ہوجاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے فسق پر حکم لگایا گیا ہے اور جو کچھ شریعت سے ہے وہ سب ایمان کا حصہ نہیں اور اس پر عمل کیے بغیر ایمان درست رہتا ہے کیونکہ یہ عمل ارکان سے تعلق رکھتا ہے۔

شریعت اور شرائط میں فرق

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ شریعت اور شرائط میں فرق ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرائط کو ملت (دین) کہتے ہیں اور شرائع کو خدمت (بندگی عبادت) اور ملت بغیر خدمت (بے عبادت) کے بھی صحیح اور درست ہوتی ہے۔ عبادت کرنے کی وجہ سے مذہب میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی یا کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ خدمت یعنی عبادت بغیر ملت یعنی بغیر دین و مذہب کے درست نہیں ہوتی کیوں کہ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ملت میں دوام یعنی ہیشگی شرط ہے اور خدمت یعنی عبادت و بندگی میں ہیشگی کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔

ارکان ایمان

ارکان ایمان کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ شرف الدین منیری اپنی حنفیت بھی ظاہر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلے اس حوالے سے امام شافعی کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے پھر اپنی رائے کو امام اعظم ابوحنیفہ کے قول سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''امام شافعی کے نزدیک 'رکن ایمان' زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد اور ارکان پر عمل کرنا ہے اور ہمارے نزدیک 'رکن ایمان' زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہے اور یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کا بھی ہے اور ان کے اصحاب کا ہے۔''[۱۴]

ارکان ایمان ہی کے فصل میں امام اعظم ابوحنیفہ کی روایت کے حوالے سے شیخ شرف الدین منیری ایمان کے تین درجے بیان کرتے ہیں اور پھر تینوں درجے کے مومن و مسلمان کے بارے میں تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں:

مخدوم کے بقول پہلا گروہ وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک تو مومن ہے لیکن لوگوں کی نظر میں کافر ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ توحید پر اعتقاد رکھتا ہے اور کفر سے بیزار ہے لیکن اس سے اقرار کا اظہار نہیں ہوا ہے۔ایسا شخص اللہ کے نزدیک مومن ہے اور لوگوں کے نزدیک کافر ہے۔

دوسرا وہ گروہ ہے جو اللہ کے نزدیک کافر ہے اور لوگوں کے نزدیک مومن ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے لیکن دل سے تصدیق نہیں کرتا۔ایسا شخص لوگوں کی نظر میں تو مسلمان کہلاتا ہے مگر اللہ کے نزدیک وہ کافر ہے۔

اور تیسرا گروہ وہ ہے جو اللہ کے نزدیک،فرشتوں کے نزیک اور لوگوں کے نزدیک بھی مومن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے اس کی تصدیق بھی کرتا ہے ایسا شخص کامل مومن کہلاتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان

قرآن مجید،احادیث متواترہ اور تمام امت کے اجماع کے ذریعہ خداوندعزوجل پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان لانے کا کامل اور مکمل کلمہ یہ ہے:**اشھد ان لاالہ الاالله وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدعبدہٗ رسولہ.**

رسالت

رسالت کے بارے میں حضرت شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ تمام پیغامبر اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے اور اس طرح سے ایمان لایا جائے کہ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔فرماتے ہیں:

> ''وہ اقرار کرے میں نے ایمان لایا جملہ پیغامبراں علیہم السلام پر یعنی سچ اور درست جانا اور اعتقاد کیا دل سے اور زبان سے، اس کا اقرار کیا کہ تمام پیغامبراں خدا کے بندے ہیں اور وہ سب بھیجے ہوئے ہیں خلق پر اور ان سب نے جو کچھ کہا ہے اور پیغام پہنچایا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے سچ پہنچایا اور سچ کہا ہے۔اپنی جانب سے کچھ نہیں کہا ہے۔جو کچھ بھی کہا ہے خدا

کے حکم سے کہا ہے۔اور سب کے سب حضرت آدم کی اولاد ہیں اور وہ سب معصوم ہیں کبیرہ اور صغیرہ چھوٹے اور بڑے گناہوں سے نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی۔'' ۱۵

حضرت شیخ شرف الدین کے بقول ''نبی معصوم ہوتے ہیں نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی'' اسم سے مراد یا تو اعلان نبوت ہے یا پھر ولادت ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ ۱۶

مذکورہ اقتباس سے شیخ شرف الدین منیری کا یہ عقیدہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک نبی ولادت سے قبل بھی نبی اور ولادت کے بعد بھی نبی ہوتے ہیں اور معصوم عن الخطاء بھی۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری کے بقول اگر پیغمبروں سے گناہ سرزد ہوں گے تو پھر لوگوں کا اُن پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور پھر اُن کی اقتداء و پیروی بھی واجب نہیں ٹھہرے گی، اس لئے یہ بھی ایمان کا حصہ ہے کہ پیغمبر معصوم عن الخطا ہوں۔

فرشتوں پر ایمان

جب اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لا چکے تو اب اس کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کیونکہ فرشتوں پر بھی ایمان لانا دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ فرشتوں پر بھی ایمان لانے کے لئے زبان سے اقرار اور دل میں اعتقاد ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

''اللہ کے تمام فرشتوں پر میں ایمان لایا یعنی ان کو صحیح درست جانا اور دل سے اعتقاد کیا اور زبان سے اقرار کیا کہ تمام فرشتے اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے کارگذاراں اور فرماں بردار ہیں۔ کوئی کام اللہ کے فرمان کے بغیر نہیں کرتے اور ہرگز اس کی نافرمانی اپنے اوپر جائز نہیں رکھتے۔'' ۱۷

فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے حضرت مخدوم اس آیت کریمہ سے دلیل پیش کرتے ہیں:

ومن یکفر با للہ و ملئکته و کتبه و رسله و الیوم الآخر فقد ضلّ ضلابعیدا. ۱۸ ترجمہ: جس نے انکار کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا، اس کے رسولوں کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا اور قیامت کے دن کا تو وہ بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔

کتابوں پر ایمان

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان لایا، اس یقین کے ساتھ کہ اس کا حرف حرف صحیح اور درست ہے، اس میں کوئی ردو بدل بھی نہیں کر سکتا۔ اور اللہ کی کتابوں پر بھی زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

"اللہ رب العزت کی تمام کتابیں اس کا کلام ہوئیں اور اس کی بھیجی ہوئی ہیں۔ یہ مخلوق کے کلام کے مانند نہیں، حرف و آواز سے خالی اور ابتداء و انتہا سے پاک ہے اور یہ پیغمبروں کا اپنی جانب سے کہا ہوا بھی نہیں ہے۔" ۱۹

قیامت پر ایمان

قیامت پر ایمان لانا بھی فرض ہے، اور یہ اسی قطعی دلیل سے ثابت ہے جو اوپر گذری۔ مسلمان ہونے والا اسے بھی اسی طرح اقرار کرے جس طرح اوروں کا کیا ہے۔ یعنی کہے کہ میں نے اقرار کیا، یا میں ایمان لایا قیامت کے دن پر اور اس کو صحیح اور سچ جانا، اس کا دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اعلان کرے اقرار کرے کیونکہ قیامت قائم ہو کے رہے گی، یہ رب کا فیصلہ ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس دن جو پہلے گذرے اور جو بعد میں اس دنیا سے جائیں گے سب کو زندہ ہونا ہے۔ اور ایک جگہ اکٹھا ہونا ہے، میدان حشر میں اور اسی دن سب اعمال و افعال کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ سب کو رب کے سامنے اپنے اپنے کیے کا جواب دینا ہے اور جو کچھ خرچ کیا، اس کا حساب بھی۔

مخدوم فرماتے ہیں کہ یہ پانچ چیزیں، توحید و رسالت، فرشتہ، کتب سماوی اور قیامت۔ ان پانچوں پر مرد و عورت دونوں کو ایمان لانا ضروری ہے ورنہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔

ہر کلمہ گو مسلمان ہے

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری کا موقف یہ ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا، اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اس حوالے سے آپ نے ایک حدیث پاک نقل کی ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول کی ایک جماعت کا ایک پہاڑی کے قریب سے گذر ہوا۔ جب اس کی خبر کفار کو ہوئی تو وہ سب کے سب پہاڑی پر چڑھ گئے، کفار کی اس جماعت میں ایک مسلمان بھی تھا اور اس کی خبر کافروں کو نہیں تھی۔ مسلمانوں کی جماعت جب دامن کوہ میں پہنچی تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اس مسلمان نے جب یہ سنا تو اس کو یقین ہوگیا کہ یہ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اب ہمیں ان کی مدد کو جانا ہوگا۔ وہ پہاڑی سے نیچے اترا ادھر صحابہ کی جماعت سے ایک شخص اس کی طرف قتل کے ارادے سے بڑھا، اس نے بلند آواز سے کہا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**، مخدوم فرماتے ہیں کہ یہاں پر اس قتل کرنے والے صحابی کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ تلوار کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھ رہا ہے لہٰذا اس نے تلوار کا وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ جس وقت اس کی خبر حضور ﷺ کو ہوئی اس وقت آپ تکیہ کا سہارا لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام نے حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ اس واقعہ کو سن کر دل حق میں کچھ کچھ ایسی بے کلی پیدا ہوئی کہ بیساختہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: **اقتلت الذی یقول لا الہ الا اللہ** کیا تو نے ایسے آدمی کو جان سے مار ڈالا؟ جو کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ اللہ ایسے شخص کا ناحق خون کر دیا جو کلمہ پڑھتا تھا، **لا الہ الا اللہ** کا اقرار کرتا تھا۔ اور غایت حسرت و تاسف میں اس قول کی تکرار فرماتے تھے۔

شیخ شرف الدین منیری اس حدیث پاک سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام کا حکم قول پر ہے علم پر نہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں **یقول** فرمایا **یعلم** نہ فرمایا۔ بقول شیخ مخدوم کے اسی لئے علماء کا ایک گروہ فرقہ مجسمیہ، یعنی جو خدا کو جسم والا مانے اس کو کافر نہیں کہتے کیوں کہ اگر ایمان کے لئے تنزیہ و معرفت شرط ہوتی تو خود حضور ﷺ پر ضروری ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و معرفت اور صفت تنزیہ کے بغیر مومن نہ فرماتے اور جب یہ حدیث رسول سے ثابت ہو چکا کہ صرف کلمہ پڑھنے سے مومن ہو جاتا ہے تو پھر اور شرائط کی ضرورت باقی نہ رہی۔ **اللہ اعلم با لصواب و المرجع و الحساب**.[۲۰]

ایمان اور اسلام میں فرق

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ بعض فقیہوں کا خیال ہے کہ اسلام اور ایمان ایک نہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں مختلف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ فرماتا ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰ مَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا. ۲۱ ترجمہ: گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو کہو تم کہ ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو ہم اسلام لائے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بھی ایمان و اسلام میں فرق کیا ہے۔ جب حضور ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر۔ اور جب پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا۔ وغیرہ ۲۲

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں اور آپ اس کی دلیل اس آیت کریمہ سے پیش کرتے ہیں: وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. ۲۳ ترجمہ: مجھ کو حکم ہوا اسی کا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اور حضرت موسیٰ نے کہا: اِنِّی تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّ لُ الْمُؤْ مِنِيْنَ. ۲۴ عرض کی آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں میں سب سے پہلا مومن ہوں۔

شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ جتنے بھی انبیاء تشریف لائے سب کا دین ایک تھا سب ایک ہی دین کی دعوت وتبلیغ کررہے تھے اور ایک ہی دین کی دعوت کی خاطر مبعوث کیے گئے تھے لیکن ایک پیغامبر سے خبر کی مؤمن اور دوسرے سے اطلاع دی مسلم کی۔ تو اس سے ہم نے جانا کہ ایمان و اسلام کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ۲۵

لیکن اگر اس کو یعنی دونوں الفاظ کو لغت کے معنیٰ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں میں فرق ضرور نظر آتا ہے۔ لغت میں ایمان کا معنی قول میں سچائی رکھنا ہے اور اسلام کے معنی سر جھکا دینے کے ہیں، تسلیم کرنے کے معنی میں ہے لیکن معنی ومفہوم کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے کیونکہ عرف عام میں جو مومن نہیں وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان نہیں وہ مومن نہیں ۔ یہی اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح ہے۔

تقلیدی ایمان

مجلس میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ درپیش ہوا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ تقلیدی ایمان اور دلیل والا ایمان، ان میں سے کون سا معتبر ہے؟ اس لئے کہ جو قرآن واحادیث کو پڑھ کر اس کی صداقتوں پر ایمان لاتا ہے وہ ان سے تو بہتر ضرور ہے جو ایمان لانے میں بھی کسی کی تقلید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ جو کسی کی دیکھا دیکھی ایمان لاتا ہے اس کے گمراہ ہونے کا احتمال ہے لیکن جو اسلام کی حقانیت وصداقت کو دیکھ کر سمجھ کو اس کو قبول کرتا ہے اس کا ایمان پختہ ہوگا۔

اسی کی طرف شیخ شرف الدین منیر اِن سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''تقلیدی ایمان بھی صحیح ہے۔''

اہل سنت والجماعت نے اس کو تسلیم کیا ہے مگر ہاں! بعضوں کا ایسا خیال ہے کہ تقلیدی ایمان کوئی ایمان نہیں۔ آپ کے بقول ایمان دو طرح کا ہے۔ ایک ایمان دیکھا دیکھی تقلیدی ہوتا ہے جبکہ دوسرا ایمان دلیل و حجت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن دونوں کا ایمان صحیح ہے۔ جن کے پاس دلیل ہے ان کا بھی اور جو تقلیدی ہے ان کا بھی لیکن ان دونوں میں فرق مراتب ضرور ہیں۔ مخدوم فرماتے ہیں:

> ''دلیل والے ایمان کو فضل اس قدر ہے کہ وہ دلیل کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے بعد لطیفے کے طور پر فرمایا کہ ایک جگہ ہم نے لکھا دیکھا ہے کہ ایمان تقلیدی کا وجود ہی نہیں ہے، ہر شخص کچھ نہ کچھ دلیل ضرور رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ آسمان کو اللہ نے پیدا کیا، زمین کو اللہ نے پیدا کیا۔''[۲۶]

سنت نبوی کی پیروی

اپنی تقریر وتحریر میں سنت نبوی کی اتباع پر بہت زیادہ زور دینے کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ بھی نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے بے شمار تحریریں مکتوبات وملفوظات میں موجود ہیں۔ سنت نبوی پر خود بھی عمل کرتے اور اپنے مریدوں ومتوسلین کو بھی عمل کی ترغیب دیتے۔ آپ کے یہاں طریقت کی بنیاد شریعت اور اتباع سنت ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک آپ نے سنت نبوی کی پیروی میں زندگی گذاری

اور اسی کی پیروی نے آپ کے اخلاق و کردار کو وہ جلا بخشی کہ جس کی بدولت آپ اخلاق و کردار، اخوت و محبت کے اعلیٰ منصب پر نظر آتے ہیں۔ آپ کے اندر کمال کا تواضع تھا۔ آپ کے بقول ولایت کی پہچان یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو کمترین خلائق سمجھے اور شہرت پسندی سے دور رہے۔ بظاہر تو ایسا قول تصنع پر مبنی نظر آتا ہے اور خاص کر یہ کہنا کہ ولی اللہ فی الحقیقت اپنے کو کمترین خلائق سمجھے، اس لئے کہ اس وقت جو صورت حال ہے وہ سب پر عیاں ہے۔

مخدوم کے بقول انسانوں کے لئے سعادت عبدی اللہ رب العزت کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ دولت و خلعت حضور ﷺ کی سنت طیبہ کی اتباع پر موقوف ہے۔ آپ نے ہر حال میں سنت کی اتباع کا پاس ولحاظ رکھا۔

سید ضمیر الدین صاحب ''تحفۂ غیبی'' کے حوالے سے مخدوم کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی متابعت شریعت ہے اور آپ ﷺ کے اعمال کی متابعت طریقت ہے اور آپ ﷺ کے احوال کی متابعت حقیقت ہے۔ چنانچہ ہر اس شخص نے جس نے ان تینوں میں کمال متابعت حاصل کر لی اس نے اس وعدہ کو پا لیا جس کا ذکر اللہ رب العزت نے کلام پاک میں فرمایا ہے: یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو تم حضرت رسالت مآب ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے۔'' ۲۷

سنت کی اتباع اور اس پر عمل پیرا ہونے کا یہ عالم ہے کہ آخری وقت میں بھی اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یوں تو اتباع سنت سے متعلق سبھی واقعات آپ کے چاہنے والوں نے قلم بند کر دیا ہے سب کا یہاں ذکر مناسب نہیں ہے، آپ کی زندگی کے آخری ایام کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ کا وقت اخیر قریب تھا اور اس حالت میں بھی وضو کر رہے تھے۔ اس وضو کرنے میں چہرہ دھونا آپ بھول گئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی جلیل الدین اس میں مدد کر رہے تھے۔ جلیل الدین نے یاد دلایا کہ چہرہ دھونا بھول گئے ہیں تو آپ نے پھر سے تجدید وضو کر لیا۔ اس طرح سے اپنے اس قول کو ثابت کر دیا کہ ہر وقت باوضو رہنے کا نام طریقت ہے۔

مکتوبات وملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی پیارے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کی آئینہ دار تھی۔آپ طریقت کے بلند مقام پر فائز تھے اور اخلاق و کردار کے بہتر نمونہ تھے۔گویا تمام اوصاف حمیدہ سے آپ متصف تھے۔اپنے سے بڑوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔اوران کی خدمت میں تحفہ و تحائف بھی بھیجا کرتے تھے۔اس کے علاوہ ایک دوسرے کا اس قدر پاس لحاظ کہ زمانہ جس پر ناز کرے اور دل میں ایک دوسرے کے لئے حسن ظن رکھنا تو فطرت میں شامل تھا۔اس حوالے سے ایک واقعہ سیرت الشرف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم نے حضرت سید جلال بخاریؒ کی خدمت میں ایک جوڑی کفش بھیجی۔اس کے بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کی جوتیوں کے برابر ہوں۔اس پر حضرت جلال بخاریؒ کا ظرف ملاحظہ کریں۔انہوں نے اس کے جواب میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری کو اپنی دستار بھیج دی اور اس دستار بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ حضرت مخدوم میرے سر کے تاج ہیں۔

سنت نبوی کی پیروی کا یہ بھی ایک بہت بڑا نمونہ ہے کہ حضرت مخدوم نے اپنا نفلی روزہ توڑنا تو پسند کیا لیکن کسی کا دل ٹوٹ جائے یہ گوارہ نہ تھا۔ایک مرتبہ ایک عورت (یہ عورت کس مذہب سے تعلق رکھتی تھی اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا) اپنے گھر سے کچھ بنا کر لائی اور حضرت مخدوم کی خدمت میں اس شوق سے پیش کیا کہ آپ اسے تناوَل فرمائیں۔آپ نے اس کی خواہش پوری کی اور اسی وقت کھالیا۔آپ کے مریدوں نے جب یہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ تو روزہ سے تھے! آپ نے جواب دیا کہ نفلی روزے کی قضا ہے مگر کسی کا دل ٹوٹ جائے تو اس کی قضا نہیں۔[۲۸]

مکتوبات دوصدی کے ایک مکتوب میں سنت کی پیروی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اے بھائی! مشائخ جو لوگوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کا طریقہ کار سنت اور جماعت کے اصول پر رہا ہے، ظاہری کاموں میں جیسے طہارت، نماز، روزہ، حج، اور جن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے ان میں شرع کے ظاہری اصول پر اکتفا کرتے ہیں اور سب کو ظاہری شرع پر بجالاتے ہیں اس خوف سے کہ کہیں وسوسوں میں نہ پڑ جائیں اس لئے کہ کہتے ہیں کہ جو وسوسہ میں مبتلا ہوا وہ ہاویہ (دوزخ کے کڈھے) میں گر پڑا ایسا کہ وہاں سے

باہر آنا مشکل ہے۔''[۲۹]

اتباع سنت کا اتنا خیال کہ آپ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ زندگی میں کبھی بھی خربوزہ نہیں کھایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضور ﷺ نے خربوزہ کیسے کھایا۔

علم حدیث

عام طور سے صوفیاء کرام کے بارے میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ انہیں حدیث کا علم نہیں ہوتا۔ ابن جمال نے اپنے ایک مضمون میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حدیث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر صوفیاء کرام انتہائی ضعیف اور بسا اوقات موضوع حدیث سے استشہاد و استدلال کرتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے متعلق اس نے لکھا کہ ان کا ذخیرہ علم صرف مشارق الانوار ہی تک محدود تھا، حتیٰ کہ بادشاہ کے سامنے ایک مناظرے میں حاظر ہوئے تو وہاں بھی جو حدیث شیخ نظام الدین اولیاء نے پیش کی وہ موضوع تھی۔ عبارت یہ ہے:

> ''شیخ نظام الدین اولیاء کو علم حدیث سے مکمل واقفیت نہ تھی اور احادیث کا ذخیرہ ان کے پاس مشارق الانوار کی حد تک محدود تھا۔ علاوہ ازیں صحیح اور ضعیف حدیث سے واقفیت اور مصطلحات الحدیث سے ان کو لگاؤ نہ تھا۔ چنانچہ جب بادشاہ کے سامنے قرآت خلف الامام کے مسئلہ پر علماء دہلی سے مناظرہ ہوا تو انہوں نے اپنے استدلال میں جو حدیث پیش کی وہ محدثین کے نزدیک موضوع حدیث سمجھی جاتی ہے۔''[۳۰]

ابن جمال کی باتوں مذکورہ باتوں سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ تاریخ سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں حدیث کا درس نہیں لیا بلکہ اس وقت لیا جب ایک صاحب طریقت بزرگ کی حیثیت سے بہت مشہور ہو چکے تھے۔ آپ نے مولانا کمال الدین زاہد سے حدیث کی مشہور کتاب ''مشارق الانوار'' کا باضابطہ درس لیا پھر حدیث کی دیگر کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اپنی خانقاہ میں درس حدیث کا ایسا ماحول پیدا کیا جس سے

متأثر ہوکر ان کے مریدوں اور مریدوں کے جانشینوں میں کافی بڑی تعداد ایسے علماء کی ہوگئی جنہوں نے علم حدیث میں بڑا مقام حاصل کیا۔[۳۱] بہرحال یہ میرا موضوع نہیں۔

تذکرہ نگاروں کے لئے انصاف ودیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر شخص کو ایک ہی چشمے سے نہیں دیکھا جانا چاہئے بلکہ جو حقیقت ہے اسے قارئین کے سامنے پیش کردینا چاہئے۔ مصنف بزم صوفیاء، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ شیخ شرف الدین احمد منیری کو حدیث اور علم حدیث پر عبور حاصل تھا جو حقیقت پر مبنی ہے۔ ابن جمال کو اس پر تعجب ہے لیکن حقیقت سے انحراف نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ شیخ شرف الدین منیری کی علوم حدیث پر گہری نظر تھی۔ شیخ مخدوم کے مکتوبات وملفوظات میں حدیثوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ ہر مجلس کسی نہ کسی حدیث کی وضاحت معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اسماء الرجال اور حدیثوں کی فنی حیثیت پر بھی مدلل گفتگو کی ہے۔

معدن المعانی میں حدیثوں کی تقسیم پھر اس کی تعریف اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے لیکن مشہور کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا بلکہ بدعت کہا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث مشہور اپنی اصل کے لحاظ سے احاد ہے، اس بنا پر اتنا شبہ اس میں رہے گا کہ اصلاً وہ احاد ہے۔[۳۲]

مفتریات حدیث کے بارے میں آپ یہ مانتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے حدیثوں کے ذخیروں میں مفتریات کو بھی جمع کرلیا ہے۔ اس کے بعد خبر واحد کا حکم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل کرنے کے لئے خبر واحد کو دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ عبارت دیکھیں:

> ''بعض بزرگوں نے حدیثوں میں مفتریات کو جمع کیا ہے۔ خود امام ابو یوسف قاضی کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے کئی ہزار مفتریات حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔ اجمالی طور پر یوں سمجھنا چاہئے کہ ذات وصفات الٰہی کی معرفت کے سلسلے میں خبر واحد کو دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ علمائے اہلسنت والجماعت کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کا قول ہے: ان الظن لا یغنی من الحق شیاء بے شک گمان حق اور حقیقت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں۔''[۳۳]

اس کے علاوہ بے شمار جگہوں پر علم حدیث کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپ نے مولانا ابوتوامہ سے جو اپنے وقت کے ممتاز محدث تھے، سنار گاؤں جا کر احادیث کی باضابطہ احادیث کی تعلیم حاصل کی جس میں مشارق الانوار، شرح المصابیح، شرح مسلم اور صحیحین وغیرہ کتابوں کی تعلیم شامل تھی۔ آپ کے استاد نے نہ صرف علم سے نوازا بلکہ علم کی تکمیل کے بعد واپس لوٹتے وقت احادیث کی بہت ساری کتابیں بھی پیش کیں جن کو لے کر آپ واپس بہار شریف چلے آئے اور یہاں ان احادیث کی کتابوں کا درس دینا شروع کیا۔

شیخ شرف الدین منیری کی محدثانہ حیثیت اور قابلیت پر ڈاکٹر اسحاق ڈار نے بہت ہی عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہاں پر نقل کرنا مناسب ہے:

> ''شرف الدین منیری علاقۂ بہار کے ایک ممتاز محدث تھے۔ وہ حدیث سے متعلق تمام علوم مثلاً علم تاویل الحدیث ، علم رجال الحدیث، اور علم مصطلحات الحدیث، پر پورا عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے مکتوبات اور تصوف کی کتابوں میں احادیث کثرت سے نقل کی ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت سے مواقع پر انہوں نے علم حدیث کے مختلف پہلوؤں مثلاً روایت بالمعنیٰ شروط الراوی، وغیرہ پر اپنی تصانیف میں طویل بحثیں بھی کی ہیں اور صحیحین، مسند ابویعلیٰ، الموصلی، شرح المصابیح، اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ النوی (م۶۷۲ھ) کی شرح صحیح مسلم کا ایک نسخہ ان کے پاس موجود تھا اور انہوں نے اس کا غائر مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہند میں صحیحین کی تعلیم شروع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ انہیں احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ وہ ان کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے محض خربوزہ اس لئے نہیں کھایا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضورﷺ نے خربوزہ کس طرح نوش فرمایا تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ شرف الدین منیری قرآن وحدیث دونوں

کی متصوفانہ تعلیمات پر بھی سند مانے جاتے تھے۔''۳۴؎

مطالعہ علم حدیث میں شیخ شرف الدین منیری کی یہ شان ہے کہ اپنے عہد کے تمام صوفیاء پر سبقت حاصل کر چکے تھے۔قرآن واحادیث کے حوالے جتنے آپ کے مکتوبات وملفوظات میں ملتے ہیں کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتا ہے۔آپ کے استاد مولانا ابوتوامہ حنبلی تھے جن کی نگرانی میں علم حدیث کی تعلیم مکمل ہوئی۔شیخ شر ف الدین منیری حنفی المسلک تھے۔مکتوبات وملفوظات میں بیشتر مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ کی تعریف وتوصیف اور ان کے مسلک پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شیخ شرف الدین نے علم حدیث پر مہارت حاصل کر لی تھی۔اس زمانے میں پورا ہندوستان نہیں بلکہ پورے بہار میں نہ کوئی ایسی خانقاہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسا بڑا ادارہ جہاں علم حدیث اور صحیحین کی باضابطہ تعلیم دی جاتی ہو۔اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو یہ بات حق بجانب ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین منیری کو اس پر اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے بہار کی سرزمین پر علم حدیث کی تعلیمات کا بندوبست کیا اور صحیحین کا درس بھی دیا۔

یہ آپ کی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کے مرید وخلیفہ حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید بلخی نے احادیث کی کتابوں سے مسنون اوراد ووظائف کو اخذ کر کے ''اوراد وظائف مسنونہ'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی جو آج بھی پڑھی جاتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس وقت اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب تھی جو احادیث مبارکہ سے اخذ کر کے لکھی گئی تھی۔

شریعت

شریعت وطریقت

اسلامی شریعت کے حوالے سے اگر شیخ شرف الدین منیری کی ان تعلیمات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ طریقت، شریعت سے کوئی الگ چیز نہیں اور طریقت پر چلنے یا عمل کرنے والوں کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کا دامن ہاتھ سے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہیں۔اگر راہ طریقت پر چلنے والے نے طریقت کو شریعت پر فوقیت دیدی اور شریعت کا کوئی پاس لحاظ نہیں رکھا تو ایسا شخص کبھی بھی صوفی سالک ہو ہی نہیں سکتا۔مخدوم کی یہ تحریر دیکھیں:

''ہر مرید کو چاہئے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافق میں چلے اور جس شخص

کو ایسا دیکھو کہ مدعی طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ **اسفل السافلین** میں جا گرا ہے۔ اوپر آنا اس کا بہت دشوار ہے۔ یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کا پابندی باقی نہیں رہتی، ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔

سنو! ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں تو یہ نفاق کی علامت ہے۔ یعنی ظاہر میں زہد و تقویٰ اور باطن میں دنیا طلبی و ریا کاری، اور باطن تو آراستہ ہو لیکن ظاہر خلاف حکم شریعت ہو۔ یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔ اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرا ہے، ایسا شخص نقصان و تاوان میں ہے۔ اور باطن کی درستگی چاہنا، بغیر عمل ظاہر کے ہوس بیجاں کرنا ہے۔

ظاہر و باطن کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔ **لاالٰہ الا اللہ** حقیقت ہے اور **محمد رسول اللہ** شریعت ہے۔ ایمان جس کو قائم رکھنا ہے وہ ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے علحدہ کر کے مومن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش باطل اور بالکل بے اصل ہے۔" ۳۵

طلب طریقت کے بارے میں شیخ شرف الدین منیری اپنے مرید خاص اور برادرم شمس الدین کو ایک مکتوب میں تفصیل سے لکھتے ہیں اور شریعت کی اہمیت کو واضح انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے شریعت، طریقت اور حقیقت کی ساری گتھی سلجھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس مکتوب سے ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

"برادرم شمس الدین! اللہ تم کو طالبین کی بزرگی کا درجہ عطا فرمائے۔ تم اس بات کا یقین کر لو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلبگار ہو، اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہئے تا کہ قصبۂ شریعت سے شہر طریقت میں پہنچے۔

طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔
جس کے علم نے شریعت ہی کونہیں سمجھا وہ طریقت کو کیا پہچانے گا۔اور جب
طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے تو حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔
اس لئے بے علم و معرفت اور ناواقفِ شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت
نہیں۔اگر اپنی خوداری سے کوئی ایسا کام کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا۔تم
اس بات کا یقین کامل کرلو کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا، مشائخ کا
قول ہے **مااتخذالله ولیا جاهلاً** اور قرآن مجید میں ہے **ولم یکن له
ولی من الذل**(القرآن) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی جاہل کو دوست نہیں
بناتا۔حقیقت یہ ہے کہ جہالت سے بڑھ کر کوئی چیز ذلیل نہیں ہے، یہ ساری
ذلتوں کی جڑ ہے۔''۳۶

اہل طریقت وحقیقت کی صفت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو ضرور کھلائیں گے، خود اچھا کپڑا نہیں پہنیں گے لیکن ضرورت مندوں کو ضرور پہنائیں گے۔لوگوں کے تانے سنیں گے مگر اس کا جواب نہیں، دیں گے یہاں پر وہ خاموشی اختیار کریں گے۔ظلم سہیں گے مگر ظالم سے اس کا بدلہ نہیں لیں گے بلکہ اس کی ہدایت کے لئے دعاء کریں گے۔دوست و دشمن سب اس کی روشنی سے فائدہ اٹھائیں گے۔تواضع میں وہ لوگ گویا زمین کی طرح ہوتے ہیں۔ساری دنیا ان کو روندتے رہے پھر بھی وہ اُف نہ کہے۔اللہ کے بندوں سے بدلہ لینا اُن کا کام نہیں۔اگر مذکورہ صفتیں اہل طریقت میں نہ پائی جائیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس شخص نے ابھی راہ طلب میں قدم ہی نہیں رکھا ہے۔

مخدوم فرماتے ہیں کہ راہ طریقت اتباع شریعت پر موقوف ہے اس لئے سب سے پہلے سالک کو شریعت کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ایک اقتباس دیکھیں:

''برادرم شمس الدین سلمہ اللہ! تم یقین جانو، کہ سعادت ابدی اور عزت
سرمدی انسان کے لئے خداوند عز وجل وعلا کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اس دولت وخلعت کا محل حضورﷺ کا دربار شاہانہ ہے یہ دولت وخلعت حضورﷺ کی نسبت مبارکہ کی موافقت پر موقوف ہے۔'' ۳۷؎

جولوگ ظاہری طور پر بزرگوں کا لباس بدل کرلوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیجا صوفی بننے کی نقل کرتے ہیں وہ لوگ بزرگوں کے معنی سے بے خبر ہیں۔ان کا چہرے، ہاتھ، پاؤں، اور کان وغیرہ گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ یہ کذاب ہے اور مکار ہے۔مخدوم کے بقول اگران لوگوں کا بس چلے تو لوگوں کے منھ سے نوالہ چھین لیں اور اپنے حلق میں داخل کرلیں اور اپنے رعب ودبدبہ کے زور پر دوسروں کے لباس فاخرہ کو اپنے لباس گدڑی سے بدل لیں۔ایسے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ سارا عالم ہمارا غلام بن جائے اور ہر جگہ میرا ہی چرچا ہو، سب ہمارا ہی گن گائیں۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی کا دیا ہوا کپڑا زیب تن ہے اور مفت کی روٹی سے شکم سیر ہے۔۳۸؎ اس کے باوجود غرّہ اتنا کہ کیا مجال جو بغیر لباس فاخرہ اور ٹھاٹھ باٹھ کے گھر سے نکل سکے۔مخدوم فرماتے ہیں:

> ''کیا مجال کہ صرف ایک چیز پر قناعت کریں اور ادھر ادھر چہل قدمی کر سکیں۔خیال یہ ہے کہ خلاف شان گھر سے باہر قدم رکھیں گے تو درزی کیا کہے گا، چمار کیا تصور کرے گا، بازاری کیا سمجھیں گے بالکل آبرو مٹ جائے گی۔**لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔'' ۳۹؎

جو اہل نظر ہوتے ہیں وہ اس طرح کے لوگوں کو خود پرست سمجھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کبھی حق پرست نہیں ہوسکتے۔اگران کا تقویٰ، پرہیز گاری، گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور خلوت گزینی وغیرہ محض اس لئے ہے کہ دنیا والے ہمیں پرہیز گار سمجھیں اور میری تعظیم وتکریم کریں تو ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا، کہ ان کی مثال ان زنان فاحشہ وبدکارہ کی ہے جو اپنے کو دن بھر اِس لئے سنوارا کرتی ہے تاکہ تماش بینوں کا ان کے یہاں جمگھٹ ہو۔

مخدوم کے بقول صوفی اور عالم دونوں میں ظاہر میں فرق ہوتا ہے۔صوفی کا دل زبان کے آگے ہوتا ہے اور عالمِ ظاہر کی زبان دل کے آگے ہوتی ہے۔صوفی جو ہوتے ہیں اس پر دل حق منزل کی حکمرانی ہوتی ہے۔

شیخ شرف الدین نے دین کی بظاہر بہت ہی معمولی مگر بہت ہی اہم چیزوں کو مثلاً وحی دعوت، امت،

شریعت، اطاعت، اسلام اور دین وغیرہ کو مثالوں کے ذریعہ بڑے اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک اقتباس یہاں پر نقل کرنا مناسب ہے:

''خدائی باتیں جو نبیوں تک پہنچیں اور آپ حضرات نے ان کو قبول کیا، ان کا نام وحی دعوت ہے اور جو لوگ سنتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں ان کو امت کہتے ہیں۔ اور امر و نواہی و اصول و فروعِ دعوت کو شریعت کہتے ہیں اور اس راہ میں چلنے کو اطاعت کہتے ہیں۔ جملہ احکام پر گردن رکھنے کو اسلام کہتے ہیں، اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کو دین کہتے ہیں۔'' [۴۰]

شریعت و طریقت میں فرق

شریعت و طریقت میں جو ظاہری فرق الفاظ و معنیٰ کے اعتبار سے ہے اس کو حضرت مخدوم نے بڑے اچھے اور آسان زبان میں مثالوں کے ذریعہ اس طرح سے سمجھایا ہے جس سے اس کا معنیٰ و مفہوم ظاہر ہو جاتا ہے، اقتباس درج ذیل ہے:

''شریعت و طریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور دوسرے احکام شرائع و معاملات ضروری کا بیان ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو، ان شروعات کی تہ تک پہنچو اور اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو۔ اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو جیسے ریا کاری، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، کفر و شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔'' [۴۱]

شریعت کے اندر طریقت کی جو اصطلاح صوفیاء نے ایجاد کی ہے اس کو مختلف انداز میں الفاظ کا جامہ پہنایا جاتا ہے اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن شیخ شرف الدین نے اپنے انداز اور آسان لہجے میں کس طرح کہنے کی کوشش کی ہے، درج ذیل اقتباس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''ظاہری طہارت، ظاہری تہذیت سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔

تزکیہ باطن، تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ کپڑے کو دھو کر ایسا پاک بنالینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعل شریعت ہے اور دل کو پاک رکھنا کدورت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔

ہر نماز کے لئے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت ہے جبکہ دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے، خواہ اس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے اور جن معاملات دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔'' ۴۲

مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر کے لئے بندوں کو اس کا مکلّف بنایا گیا ہے وہ شریعت کے دائرے میں آتا ہے اور جو کام تخفیف امت کے لئے انبیائے کرام صرف اپنے تک محدود رکھتے ہوئے اس پر عمل کریں وہ طریقت کے دائرے میں آتا ہے۔ حضرت مخدوم کے بقول جو اعمال خاص انبیائے کرام کے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم ایسی ہے کہ اگر اس پر امت عمل کرنے لگے تو اس میں جان و ایمان کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے یہ ممنوع ہے جیسا کہ قرآن مجید نے تخصیص کردی ہے۔ **خالصة لک من دون المؤمنین** ۴۳ اس آیت کریمہ میں نبی سے کہا جارہا ہے کہ یہ آپ کے لئے خاص ہے اور مومنوں کے لئے نہیں۔ دوسری قسم سنت پسندیدہ ہے جو شخص اس کو اختیار کرے گا اور اس پر عمل کرے گا تو درجۂ ادنیٰ سے درجۂ اعلیٰ میں پہنچ جائے گا۔

شریعت اور حقیقت

شریعت اور طریقت دو بامعنی الفاظ ہیں جو صوفیوں کے یہاں رائج ہیں۔ شیخ شرف الدین منیری کے بقول جس طرح شریعت میں اعمالِ ظاہر جب درست اور مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر اس کے بعد انسان اہل حقیقت کا طالب ہو جاتا ہے۔ آدمی اس وقت اہل حقیقت میں کہلاتا ہے جب اس کے احوالِ باطن کا انکشاف

ہو جاتا ہے۔ظاہر اور باطن پر غور کریں تو یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ ظاہر اور باطن میں ایک خاص قسم کا تعلق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ۔جس طرح ایمان لانے کے لئے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب شرط ہے۔نہ تو صرف زبان کے اقرار سے ایمان کامل ہوگا اور نہ صرف دل کی تصدیق کرنے سے بلکہ دونوں اپنے طور پر گواہی دے پھر جا کر ایمان کامل ہوگا۔

کلمۂ توحید میں دو جملے ہیں لاالہٰ اللہ محمد رسو ل الله. کلمے کے پہلے جز میں حقیقت کے اسرار ورموز اور اشارات ہیں اور شریعت کی جلوہ گری کلمے کے دوسرے جز میں پنہاں ہیں۔آدمی کے ایمان کی پختگی دونوں جملوں پر موقوف ہے۔اگر کوئی شخص چاہے کہ اس جملے کے صرف پہلے جز سے ایمان مکمل کرلیں تو ایسا، نا ممکن ہے۔وہ شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ دونوں جملوں پر اعتقاد نہ رکھے۔

احکام کے حوالے سے مخدوم فرماتے ہیں کہ حکم میں البتہ شریعت، حقیقت سے جدا ہے۔زبان سے اقرار کرنا اور شئے ہے، دل سے تصدیق کرنا اور چیز ہے پھر بھی حقیقت اور شریعت میں کیا فرق ہے؟ اس کو حضرت مخدوم کی زبانی ''اقرار وتصدیق میں جو فرق ہے وہی شریعت وحقیقت میں ہے۔'' ۴۴

شریعت اور حقیقت یہ دونوں ایک ہیں یا مختلف ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔شیخ مخدوم علماء ظاہر پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''علماء ظاہر کا خیال ہے کہ شریعت عین حقیقت ہے اور حقیقت عین شریعت۔
> یہ سمجھنا مغالطہ سے خالی نہیں۔یہ مذہب ملحدانہ ہے اِیسے مذہب واعتقاد پر خدا
> کی پھٹکار ہو۔'' ۴۵

شریعت کو عین حقیقت اور حقیقت کو عین شریعت ماننے میں سب سے بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ انسان باطنی ترقی سے محروم ہو جاتا ہے اگر چہ مومن باقی رہتا ہے۔اس کے مسلمان ہونے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

فقہی کارنامے

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے عہد کے عظیم صوفیاء میں شمار کیے جاتے ہیں جن سے ہزاروں تشنگان علوم ومعرفت نے فیض حاصل کیا ہے۔حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی جیسی شخصیت نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور مزار پر چلہ کشی کی ہے۔تاریخی طور پر تیرہویں صدی عیسوی کے آواخر اور چودھویں

صدی عیسوی کے اوائل میں حضرت شیخ شرف الدین واحد ایسی شخصیت ہے جنہوں نے حصول علم ومعرفت سے قبل علوم فقہ وعلوم قرآن وحدیث کی تعلیم کے حصول میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ (۲۲ سال) سنار گاؤں (موجودہ بنگال) جا کر صرف کیا۔ جب پوری تعلیم مکمل ہو چکی اس کے بعد پھر ایک لمبا عرصہ حصول علوم معرفت وسلوک میں صرف کیا پھر علمی اعتبار سے اپنے وقت کے بیشتر معاصرین پر سبقت لے گئے۔ جب آپ کے علوم وفنون کی شہرت عام ہوئی تو ہر طرف سے مختلف نوعیت کے علمی سوالات مخطوطے کی شکل میں جن میں ایک لمبی فہرست آپ کے مریدین ومعتقدین کی تھی، آنے شروع ہوئے۔ بہت سے سوالات تو حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف سے ہوا کرتے تھے۔

مکتوبات وملفوظات میں مذکور سوالات وجوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوالات کس نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔ دینی ومذہبی معاملات کے علاوہ اس وقت کے تقاضے کے مطابق جدید مسائل پر بھی سوالات مشتمل ہوا کرتے تھے جن کا مدلل جواب دیا جاتا تھا۔

مکتوبات وملفوظات اور خاص کر معدن المعانی میں فقہ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید اور مسائل کا استخراج و استنباط کیسے ہو، افتا کے اصول وقوائد کیا ہیں؟ اس کے علاوہ پوچھے گئے سوالات اور پھر اس کے جوابات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ سے آپ کا کتنا گہرا تعلق تھا۔ علم فقہ پر دسترس کے ساتھ فقہی بصیرت اور مسائل کے تحقیقی فن نے آپ کو مجتہدانہ شان عطا کیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو سید المحققین کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ایک جگہ شریعت (فقہ) کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص طریقت (تصوف) کی راہ کا طلب گار ہو، اس کے پاس شریعت (فقہ) کی پونجی ہونا ضروری ہے تاکہ شریعت (فقہ) سے شہر طریقت (تصوف) میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس نے علم شریعت (فقہ) ہی کو نہیں سمجھا وہ طریقت (تصوف) کو کیا پہچانے گا۔ اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں تو حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے؟ اس لئے بے علم ومعرفت اور ناواقف شریعت (فقہ) اس راہ پر چلنے کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک جائے گا اور اسی چکر میں جان بھی اس کی چلی جائے گی۔ جب تک کوئی شریعت (فقہ) میں محقق نہ ہوگا طریقت (تصوف) سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔[۶۴]

اور جو لوگ فقہ پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور اس کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں ایسے مدعیان شریعت کے

بارے میں فرماتے ہیں:

''افسوس کے قابل ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت (فقہ) کی راہ کی پرواہ نہیں کرتے اور اہل حقیقت (تصوف) بن بیٹھے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت (فقہ) کی ضرورت کیا باقی رہی؟ نعوذ باللہ من ذالک! یہ ملحدوں کا مذہب ہے۔ ایسے مذہب واعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو۔''[۴۷]

قرآن وسنت اجماع اور قیاس سے استدلال

شیخ شرف الدین منیری ایک حنفی عالم اور عظیم صوفی تھے۔ مسائل کا استخراج کس طرح سے کیا جائے اور پہلے کس کو فوقیت دی جائے اس حوالے سے قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ: **وارجع الی القرآن فی جمیع القرآن**: ترجمہ: سب حکموں میں قرآن کی طرف رجوع کرو کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رجوع بہ قرآن کے معنی یہ ہے کہ اول قرآن میں اس مسئلہ کو تلاش کرو۔ اگر بظاہر نہ پاؤ تو جس طرح قرآن نے بتایا ہے اس اصول سے ڈھونڈو یعنی سنت کی طرف رجوع کرو۔ اگر بظاہر سنت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ملے تو حسب ہدایت اجماع کی طرف رجوع کرو۔ اگر اجماع بھی نہ بتائے تو اجتہاد کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ مجتہد کی صفت تم میں ہو۔''[۴۸]

فتویٰ کے تقاضے

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حالاتِ زمانہ کے تقاضے کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر کیا کریں۔ اس میں جلدی نہ کریں بلکہ خوب تحقیق وجستجو کے بعد فتویٰ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ بغیر احتیاط کے فتویٰ صادر ہونے کے بعد ایک فتنہ جنم لے اور وہ فتنہ وفساد کا باعث بنے۔ ایک بات یہ بھی یاد رہنی چاہئے کہ فتوے کا حکم قیامت تک کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حالات وزمانہ کے اعتبار سے وہ بدلتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت شیخ فرماتے ہیں:

''عرض داشت کہ **یتغیر الفتویٰ بتغیر الزمان** ایں مطلق است؟ فرمود:

آرے کہ در عصر اول فتویٰ به چیزے داده اند که آں بر خلق در
عصر ثانی و ثالث تشدید است و آں مجتهد فیه است ایں چنیں
فتویٰ در عصر ثانی و ثالث بگرد و **یتغیر الفتویٰ بتغیر الزمان**
ایں جا محمول است.“ ۴۹ ؎

آپ سے سوال کیا گیا کہ زمانہ کے بدلنے سے فتویٰ بدل جانے کا حکم کیا
مطلق ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں! مختلف فیہ مسئلہ میں پہلے
زمانہ میں عمل کرنا دشوار ہو جائے تو وہ فتویٰ دوسرے اور تیسرے زمانوں
میں بدل جائیگا۔ ''زمانہ کے بدل جانے سے فتویٰ بدل جاتا ہے'' کا یہی
مطلب ہے۔

عبارت مذکور سے کئی باتیں سامنے آئیں:

اول یہ کہ صرف قرآن وحدیث ہی ایسی دلیل ہے جس کا حکم نہ حالاتِ زمانہ کی تبدیلیوں سے بدلتا ہے اور نہ کسی اور وجہ سے۔

دوسرا یہ کہ فتویٰ حالات وزمانہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

اور تیسرا یہ ہے کہ فتویٰ حالات زمانہ اور تقاضے کے مطابق دینا چاہئے۔

یہاں چند مسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ کا کیا حکم ہے۔

سیپ سے بنا ہوا چونا کھانا حرام ہے یا حلال؟

جس زمانے میں شیخ شرف الدین منیری سنار گاؤں میں زیر تعلیم تھے اس وقت ایک مسئلہ یہ پیش آیا تھا کہ مسلمان سیپ کا چونا استعمال کرتے ہیں یہ حلال ہے یا حرام؟ طلبا نے یہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ شیپ چونکہ سمندری کیڑا ہے اس لئے اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے حرام ہے اور اس کے زد میں بہت سارے مسلمان آتے تھے۔ لیکن اس وقت کے مفتیوں میں سے کسی نے بھی حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری اس وقت خود طالب علم تھے۔ اس کے باوجود طلبا کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ان مفتیوں کا ساتھ دیا، کہا کہ جس

معاملے میں قرآن واحادیث میں کوئی وضاحت نہیں ملتی ہو، اس میں فقہا کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اجتہاد سے کام لیں تاکہ مسلمان حرام خوری سے بچ سکیں۔ شیخ شرف الدین منیری اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"در سنار گاؤں هم یکبارگی متعلمان در خوردن چونه شغبآ غاز کردند که حرام است زیرا که صدف از اجزائے حشرات بحر ست و حشرات بحر حرام است پس چونه هم حرام باشد ۔ شورے در سنار گاؤں افتاد ۔ با مراد ملوك خبر رسید که که متعلمان خردن چونه حرام می گویند ایشاں هم متردد شدند که بخوریم یانه؟ مفتیاں را جمع کردند۔ مفتیاں هم گفتند که چندیں هزار خلق دریں مبتلا است پس در آنچه خلق مبتلا باشد اگر بر حرمت آں جواب نویسم حکم کرده باشم که چندیں مسلماناں حرام می خورند ۔ بعده هیچ کس بر حرمت آں فتویٰ نه نبشت ۔ باز مولانا کریم الدین عرض داست که فقاهت دریں چیست که ایشاں بر حرمت آں جواب نه نبشتند ؟ گفتند : برائے آں که بر خلق آسان آید زیرا که راه اسلام همه کشاده است هر چه بر خلق دشوار آید آں امر جائز نیست که بر خلق به نهند ، مگر آنکه حرمتِ چیزے که به نص و کتاب ثابت شده باشد و خلق آں را آتی می شوند درآں مبتلا شد ،چنیں چیز ها روانه باشد که بر خلق آسانی گیرند ۔اما چیزے که در حد مجتهد فیه رفته است و خلقے بداں مشغول و مبتلا اند بر خلق آں رادشوار نه گیرند چنانچه آسانئ خلق باشد در آں چیز حکم کنند هر چه اجتهاد رادراں مدخل است فتویٰ بر وجهے به

نویسند که خلق را آسان باشد و حرجے بر ایشان نہ رسد ۔ و ایں حکم از قرآ ن ثابت است ۔ **قال اللہ تعالیٰ : ما جعل علیکم فی الدین من حرج.** ''۵۰

سنارگاؤں میں ایک مرتبہ طلبہ نے ہنگامہ کھڑا کردیا کہ سیپ سے بنا چونا کھانا حرام ہے۔ان کی دلیل یہ تھی کہ سیپ سمندری کیڑا ہے اور سمندری کیڑا کھانا حرام ہے، اس لئے چونا بھی حرام ہوا۔ پورے سنارگاؤں میں اس کا چرچہ ہوگیا۔ اس وقت کے امراء اور بادشاہوں تک یہ آواز پہنچی کہ طلبہ نے چونا کھانا حرام قرار دیدیا ہے۔ وہ سب بھی اس مسئلے میں متفکر ہوئے کہ کھانا چاہئے یا نہیں؟ آخر مفتیوں کو بلایا گیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس دیار کے ہزاروں ہزار مسلمان اس میں مبتلا ہیں، اگر اس کی حرمت کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چونا کھانے والے سارے مسلمان حرام خور ہیں۔ اس لئے ان مفتیوں میں سے کسی نے بھی اس کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ مولانا کریم الدین نے سوال کیا کہ ان مفتیوں نے کس فقہی قانون کے تحت اس کے جواز کا فتویٰ دیا؟ ارشاد فریا کہ اسلام کی راہ وسیع ہے، جو چیز کتاب وسنت میں منصوص نہیں، مجتہد فیہ ہے یعنی اجتہاد کو اس میں دخل ہے اور مخلوق اس میں مبتلا ہیں تو قاعدہ یہ ہے کہ ایسا فتویٰ دیں کہ لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ یہ قاعدہ قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ما جعل علیکم فی الدین من حرج**۔ ۵۱ ترجمہ: اللہ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

ریشمی سر بند لگانا کیسا؟

ریشم کے کپڑے کا استعمال مردوں کے لئے اسلام میں جائز نہیں۔ دوران گفتگو مولانا کریم الدین نے مولانا ضیاء الدین بسطامی کے حوالے سے کہا کہ کسی نے سوال کیا کہ ریشمی سر بند لگانا کیسا ہے؟ اس پر مولانا ضیاء الدین بسطامی نے بہت ہی مختصر جواب دیتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ ''اے بھائی اس میں بہت سارے لوگ مبتلا ہیں'' شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ اگر وہ کہتے کہ ریشم پہننا حرام ہے اوراس حدیث سے ثابت ہے **ھذا محرمان علی ذکور امتی** ۔تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ اس پر شیخ شرف الدین منیری نے جو اپنا نظریا پیش کیا ہے وہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

شیخ شرف الدین احمد منیری فرماتے ہیں کہ:

> ''پہننا حرام ہے اور یہ تو بال کا بندھن ہے اس سے بالوں کو سمیٹ کر باندھتے ہیں اس کو لباس نہیں کہیں گے بلکہ بندھن کہیں گے اور جہاں تک مجھے یاد ہے کہ شرف الدین ابوتوامہ (اپنے استاد کی طرف اشارہ) بھی ایسا کرتے تھے۔'' ۵۲؎

ایک پاؤں پر نماز پڑھنا کیسا؟

حضرت شیخ شرف الدین منیری سے پوچھا گیا کہ ایک پیر پر کھڑا ہوکر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ایک پیر پر کھڑا ہوکر نماز پڑھنا منع ہے۔اس لئے کہ قیام کی حالت میں ایک پاؤں پر بوجھ ڈالنا صحیح نہیں۔نماز کی حالت میں دونوں پاؤں پر کھڑا رہے تاکہ دونوں پاؤں پر بار برابر رہے۔ ۵۳؎

نبوت کے معنی پر ولایت کے معنی کی فضیلت

حضرت شیخ سعدالدین حمویہ کا قول ہے: الولایۃ افضل من النبوۃ یعنی نبوت ولایت سے افضل ہے۔اس کی مختلف انداز میں لوگوں نے تاویلیں کی ہیں اوراس سے یہ نتیجہ نیکالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔تاویل کا میدان بہت ہی وسیع وعریض ہے اسی لئے ہر شخص تاویل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔تاویل اصل میں احتمالات کی وضاحت ہے کوئی قطعی چیز نہیں ہوتی۔حضرت شیخ شرف الدین منیری نے اس کی تاویل

اس طرح سے کی ہے کہ سارے شکوک وشبہات ختم ہوگئے ہیں۔فرماتے ہیں:

''یہ سب کچھ انبیاء علیھم السلام کے حق میں ہونا چاہئے۔ہاں!اس کی صورت یہ ہوگی کہ انبیاء کرام کے دو رُخ ہوتے ہیں یعنی اس کی دو حیثیت ہوتی ہے۔ایک رُخ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اور دوسرا رُخ لوگوں کی جانب ہوتا ہے۔اس حیثیت سے وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور اس کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ان میں سے جو رُخ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اس کا نام ولایت ہے اور جو رُخ لوگوں کی جانب ہوتی ہے اس کا نام نبوت ہے۔'اور یہ دونوں صفتیں انبیاء میں پائی جاتی ہیں جبکہ اولیاء میں صرف ایک صفت پائی جاتی ہے۔''[۵۴]

فقہی مباحث کا سلسلہ اسی پر اختتام کیا جاتا ہے۔مزید مطالعہ کے لئے معدن المعانی اور مکتوبات صدی وغیرہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔حضرت شیخ کو تاویل کرنے میں مہارت حاصل تھی ۔ جہاں دوسروں کو تاویل کرنے میں دقتیں پیش آتی ہیں وہیں شیخ شرف الدین منیری بڑی آسانی سے اس کی تاویل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کی مثال آپ کی تصانیف میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔

سجدۂ تعظیمی کی اباحت

اسلام میں سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو جائز نہیں۔اگر کوئی بجذبۂ عبادت اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرتا ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اگر تعظیماً کرے تو بعض علماء کے نزدیک حرام ہے۔مثلاً مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک سجدۂ تعظیمی حرام ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک مباح ہے، وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو جائز نہیں اس حوالے سے کئی احادیث مروی ہیں۔ یہاں پر ایک حدیث کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے خواہ عبادت کے لئے ہو خواہ تعظیم کے لئے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت آمر ا احد ا ان یسجد لاحد

لامرت المرآة ان تسجد لزوجها. اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔۵۵

اس کے بعد بھی بعض مشائخ اسے مباح سمجھتے ہیں ان کی بھی اپنی دلیلیں ہیں۔چنانچہ مخدوم زادے سراج العارفین پڑھتے ہوئے جب اس حکایت پر پہنچے کہ ایک دن ایک بزرگ زادہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں تشریف لائے۔اسی وقت ایک شخص حاضر ہوا اور سجدہ کے طور پر سر زمین پر رکھا۔آئے ہوئے اس مسافر نے کہا کہ سجدہ بجز خدا کے اور کسی کے لئے جائز نہیں۔اس پر حضرت نظام الدین نے فرمایا کہ شاید مباح ہو، اور دلیل یہ دی کہ پہلے کے لوگ بادشاہ کو بجائے تحیت سجدہ کیا کرتے تھے اور اگلی امت کی تحیہ بھی سجدہ تھی۔ شاید اس کی اباحیت باقی رہ گئی ہو۔حضرت نظام الدین اولیاء کو جب کوئی سجدہ کرتا تو آپ منع نہیں کرتے۔اور فرماتے تھے کہ میرے شیخ منع نہیں کرتے تھے اس لئے میں بھی انہیں نہیں روکتا۔اس لئے کہ اگر میں انہیں روکوں تو اس سے میرے شیخ کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔۵٦

قاضی اشرف الدین نے شیخ شرف الدین منیری سے سوال کیا کہ جب اس سجدہ (سجدۂ تعظیمی) کا حکم منسوخ ہو گیا تو پھر مباح کیسے ہوا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ کسی چیز کی ضرورتاً منسوخ ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کچھ بھی مشروعیت اس کی باقی نہ رہی۔اور یہ جائز ہے کہ کوئی چیز منسوخ ہو گئی ہو اور مشروعیت اس کی کسی صورت میں بھی باقی ہو جیسے ایام بیض کا روزہ اور عاشورہ کے دن کا روزہ کہ جس کی فرضیت منسوخ ہے لیکن اس کے باوجود مشروعیت باقی ہے۔۵۷

سلسلہ فردوسیہ میں بھی سلسلہ چشتیہ کی طرح سجدۂ تحیت مباح ہے۔حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فرماتے ہیں:

''اگر عبادت کی نیت سے کوئی سجدہ کرے تو کفر ہوگا لیکن تحیۃ اور سلام کی نیت سے ہو تو شاید مباح ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔''۵۸

انسانی زندگی کے اصلاحی پیغامات

انسان جس معاشرہ میں رہتا ہے وہاں مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا پڑتا ہے۔انسانی زندگی میں بغیر ایک دوسرے کی مدد کے کسی بڑے کام کو انجام دینا بہت مشکل ہے۔اس دوران مختلف مذاہب

کے ماننے والوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے اور کبھی کبھی ان کے ساتھ کام بھی کرنا پڑتا ہے اور مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس دوران جس انسانی قدروں کی وجہ سے میل جول اور قربت بڑھتی ہے اور لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں، اسی کا نام اخلاق ہے ۔حضور ﷺ کی زندگی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے اور مسلمانوں کو اسی اعلیٰ اخلاق کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری نے حضور ﷺ کی زندگی کے اخلاقی پہلوؤں کا اجمالی خاکہ بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے:

''آپ ﷺ کا رہن سہن اور آپ کے جملہ حرکات وافعال بہت پسندیدہ تھے۔ اس لئے جو شخص آپ کی پیروی کرتا ہے اس کو لازم ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرے جیسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور غیر کے دور ونزدیک والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ رکھے اور لوگوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش نہ آئے، تاکہ مروت مٹ نہ جائے۔ اور بد خصلتی نہ کرے تاکہ خوش دلی میں فرق نہ آنے پائے۔ اور ہر وقت ہنس مکھ اور کم بولنے والا رہے۔

جس سے ملے پہلے خود سلام کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ملاقات اصحاب کے ساتھ اگر ایک دن میں سو مرتبہ بھی ہوتی تو آپ ﷺ ہر بار سب کو سلام کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ اخلاق تھا کہ دوسروں کو بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔''[۵۹]

زندگی کی ابتداء

ایک شخص نے سوال کیا کہ بچے کی ولادت کے وقت اس کے کان میں جو اذان کہی جاتی ہے اس کی اصل کیا ہے؟ کیا اس کا شرع میں کوئی حکم ہے؟ شیخ شرف الدین منیری نے جواباً عرض کیا کہ سنت ہے۔ تاکہ دیو اور اجنا اُسے ڈرا نہ سکیں۔[۶۰]

ابتدائی تعلیمات

ایک مجلس میں قاضی اشرف الدین اپنے خواہر زادہ (بھانجے) کے ساتھ آئے اور حضرت شیخ شرف الدین منیری سے عرض کیا کہ آج اس کے مکتب کا پہلا دن ہے اور دلی خواہش یہ ہے کہ آپ کے سامنے یہ لکھے۔حضرت مخدوم نے یہ درخواست قبول کیا اور اپنے ہاتھ سے یہ چار حرف لکھا۔ا،ب،ت،ث۔اس کے بعد اس چار حرف کی تعلیم اس بچے کو اس طرح دی کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھایا، پھر چاروں حروف پڑھایا۔اور اس بچے کے لئے دعاء کی۔آخر میں فرمایا کہ لڑکا جس وقت بسم اللہ پڑھتا ہے اس وقت تین آدمی بخشے جاتے ہیں ماں، باپ اور استاذ۔[۶۱]

شادی کے غیر شرعی رسم ورواج

اسلام نے شادی کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے مطابق اگر شادی کو انجام دیا جائے تو انسان بہت سی غیر شرعی رسم ورواج سے بچ سکتا ہے اور اخراجات بھی کم ہو سکتے ہیں۔ملکی سطح پر اس وقت جو شادی بیاہ کی صورت حال ہے وہ بہت ہی افسوس ناک ہے۔بے جا اسراف اور غیر شرعی رسم ورواج نے شادی جیسی مقدس چیز کو مشکل سے بنا کر رکھ دیا ہے اور خرافات کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔شیخ شرف الدین منیری نے ان خرافات کے خلاف بھی قلم اٹھایا جیسا کہ ان کے مکتوبات سے پتا چلتا ہے۔ایک مرتبہ شادی میں رسم ورواج کے متعلق آپ سے پوچھا گیا کہ اس طرح کے خرافات جو آج کل شادیوں میں رائج ہیں کیا حضورﷺ کے زمانے میں بھی تھا؟ آپ نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس زمانے میں تو تھا لیکن اس طرح نہیں تھا جو آج رائج ہے۔ان حضرات (صحابۂ کرام) کو ہر وقت موت، قبر اور قیامت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔اُس زمانہ کی عورتوں کو بھی آخرت کی فکر لگی رہتی تھی لیکن آج دلوں میں آخرت کا وہ غم نہیں ہے اسی لئے شادی بیاہ کے رسم ورواج میں تکلفات اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔

والدین کے حقوق

حضورﷺ نے فرمایا کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور باپ جنت کے دروازہ ہیں۔اس حدیث شریف کی روشنی میں شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ ماں باپ کی خوشنودی اولاد کے لئے بڑی دولت

ہے۔حضورﷺ نے فرمایا کہ جس مومن سے ان کے ماں باپ خوش ہیں اس کو جنت کی بشارت ہے اگر چہ گنہگار رہی ہو۔اگر والدین خوش نہیں ہیں تو دوزخ کی وعید بھی ہے۔والدین کی خدمت سے اولاد کو منھ نہیں چرانا چاہئے اور نہ مکرنا چاہئے۔اگر والد کافر ہو پھر بھی احترام واجب ہے۔شیخ تعلیم دیتے ہیں کہ کسی دوسرے کے والد کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا گویا اپنے والد کو گالی دینے کی طرح ہے کیونکہ سننے والا بولنے والے کے والدین کو جواباً گالی دے سکتا ہے۔

اور یہ بھی والدین کے حقوق میں سے ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھے اگر مومن ہیں۔ان کی مغفرت کی دعا کرے،ان کے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرے،ان کی وصیتوں کو پوارا کرے،ان کے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے،ان کے دوستوں سے ملاقات کیا کرے۔۶۲

شیخ شرف الدین منیری کے بقول اگر کسی کے والدین ناراض ہوکر دنیا سے گئے ہیں تو ان کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول وہ پارسائی اختیار کرے۔دوسرا یہ کہ والدین کے قرابت مندوں کا احترام اور ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے۔ان کے دوستوں کے ساتھ دوستی رکھے۔تیسرا یہ کہ ہمیشہ ان کے لئے دعا کرتا رہے۔

شیخ اور تصور شیخ

تصوف میں شیخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور عوام میں یہ مشہور ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔یہ قول حضرت بایزید بسطامی کا ہے۔۶۳ اس پر باب اول میں گفتگو ہو چکی ہے۔بقول حضرت شیخ شرف الدین منیری شیخی کا اہل اور مرتبۂ مقتدائی کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جس کے اندر یہ پانچ خصلتیں پائی جائیں۔یہ پانچ خصلتیں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے عبارت ہے: اللہ فرماتا ہے: **فوجدا عبدامن عبادنا اٰتینا ہُ رحمة من عندنا و علّمنا ہُ من لّدنا علما** : ۶۴ ترجمہ: تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔

شیخ کے اندر جن پانچ خصلتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ حضرت شیخ شرف الدین منیری کی زبان میں مندرجہ ذیل ہے:

پہلا مرتبہ اختصاص عبدیت کا جو **من عبادنا** سے ظاہر ہے۔

دوسرا مرتبہ اس حقیقت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد تھی جس کا نزول بے واسطہ حضرت جنید

بغدادی سے ہوتا تھا۔ یہ اٰتینا ہُ سے روشن ہے۔

تیسرا مرتبہ اس امر کی خصوصیت کو دکھا رہا ہے کہ مقام عبدیت سے رحمتِ خاص کی یافت حاصل تھی۔ یہ **رحمة من عندنا** سے واضح ہے۔

چوتھا مرتبہ حضرت خداوندی نے بے واسطہ علوم سکھائے تھے۔ یہ **علّمناهُ** سے صاف صاف نکلتا ہے۔

پانچواں مرتبہ علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی جس کا انکشاف **من لدنا علما** سے ہو رہا ہے۔۶۵

جس کے اندر یہ باتیں پائی جائیں گی وہ شیخ کہلانے کا حق رکھتا ہے اور وہ مرید بھی کر سکتا ہے۔ شیخ کے اندر یہ بھی صلاحیت ہو کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت قرآن و حدیث کے ذریعہ شریعت کے دائرے میں رہ کر انجام دے سکے۔ شیخ کا سالک ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ مجذوب ہوگا تو پھر تربیت کیسے کرے گا۔ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، شیخ کی تلاش میں پانی پت شیخ شرف الدین پانی پتی کی خانقاہ میں پہنچے اور تین دن قیام کرنے کے بعد فرمایا کہ ''یہ شیخ تو ہیں لیکن مجذوب مغلوب الحال ہیں'' یہ تو اپنے ہی حال میں مگن ہیں، دوسروں کی تربیت کیسے کریں گے۔۶۶

اسی لئے شیخ کے حوالے سے مکتوبات صدی میں شیخ شرف الدین منیری نے جو فرمایا ہے، اس سے ایک اقتباس یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

> ''جس شیخ کا جمال طالب کو اپنی طرف کھینچے اس شیخ کو سالک ہونا چاہئے مجذوب نہیں۔ کیونکہ مجذوب پیر بنانے کے لائق نہیں ہوتے۔ ان کے مقامات بیہوشی میں طے ہوتے ہیں اور سالک ہر ہر مقام سے آگاہ ہو کر منزل مقصود کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔''۶۷

بیعت

بیعت کا مطلب ہوتا ہے بیچ دینے کے یعنی جب کوئی کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ان کا مرید ہو جاتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو پیر کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ اس کے اختیار میں اب کچھ نہیں رہتا۔ بیعت کے لئے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین فرماتے ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بغیر بیعت نہیں ہوسکتی۔ مریدی اسی وقت درست ہوتی ہے جب ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ مولانا نظام الدین ورون

حصاری نے حضرت شیخ شرف الدین منیری سے سوال کیا کہ غائبانہ بیعت ہوسکتی ہے یانہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ کہیں پر یہ روایت نہیں آئی ہے اور منقول بھی نہیں ہے اگر بزرگوں سے نقل آئی ہوتو اس وقت اس کو صحیح مانا جائے گا۔۶۹ے

پیر خرقہ و پیر بیعت

شیخ شرف الدین کے بقول پیر خرقہ اس پیر کو کہتے ہیں جن کے پاس کوئی شخص مرید ہونے کے لئے گیا، اس نے ہاتھ پکڑا اور طاقیہ (ٹوپی) پہنایا۔ چوں کہ طاقیہ بھی خرقہ ہی ہے اس لئے اس پیر کو پیر خرقہ کہتے ہیں اور اسی کو پیر بیعت بھی کہتے ہیں۔

پیر تربیت

پیر تربیت اس پیر کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی سے مرید ہوا اور کہیں دور چلا گیا۔ کوئی صورت ایسی نہیں نکل سکتی تھی کہ اپنے پیر کی صحبت اختیار کر سکے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے پیر کی صحبت اختیار کرلے۔ اب جو شیخ اس کی تربیت کریں گے اسے پیر تربیت کہا جاتا ہے۔۶۹ے

مرید

مرید کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو پوری طرح سے پیر کے سپرد کر دینا اور اپنے سارے معاملات کو پیر کے حکم کے مطابق انجام دینا۔ شیخ شرف الدین احمد منیری نے اپنے ایک مرید شیخ عمر کو مکتوب میں مرید کے متعلق لکھتے ہیں کہ مرید کیسا ہونا چاہئے اور مرید ہوجانے کے بعد اسے کس طرح سے اپنی زندگی گزارنا چاہئے۔ شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں:

> ''اے بھائی! مرید اس کو کہتے ہیں جو خود کو پیر میں گُم کردے۔ الارادة ترک الارادة (مرید ی اپنے ارادہ کا ترک کرنا ہے) یوں کہ اپنی خواہشات سے ایسا نکل آئے جیسے سانپ کچلی چھوڑ کر نکل آتا ہے اور مردہ جس طرح غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر ذرہ برابر بھی اس نے اعتراض کیا تو وہ خود پرست ہے مرید نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرید کو پیر پرست ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ

خدا پرست ہو جائے۔من یطع الرسول فقد اطا ع اللہ۔"۰ے

خلافت

دوسرے سلاسل کی طرح سلسلہ فردوسیہ میں بھی خلافت دیتے وقت خرقہ اور سر کے بال تراشنے کی روایت قائم ہے لیکن یہ کوئی فرض یا واجب کے حکم میں نہیں ہے حضرت شیخ شرف الدین منیری خود مانتے ہیں کہ عہدِ رسول ﷺ میں آج کے زمانے کی طرح بیعت وخلافت کا عام رواج نہیں تھا۔صرف صحبت قائم تھی اور خرقہ بھی تھا لیکن بال ترشوانا مشائخ کے یہاں بعد میں رائج ہوا۔

> "رسول اللہ ﷺ کے عہد پاک میں اوراگلوں کے زمانے میں بیعت وحلق نہیں تھا یعنی اس کا عام رواج نہیں تھا صحبت تھی اور خرقہ تھا اور اس جیسی دوسری چیزیں تھیں۔کیا یہ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خرقہ خواجہ اویس قرنی کو بھیجا۔ہاں ! قصر حلق اور بیعت متاخرین کے زمانہ میں رائج ہوا ہے۔"اے

مقراض کی اصل حضرت آدم اور حضرت شیث علیہ السلام سے ہوتی ہے۔شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کو جو اولادیں ہوتیں، انھیں کسی نہ کسی کام میں لگا دیتے تھے۔حضرت شیث کے لئے حضرت جبرئیل مقراض لائے اور کہا کہ جو آپ سے تعلق پیدا کرنا چاہے اس قینچی سے اس کے سر کے بال تراش لیا کیجئے تا کہ اس شخص اور آپ کے درمیان تعلق کامل ہو جائے۔مقراض کی اصل اور ابتدا یہیں سے ہوئی اور مشائخ نے اس کو اختیار کیا۔۲ے

مشائخ کے یہاں بال تراشنے کی جو روایت قائم ہے اس سے بعض مشائخ کے یہاں سر کا پورا بال تراشنا مراد لیا جاتا ہے اور بعض کے یہاں صرف تین اور کہیں چار بال تراشا جاتا ہے جس کو مشائخ کی زبان میں مقراض رانی کہا جاتا ہے۔اس کے بارے میں جب شیخ شرف الدین منیری سے شیخ احمد بنگالی نے پوچھا کہ صرف تین ہی بال کاٹنے کا کیا مطلب ہے، اس سے زیادہ کیوں نہیں کاٹ سکتے ؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے کسی کتاب میں اس کی وجہ نہیں ملی، اللہ بہتر جانتا ہے پھر اپنی طرف سے اس کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تین بال اس معنی کے اعتبار سے لیتے ہوں جیسا کہ حجابات کے متعلق کتابوں میں مسطور ہے کہ حجابات

تین ہیں:

پہلا حجاب مخلوقات ہیں، جو طاعت و عبادت کے لئے حجاب ہیں اور آدمی کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتا ہے۔

دوسرا دنیا، جو عقبیٰ کے لئے حجاب ہیں۔ اور

تیسرا عقبیٰ، کہ وہ مولی کے لئے حجاب ہیں۔

بقول شیخ شرف الدین منیری کے جس وقت یہ تینوں بال تراشے جاتے ہیں وہ تینوں حجابات کو قطع کر دیتے ہیں۔ چوتھا حجاب نفس کو بھی مانا جاتا ہے۔ اس طرح سے سر کے چار بال کاٹے جاتے ہیں اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ سر کے چاروں طرف سے ایک ایک بال کاٹے جاتے ہیں۔

اشغال فردوسیہ

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اوراد و وظائف کو ترتیب دیا ہے جو ''اوراد خورد''، ''عقیدۂ شرفی'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی اور معدن المعانی وغیرہ میں بھی اوراد و وظائف کے متعلق مباحث ملتے ہیں جن میں سے صرف ان کا تذکرہ جو، اوروں سے مختلف ہیں، یہاں کیا جاتا ہے۔

عبادت کا آغاز

صبح نیند سے بیدار ہو کر وضو کریں، وضو کا بچا ہوا پانی اس نیت سے پی لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دل کو روشن کر دے۔ اس کے بعد کہیں: **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و حدہٗ لا شریک لہٗ اشھدُ ان محمداً عبدہٗ ورسولہ.** حضرت حسن بصری نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ جو شخص وضو سے فارغ ہونے کے بعد اس کو پڑھتا ہے تو بہشت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیے جاتے ہیں۔[۳۲]

ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید

جب بھی وضو ٹوٹ جائے پھر سے وضو کرے اور دو رکعت نماز نفل اس ترتیب سے ادا کرے جس کی تعلیم دی گئی ہے۔

دن ہو یا رات کسی وقت بھی بے وضو نہ رہیں بلکہ بے وضو کھانا پینا بھی نہ کریں۔اس بہترین کام کا ہمیشہ خیال رکھیں اس لئے کہ وضو مومن کا حصار ہے۔اس سے گناہ دھلتے ہیں اور جو باوضو مرتا ہے وہ شہید مرتا ہے۔جو وضو کر کے اور پاک کپڑے پہن کر سوتا ہے اس کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے۔پوری رات یعنی جب تک باوضو سونے والا بیدار نہ ہو جائے وہ فرشتہ اس کے لئے دعا کرتا رہتا ہے۔۴ے

نماز بحصول شبِ قدر

دو رکعت نماز شب قدر کو پانے کے لئے وتر سے قبل اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر تین تین مرتبہ پڑھیں۔جو شخص یہ نماز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو شبِ قدر کا ثواب عطا فرما دے گا یا ،اسے شبِ قدر نصیب فرد ے گا۔۵ے

شب عاشورہ کی نماز و دعاء

حضرت شیخ شرف الدین منیری نے محرم کی دسویں تاریخ کی شب اور دن کی مخصوص نمازوں اور دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔اس نماز کے پڑھنے کے طریقے بھی بتائے ہیں اس کو''اورادخورد''میں دیکھا جا سکتا ہے۔

لیلۃ الرغائب کی نماز اور اس کی دعائیں

رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھیں اور دن گذار کر شب جمعہ کو مغرب کی نماز کے بعد دو دو رکعت کر کے بارہ رکعت نماز ادا کرے۔اس کی ترتیب''اوردخورد''میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔۶ے

اوراد و وظائفِ مسنونہ

یہ کتاب حضرت شیخ شرف الدین منیری کے مرید و خلیفہ حضرت حسین نوشۂ توحید بلخی کی ترتیب کردہ ہے جس کا ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی بلخی فردوسی نے کیا ہے۔اس میں زیادہ تر دعائیں ہیں جو نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

وظیفہ پڑھنے اور چھوڑنے پر لعنت کی عالمانہ تاویل

حضورﷺ سے ایک روایت مروی ہے صاحب الورد ملعون یعنی ورد کرنے والا ملعون ہے۔۷ے

اس حدیث کے متعلق ایک مجلس میں قاضی صدرالدین نے سوال کیا کہ اس حدیث کا اطلاق کس طرح سے ہو گا؟ اس کے جواب میں شیخ شرف الدین منیری نے اس کی وضاحت یہ کی کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں ایک جہود تھا جو بہت زیادہ ورد کرتا تھا۔ جب اس کی خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: **صحب الورد ملعون**. اس میں اشارہ اس جہود کی طرف ہوا۔ جب اس کی خبر اس جہود کو ہوئی کہ میرے ورد کرنے پر رسالت مآب نے ایسا فرمایا ہے تو اس نے ورد کو ترک کر دیا۔ جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو فرمایا: **تارک الورد ملعون**. جس نے ورد کو ترک کیا وہ بھی ملعون ہے، شیخ شرف الدین فرماتے ہیں کہ اس میں بھی اشارہ اس جہود ہی کی طرف ہے۔

اس حدیث کو دوسری طرف محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ بہت سے لوگ اس کے متلاشی ہیں اور ہزاروں حاجت مندوں کی توجہ اس کی جانب لگی رہتی ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ لوگوں کا کام بھی اسی پر موقوف ہے۔ لوگوں کا گھر کاروبار کے چلنے چلانے میں اس شخص کا بڑا دخل ہے اس لئے لوگ اس کے انتظار میں ہیں اور وہ آدمی ہے کہ اوراد و وظائف میں لگا ہوا ہے۔ لوگوں کی ضرورتوں کا ذرہ برابر بھی اسے فکر نہیں تو **صاحب الورد ملعون** کا اشارہ ایسے ہی شخص کی طرف ہوگا اور حدیث کا دوسرا ٹکڑا **تارک الورد ملعون** یہ ان کے لئے ہے کہ کوئی شخص ہے جس نے اپنے اوقات کو تقسیم کر رکھا ہے اور جن اوقات میں اسے اوراد و وظائف کرنا ہے وہ نہیں کر رہا ہے بلکہ بلا عذر وظائف کو ترک کر دے رہا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کہا جائے گا **تارک الورد ملعون** کہ جس نے ورد کو ترک کیا وہ ملعون ہے۔[۸۷]

وظیفہ میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کریں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو چیزیں مسلمانوں پر فرض کی ہیں اس کی ادائیگی کے بعد اگر وقت بچتا ہے تو اس میں اوراد و وظائف کا ورد کرنا چاہیئے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن سارے کام چھوڑ کر سارا وقت وظائف میں لگا دینا اس کی اجازت اسلام میں نہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری کے بقول وظیفہ اتنا ہی کرے جتنا ہمیشہ کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ دن کرے پھر چھوڑ دے۔ فرماتے ہیں:

> ''آدمی کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اتنے ہی وظیفہ کا پابند بنائے جتنا کہ اس کی طاقت ہو کہ وہ اس کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کر سکے، ایسا نہ ہو کہ ایک

مدت تک کرے پھر گھبرا کر چھوڑ دے یہ اچھا نہیں ہوگا۔ ورنہ اس وعید کے
تحت میں آجائے گا:**من عبد الله عبادة فتر كها ملالة مقته الله.**۷۹
جس نے اللہ کی کوئی عبادت کی پھر ملول ہوکر اسے چھوڑ دیا تو گویا اللہ اس
سے ناراض ہوگیا۔

نمازِ معکوس

مجلس میں موجود حضرت قاضی اشرف الدین نے نماز معکوس کے متعلق سوال کیا کہ حضورﷺ نے کتنی مرتبہ نماز معکوس ادا کی؟

حضرت شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا کہ ایک مرتبہ۔ پھر سوال ہوا کہ کس طرح یہ نماز ادا کی جاتی تھی؟ کسی چیز پر سہارا تھا یا نہیں اور اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں خود حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ؛ اس نماز کی کیفیت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ فوائد الفواد میں اس کا تذکرہ ہے اور باب اول میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۸۰

جب یہ سوال ہوا کہ یہ نماز کیوں پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ کوئی اہم کام درپیش تھا، اسی لئے اس نماز کو ادا کیا گیا۔ مزید فرمایا کہ مشائخ جو اس نماز کو ادا کرتے ہیں وہ اس لئے تاکہ قول و عمل میں رسول خدا کی پوری پوری پیروی ہو جائے اور اتباع رسول کے سلسلے میں جو وعدہ کیا گیا ہے وہ نصیب ہو جائے ۔۸۱ لیکن شیخ شرف الدین منیری سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی صلوۃ معکوس پڑھی ہو۔

حبس دم

حضرت شیخ شرف الدین منیری سے جب حبس دم کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ حبس دم بعضوں کے نزدیک اصل، قوی اور اہم ہے۔ یہ ذکر اصل میں وسوسوں کو دور کرنے اور خطرات کو دفع کرنے کے لئے مجرب بتایا گیا ہے۔ سلسلۂ فردوسیہ، سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلہ شطاریہ کے مشائخ نے اس کی افادیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے علاوہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں نے اس ذکر کی شرط نہیں لگائی اور نہ اس کے اولیٰ ہونے کے خلاف ہیں۔۸۲

مشرب فردوسیہ کے اذکار مجاہدہ

۳۳/ بار سبحان الله ،۳۳/ الحمدلله،۳۳/ لاالٰه الاالله، ۳۳/ الله اکبرُ. اس کے ساتھ لاحولَ دل پر و لاقوة بائیں زانو پر کہے اور الاّ کو داہنے زانوں پر کہے اور باِ للہِ کو داہنے مونڈھے پر کہے اور العلیّ کو سر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہے اور العظیم کو ضرب دل پر لگائے۔اسی طرح ۳۳ بار ادا کرے۔۸۳؎

پاس انفاس

ذکر پاس انفاس کو ہی ذکر نفی واثبات کہا جاتا ہے۔حضرت شیخ شرف الدین منیری کے بقول پاس انفاس کا معنی یہ ہے کہ طالب ہر وقت اپنی ہر سانس پر دھیان رکھے اس تصور کے ساتھ کہ کوئی سانس بغیر ذکر الٰہی کے خالی نہ گذرے۔ ہر وقت اپنی سانس کا محاسبہ کرتا رہے۔

یہ طریقہ ہر شخص کے لئے تو بہت ہی دشوار ہے اور ناممکن ہے۔اس لئے انسان مختلف قسم کی مصروفیات میں گھرا رہتا ہے۔اگر اس کا ذہن ہر وقت ذکر میں لگا رہے گا تو اس کا کام خراب ہوسکتا ہے اس لئے کہ ایک وقت میں ایک ہی کام انجام دیا جاسکتا ہے۔اسی کی آسانی کے لئے بزرگوں نے اس کا آسان طریقہ نکالا ہے کہ اس ذکر کو کرنے والا قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور منھ بند کرلے اور جب سانس باہر نکلے تو اس وقت گویا دل کی زبان سے لاالٰہ کہے اور جب سانس اندر کی طرف لے تو اس طرح زبان دل سے کہے الاالله .اس طرح مسلسل کرتا رہے ۔منھ بند ہو،اور سانس پر دھیان ہو اور ذکر لاالٰہ الاالله کرتا رہے۔عقیدہ اور ایمان کی پختگی کے لئے اس ذکر کے وقت جب لاالٰــہ کہتے ہوئے سانس باہر چھورے تو اس وقت یہ تصور قائم رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ساری چیزوں کو دل سے باہر کردیا۔اسی طرح جب سانس باہر چھوڑے تو اس وقت الاالله کہتے ہوئے یہ خیال رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وجود میرے دل میں ہے اور اس کے حسن و جمال سے میرا دل روشن ہے۔۸۴؎

ذکر دوضربی

دیگر سلاسل کی طرح سلسلہ فردوسیہ میں بھی ذکر دوضربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانوں بیٹھ کر دم بدم دل کی طرف کھینچتے ہوئے داہنے کاندھے پر لاالٰہ ایک ضرب،اور دل پر الاالله کی دو ضرب لگائے،تین، پانچ، یا سات بار۔اس پر ایک بار محمد رسول الله کہے۔اس طرح رفتہ رفتہ بڑھتا

جائے۔مشائخ کہتے ہیں کہ اس ذکر میں مستی وسرور طاری ہوگا۔جب یہ ذکر پورا ہوجائے تو تھوڑی دیر اپنے قلب پر متوجہ ہوکر مراقب ہواور شیخ کے تصور میں مستغرق رہے۔۸۵؎

ذکر اثبات یک ضربی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانوں بیٹھ کر الا اللہ کی ضرب بائیں زانوں پر جھک کر لگائے اور پھر وہاں سے سر اٹھا کر ایک ضرب اندرون جسم کے بیچ مقام میں لگائے اور پیہم اس کو کرتا جائے۔اس کی کثرت و مداومت میں بہت فائدے ہیں اور روشن ضمیری حاصل ہوتی ہے۔۸۶؎

شجرۂ فردوسیہ کے وظائف پنج گانہ

سلسلۂ فردوسیہ میں ہر نماز کے بعد پڑھنے والے وظائف کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس کی مختلف دعائیں ہیں ان سب کا یہاں لکھنا ضروری نہیں۔۸۷؎

سلسلۂ فردوسیہ میں روزانہ کے وظائف

جس طرح تمام سلاسل میں روزانہ کے معمولات کے مطابق اوراد و وظائف کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح سلسلۂ فردوسیہ میں بھی روزانہ کے معمولات کے مطابق وظائف کی تعلیم وترغیب دی جاتی ہے۔یہ سب زیادہ تر دعاؤں اور ذکر واذکار پر مشتمل ہے۔جنھیں ''اوراد و وظائف'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مناجات

تمام سلاسل میں مناجات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔بڑے بڑے سرخیل صوفیاء سے ان کی مناجات منسوب ہے اور ان کے معتقدین ومتوسلین اپنی عبادتوں میں ان مناجات کا سہارا لے کر دعا کیا کرتے ہیں۔فردوسی بزرگوں میں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے بھی ایک مناجات منقول ہے۔ان مناجات کے متعلق سید سیف الدین فردوسی لکھتے ہیں:

> ''بلا شبہ حضرت کی مناجات میں عشق وسرمستی بھی ہے،فکر آخرت وعاقبت
>
> بھی ، درد دل وسوز گداز بھی ہے، ذوق طلب وشوق دیدار بھی ہے۔اپنے
>
> حال خستہ وتباہ شدہ پر نالہ وفریاد بھی ہے، اس کی رحیمی وغفاری پر اعتماد و

بھروسہ بھی ۔ دل کی کیفیت اور سوز و گداز کے ساتھ اس مناجات کو پڑھتے

رہیں اور بطور وظیفہ استعمال کریں ۔'' ۸۸

ان مناجات سے صرف ایک اقتباس کا یہاں پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

''اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تو قوی اور میں عاجز ہوں ۔ اے اللہ! تو ہی

میرا مالک ہے اور میں تیرا مملوک ہوں ۔ اے اللہ! میں عاجزوں میں سب

سے زیادہ عاجز ہوں ۔ اے اللہ! میں جاہلوں میں سب سے زیادہ جاہل ہوں

۔ اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ کس طرح تیری رضا حاصل کروں ۔ اے اللہ!

میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں ۔ الٰہی! میرے عجز و بیچارگی کو تو دیکھتا ہے ۔

الٰہی! میری حاجتوں سے تو واقف ہے ۔ اے اللہ! میں بے چارہ و عاجز ہوں

اور کوئی حیلہ، قوت اور وسیلہ نہیں رکھتا ہوں ۔ تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس

سے میں بیزار ہوں ۔'' ۸۹

معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ تعلقات

سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کی علمی قابلیت ایسی تھی جس کی بنا پر عوام کے علاوہ بادشاہ و امرا بھی ان سے متأثر تھے اور ان کی طرف احترام کی نظر سے دیکھا کرتے تھے ۔ دہلی کی سرزمین پر سلسلہ فردوسیہ کے تین بڑے مشائخ گذرے ہیں ۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی، خواجہ رکن الدین فردوسی اور خواجہ نجیب الدین فردوسی ۔ (ان شخصیتوں کا تذکرہ باب دوم میں تفصیل سے ہو چکا ہے) یہ حضرات چشتی مشائخ کی طرح آبادی میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ تنہائی میں رہنا، ان کو پسند تھا ۔ اسی لئے ان کی خانقاہیں آبادی سے بالکل دور بیابانوں میں آباد تھیں جن کی نشانی آج بھی باقی ہے ۔ عوام سے ان کے تعلقات چشتیوں سے کم تھے اور بادشاہ و امرا سے بھی ان کے تعلقات بہت زیادہ نہیں تھے ۔ فردوسی مشائخ نے درمیان کا راستہ اختیار کر لیا تھا ۔ سلاطین وقت سے نہ بہت زیادہ قربت بڑھاتے اور نہ ہی اس کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کا زمانہ آیا تو عوام کے علاوہ بادشاہ و امرا سے تعلقات کا دائرہ وسیع ہوا جس سے سلسلہ فردوسیہ کا اعلیٰ پیمانے پر

فروغ ہوا۔

بادشاہ وامراء سے تعلقات

حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کی شخصیت ایسی ہے جنہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔اس لمبے عرصے میں انہوں نے تین سلطنتوں کے عروج وزوال کو دیکھا جن میں تقریباً سات بادشاہوں نے دہلی میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔جن میں سے صرف دو تغلق بادشاہ، محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق سے اچھے تعلقات قائم ہو سکے۔ان کے نام شیخ شرف الدین منیری نے مکتوب ارسال کیے اوراس میں بادشاہ وقت کواپنے فرائض منصبی کو انصاف و دیانت داری کے ساتھ نبھانے کی ترغیب دلائی۔

محمد بن تغلق (عہد حکومت ۵۱۔۱۳۲۵ء)

جس وقت محمد بن تغلق ۱۳۲۴ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، اس وقت حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کی شہرت عروج پر تھی اور آپ کے علمی فیضان کا ہر طرف چرچا تھا۔ جب اس کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو اس نے شیخ شرف الدین منیری کو خط لکھوایا۔ کہ کچھ اصولی باتوں کے علاوہ علم تصوف کی تعلیمات سے کچھ بادشاہ کے لئے لکھے جائیں۔شیخ نے اس کے جواب میں بادشاہ دہلی محمد بن تغلق کو خط لکھا اوراس میں علم تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ جب لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا، وہ فاقہ کشی کے دور سے گذرنے لگتے ہیں تو اس وقت خدا کو خوب یاد کرتے ہیں اور جیسے ہی مال و دولت اور شہرت ہاتھ آتی ہے مرتد ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر بادشاہ محمد بن تغلق کے نام لکھے گئے مکتوب سے اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ شرف الدین منیری نے لکھا:

''بنام سلطان محمد بزرگ (سلطان محمد شاہ تغلق سلطان ہند کے نام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر اعز محبّ الفقرا والمساکین محمد شاہ اللہ جل شانہ' آپ کے تمام دینی و دنیاوی امور کو سنوار دے اوراس حال میں اپنے شکر گذار بندوں میں داخل فرمائے۔کاتب مکتوب شرف منیری کا سلام و دعا مطالعہ فرمائیں اور جانیں

اللہ رب العزت کا فرمان ہے وعسیٰ أ ن تکرھو اشیاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبو شیاً وھو شر لکم(القرآن) بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اس میں تمہارے لئے نیکیاں اور بہتری ہوتی ہیں اور بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بدترین چیزیں ہوتی ہیں۔'' ۹۰

اسی خط میں حاکم و محکوم کے فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے اس مجموعے کی طرف اشارہ کیا ہے جو بادشاہ کے پاس موجود تھیں اور وہ اسے اپنے مطالعہ میں شامل رکھتا تھا۔ مخدوم فرماتے ہیں:

'' مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری تحریروں میں سے دو جلدیں آں برادر کے پاس پہنچ گئی ہیں لیکن ان میں سے وہ جو حروف و کلمات یعنی تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے اسے اس جہان میں کس نے لکھا ہے؟۔'' ۹۱

اس مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہ محمد شاہ تغلق کے پاس مکتوبات کی دو جلدیں موجود تھیں جنہیں وہ اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا۔ شیخ شرف الدین خود اس مکتوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرا تحریر کردہ دو جلد بادشاہ کے پاس موجود تھی ۔

شیخ شرف الدین منیری نے اس خط کے ذریعہ بادشاہ وقت کو یاد دِلایا کہ جو شخص اپنے فرائض منصبی کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرے گا تو اس کا حال بھی قارون، نمرود، فرعون اور شداد کی طرح ہوگا۔ یہ مثال بھی دی کہ حضرت ثعلبہ صحابی کو کبوترِ مسجد کہا جاتا تھا جو ہمیشہ مسجد نبوی میں آکر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس نے حضورﷺ سے اپنی تنگدستی بیان کی۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو۔ وہ نہیں مانے اور دولت کی دعا کرنے کی درخواست کی۔ حضورﷺ نے دعا کی، دعا قبول ہوئی اور ثعلبہ مالدار ہوگئے۔ آخر میں اس مال و دولت کی محبت نے انہیں مرتد بنا دیا۔

مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ محمد بن تغلق اور شیخ شرف الدین میں باہم اچھے تعلقات تھے اور دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ بادشاہ نے بہار کے گورنر زین الدین ماجد الملک ۹۲ کے نام بلغاری مصلیٰ شیخ شرف الدین کے لئے بھیجا اور ساتھ میں یہ حکم نامہ بھی بھیجا کہ شیخ کے لئے بہار شریف میں ایک خانقاہ کی تعمیر کی جائے اور

خانقاہ کے انتظام وانصرام کے لئے راجگیر کی جاگیر بھی شیخ شرف الدین منیری سے قبول کروائی جائے۔ اگر نہ لیں تو زبرستی دی جائے۔۹۳؎ مزید معلومات کے لئے باب سوم میں بہار کی پہلی خانقاہ کا مطالعہ کریں۔

فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸۔۱۳۵۱ء)

سلطان محمد تغلق کو لوگ ظالم کہتے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو عادل کہتا تھا۔ حضرت شیخ شعیب کے بقول باد شاہ کا کہنا تھا کہ جو جس کام کا مستحق ہے اسے وہی کا ملنا چاہیئے اس لئے اس نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے اہل طریقت سے ان کا لباس درویشی اتروا کر دنیا داری کے عہدوں پر مامور کر دیا تھا۔ مثلاً حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ریاست کے عہدوں پر معمور کر دیا تھا۔ اس نے حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کو بھی فقرا کے لنگر کا منتظم بنا دیا تھا پھر شیخ الاسلام کے عہدے پر بھی معمور کیا۔۹۴؎ بادشاہ کا کہنا یہ تھا کہ اگر ایسے لوگوں کو رئیس بنا دیا جائے تو کسی پر ظلم وستم نہیں ہوگا اور سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ اور جو لوگ بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے تھے ان کو بادشاہ کے ظلم وستم کا شکار ہونا پڑتا تھا۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری بادشاہ کے مزاج سے واقف ہو چکے تھے اس لئے بادشاہ کی طرف سے دی ہوئی جاگیر نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کر لیا تھا لیکن جب سلطان محمد بن تغلق (۱۳۵۱ء) کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸۔۱۳۵۱ء) نے تخت وتاج سنبھالا تو حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری دہلی آئے اور راج گیر کے جاگیر کی سند سلطان فیروز شاہ تغلق کو واپس کر دیا۔ سلطان نے شیخ کی رضامندی سے جاگیر کی سند واپس لے لی اور پانچ ہزار سونے کے سکے نقد حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔۹۵؎

لیکن جب بادشاہ نے ظلم وجبر سے کام لیا تو پھر ان کے ظالمانہ کاروائیوں پر حضرت شیخ شرف الدین منیری نے تنقید کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔۹۶؎ اور اپنے ایک خط میں بادشاہ کو لکھا کہ قیامت کے دن ظلم وجبر کا حساب دینا ہوگا۔

> ''بادشاہ اور ان کے نمائندے اور افسران کے ناپسندیدہ اعمال اور ان کی
> طرف سے بہائے گئے معصوموں کے خون کا حساب دینا ہوگا۔ اور ان کے
> اچھے اعمال کو برے اعمال کے ساتھ وزن کیا جائے گا۔''۹۷؎

حضرت عابد ظفر آبادی کا مال ظلم وجبر کے ذریعہ تلف کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے اس کی شکایت شیخ شرف

الدین منیری سے کی، شیخ نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو خط لکھا اور ان کو اس کے فرائض یاد دلائے۔ ۹۸

جو بادشاہ یا سلطان ہوتا ہے اس کی اصل میں کیا ذمہ داری ہوتی ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس حوالے سے شیخ شرف الدین منیری فرماتے ہیں کہ بادشاہ کے کام یہ ہیں کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلائے، ننگوں کو بہتر کپڑا پہنائے نہ کہ ان سب کاموں کو چھوڑ کر وہ اوراد و وظائف اور نفل کی ادائیگی میں لگا رہے۔

''بادشاہ کا کام یہ ہے کہ وہ قسم قسم کے لذیز کھانے پکوا کر بھوکوں کو کھلائے اور قسم قسم کے کپڑے سلوا کر ننگوں کو پہنوائے، اور برباد و ویران دلوں کو آباد کرائے، اور حاجت مندوں، محتاجوں کی دستگیری ان کی حاجت روائی کرے شب بیداری، نفل نمازیں، نفلی روزے یہ سب تو درویشوں کے کام ہیں۔'' ۹۹

حضرت شیخ شرف الدین منیری کے بقول امرا و سلاطین کے دربار میں ضرورت کے تحت جانا غلط نہیں۔ بلاوجہ کا جانا اور بادشاہ و امرا سے اپنے لئے سوال کرنا غلط ہے۔ فرماتے ہیں:

''اے بھائی! جس طرح سوال اپنے لئے مذموم ہے اسی طرح امراء و سلاطین کے دربار میں اپنے لئے جانا مذموم ہے لیکن یہی دوسروں کے نفع کے لئے اور کسی مسلمان کے مقصد برآری کے لئے ہو تو محمود ہے۔'' ۱۰۰

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

فردوسی مشائخ غریب اور ضرورت مند حاجت مندوں کی مدد کرنے میں مذاہب اور ذات کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ بے شمار غیر مسلم حضرات خانقاہوں میں آ کر اپنی ضرورتوں کو حاصل کرتے ہیں۔ صوفیا کی خانقاہ کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا رہتا ہے اور کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم سب ہی خانقاہ کے لنگر خانے سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

دیگر سلاسل کے مشائخ کی طرح سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کا بھی ہر سال عرس منایا جاتا ہے جس میں ہر مذہب اور ہر ذات کے لوگ شرکت کرتے ہیں اور اپنی عقیدت و محبت کا اظہار پھول و گلدستہ کی شکل میں پیش

کر کے کیا کرتے ہیں۔ساتھ ہی اعراس کے انتظام وانصرام میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر کے شریک ہوا کر تے ہیں ۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اعراس بزرگان دین ملی جلی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہندو مسلم دونوں پر ہے؟ اس کے جواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہاں!اس کی بخشش عام ہے۔ایک شخص تمام عمر کفر کرتا رہا اور مرتے وقت اس نے اسلام کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا،اس طرح وہ پاک وصاف ہوکر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں گیا اور ہمیشہ کا کفر وشرک اس کا بخش دیا گیا۔اسی طرح گنہگار مسلمان کا حال ہے۔جب اپنے گنہ پر نادم و شرمندہ ہوکر اللہ کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ کی، اللہ نے اس کے گنہ کو بخش دیا اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے گیا۔

تیسرے باب میں اس پر تفصیلات موجود ہیں کہ جس زمانے میں حضرت شیخ شرف الدین منیری جنگل میں مصروف عبادت تھے وہاں موجود دوسرے ہندو جوگیوں سے بھی میل جول اور دیگر مسائل پر تبادلۂ خیال ہو تا رہتا تھا۔

ہندو مسلم آپس میں ایک دوسرے کو خوشی کے موقعہ پر تحفہ تحائف دیا کرتے ہیں۔اس کے متعلق جب شیخ شرف الدین منیری سے پوچھا گیا تو آپ نے نہ صرف یہ کہا کہ دے سکتے ہیں بلکہ حدیث مبارکہ سے اس کو ثابت کیا کہ مسلمان غیر مسلم کو تحفہ دے سکتے ہیں،اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ عبارت یہ ہے:

> ''مسلمان اگر اپنے غیر مسلم رشتہ دار کو تحفہ اور ہدیہ دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔کیونکہ خود حضور ﷺ نے اپنی خالہ کے لئے جو مکہ میں تھیں اور کافرہ تھیں ان کے لئے تحفہ میں ایک کنیز بھیجا تھا۔''[۱۰۱]

مولانا مظفر بلخی فردوسی کے مکتوبات میں ہے کہ ایک مرتبہ عرس کے دوران ایک ہندو شیخ حسین معز بلخی کو تلاش کرتے ہوئے مجلس میں داخل ہوگیا۔اس مجلس میں بدھ کوتوال کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔شیخ نے بدھ کوتوال جن کے اندر میں دیوان خاص تھا، سے کہا کہ اس ہندو سے کسی بھی طرح کا کوئی فیس وغیرہ

نہ لیا جائے۔ کچھ دنوں بعد جب اس ہندو کا انتقال ہو گیا تو شیخ نے اس کے متعلق دریافت کیا۔[۱۰۲]

جنگل میں رہائش کے دوران ایک مرتبہ حضرت شیخ شرف الدین منیری جگدیش پور[۱۰۳] کے ہندو زمیندار کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ اس نے آپ کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن آپ نہیں رکے اور دوبارہ جنگل میں چلے گئے۔ [۱۰۴]

شیخ شرف الدین منیری جس جنگل میں رہتے تھے وہ ''بہیا کا جنگل'' کے نام سے مشہور ہے اور اس کے آس پاس ہندو آبادی تھی۔ حضرت شیخ کے ان لوگوں سے کافی اچھے تعلقات تھے۔ اس آبادی کے لوگ شاید ہندی بولتے تھے۔ لگتا ہے کہ انہیں ہندو آبادی کے لوگوں کے ساتھ ربط ضبط کے نتیجے میں شیخ کو ہندی زبان آ گئی تھی۔ ہندی اور اردو زبان میں بہت سارے دوہے آپ کے مشہور ہیں۔ دوہے کا تذکرہ باب سوم میں خدمت خلق کے حوالے سے آ گیا ہے اور چند کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے جن سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس زمانے میں ہندی اور اردو زبان کتنی ترقی پر تھی۔

جی مگن میں ہے کہ آئی ہے سہانی رتیاں　　جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

ہَڑ بہیڑا اونلا اور چیتا　　تنِک سونٹھ ملادے میتاں پیتاں

کھانسی سانسی سب جر جائے　　اَن نہ جانوں کتنا کھائے [۱۰۵]

مآخذ و مصادر

۱۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، معدن المعانی، ملفوظات، اردو مترجم سید قسیم الدین احمد فردوسی، ناشر مکتبہ شرف خانقاہ معظم بہار، ۱۹۸۵ء صفحہ ۳۲

۲۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، مکتوبات صدی، اردو مترجم سید قسیم الدین احمد فردوسی، ایجوکیشن پریس کراچی، ۱۹۹۸ء، مجلس، ۱ ، صفحہ ۵۲

۳۔ ایضاً

۴۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۱، صفحہ ۵۵

۵۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۱، صفحہ ۵۶

۶۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۱

۷۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۳

۸۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۳

۹۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۳

۱۰۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۳

۱۱۔ معدن المعانی، صفحہ ۱۲۳

۱۲۔ معدن المعانی، صفحہ ۶۰۱

۱۳۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، عقیدۂ شرفی، اردو مترجم شاہ قسیم احمد فردوسی، شرف الاشاعت بھینسہ سور بہار شریف، نالندہ ، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۶

۱۴۔ عقیدۂ شرفی، صفحہ ۲۰

۱۵۔ عقیدۂ شرفی، صفحہ ۱۴

۱۶۔ **اخرجه الطبرانی فی الکبیر (833-834) وأحمد فی المسند (20596) وابن ابی عاصم فی السنه (410)والفریابی فی القدر (17)و الآجری فی الشریعه (945-944-943) کلهم من طریق بدیل بن میسرة،عن عبد الله بن شقیق ، بن میسرة الفجرِ ،قَا لَ:قُلتُ: یَا رَ سُولَ اللهِ ، متیٰ کتبت نَبِیّاً؟ قَا لَ:وَ آدَمُ بَینَ الرُوحِ وَالجَسدِ.**

۱۷۔ عقیدۂ شرفی، صفحہ ۱۳

۱۸۔ النساء: ۱۳۶

۱۹۔ عقیدۂ شرفی،صفحہ۱۳

۲۰۔ معدن المعانی،صفحہ۳۹

۲۱۔ قرآن،سورہ حجرات: ۱۴

۲۲۔ شعب الایمان، ج،۱،صفحہ۲۸، ماخوذ ازعقیدۂ شرفی،صفحہ۳۲

۲۳۔ قرآن،سورہ انعام: ۱۶۳

۲۴۔ قرآن،سورہ احقاف:۱۵

۲۵۔ عقیدۂ شرفی،صفحہ۳۳

۲۶۔ شیخ شرف الدی احمد یحییٰ منیری ملفوظ ،خوان پرنعمت ،اردو مترجم ڈاکٹر علی ارشد شرفی ،شرف الاشاعت خانقاہ بلخیہ فردوسیہ ،۱۹۸۹ء،صفحہ۴۱

۲۷۔ سید ضمیر احمد،سیرت الشرف،خدابخش اوریینٹل لائبریری پٹنہ،۱۹۹۴ء،صفحہ۱۵۰

۲۸۔ شیخ شعیب فردوسی،مناقب الاصفیاء،ناشر مکتبۂ شرف خانقاہ معظم بہار نالندہ،۲۰۰۱ء،صفحہ۲۸۰

۲۹۔ مکتوبات صدی،مترجم شاہ قسم الدین،صفحہ۴۰۸

۳۰۔ شیخ شرف الدین منیری اورعلم حدیث http://www.urduweb.org/mehfil/threads/27395. ابن جمال نے تاریخ اسلام کے ذیل میں اس موضوع کا آغاز کیا،دسمبر۲۴،۲۰۰۹

۳۱۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق ،علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ،اردو مترجم شاہد حسین رزاقی ، ناشر،ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۳ء،صفحہ۷۵

۳۲۔ معدن المعانی،صفحہ۱۰۰

۳۳۔ معدن المعانی،صفحہ۱۰۰

۳۴۔ علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ،صفحہ۸۲

۳۵۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۸،صفحہ۲۱۴

۳۶۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۳،صفحہ۱۸۰

۳۷۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۷،صفحہ۲۰۴

۳۸۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۴،صفحہ۱۹۰

۳۹۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۴،صفحہ۱۹۰

۴۰۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۵،صفحہ۱۰۰

۴۱۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۵صفحہ۱۹۶

۴۲۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۵،صفحہ۱۹۷

۴۳۔ قرآن،سورہ،احزاب:۵۰

۴۴۔ مکتوبات صدی،مکتوب ۲۶،صفحہ۲۰۰

۴۵۔ مکتوبات صدی،مکتوب ۲۶،صفحہ۲۰۰

۴۶۔ مکتوبات صدی،مکتوب۲۳،صفحہ۱۸۰

۴۷۔ مکتوبات صدی،مکتوب ۲۸،صفحہ۲۱۴

۴۸۔ معدنالمعانی،صفحہ۹۰

۴۹۔ خوان پرنعمت،صفحہ،۱۵

۵۰۔ خوان پرنعمت،صفحہ،۵۹

۵۱۔ قرآن،سورہ،حج:۸

۵۲۔ خوان پرنعمت،صفحہ۵۹

۵۳۔ معدن المعانی،صفحہ۱۷۶

۵۴۔ مکتوبات دوصدی،مجلس،۱۰۰،صفحہ۳۹۵

۵۵۔ جامع ترمذی رقم۹۵۱۱۔مسند احمد بن حنبل رقم۲۲۴۹۱۔مسند البز اررقم ۸۱۳۴۔سنن کبریٰ بیہقی رقم۱۰۱۵۱

۵۶۔ نظام الدین اولیاء ملفوظ،فوائد الفواد،ناشر منظور بک ڈپو بُلبُلی خانہ دہلی،۹۲۱۹ء،صفحہ۲۷۱

۵۷۔ معدن المعانی،صفحہ۱۷۰

۵۸۔ معدن المعانی،صفحہ۱۷۱

۵۹۔ مکتوبات صدی،مکتوبات ۵۹،صفحہ۳۸۵

۶۰۔ معدن المعانی،صفحہ۱۵۵

۶۱۔ معدن المعانی،صفحہ۱۵۵

۶۲۔ سید صدر الحسن،نقوش شرف،ناشر بزم فردوسیہ،کراچی پاکستان،۲۰۰۴،صفحہ۲۷۳۔ایضاً فوائد المریدین،صفحہ۸۲

۶۳۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیر ی،رسالہ قشیریہ،اردو مترجم ڈاکٹر محمد حسن المہد المرکزی للا بحاث الاسلامیہ کراچی پاکستان،۱۹۶۴ء صفحہ۲۳۸

۶۴۔ قرآن،سورہ،کھف:۶۵

۶۵۔ مکتوبات صدی،مکتوبات ۶،صفحہ۸۰

۶۶۔ سید رکن الدین اصدق ، آئینہ مخدوم جہاں ، دارالاشاعت مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف بہار شریف نالندہ، ۲۰۱۲ء،صفحہ۲۸

۶۷۔ مکتوبات صدی،مکتوبات ۶،صفحہ۸۴

۶۸۔ خوان پرنعمت،صفحہ۱۹۶

۶۹۔ خوان پرنعمت،صفحہ۱۹۷

۷۰۔ مکتوبات صدی،مکتوبات ۶۵،صفحہ۳۶۹

۷۱۔ معدن المعانی،صفحہ۲۳۵

۷۲۔ معدن المعانی،صفحہ۲۴۱

۷۳۔ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری،اورادخورد، ناشرشرف الاشاعت گلزار ابراہیم، بھینسا سور بہار شریف، نالندہ،۲۰۱۲ء، صفحہ۸

۷۴۔ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری،اورادخورد، ناشرشرف الاشاعت،گلزار ابراہیم، بھینسا سور، بہار شریف، نالندہ،۱۴۳۳ھ ،صفحہ۱۱

۷۵۔ اورادخورد،صفحہ۲۶

۷۶۔ اورادخورد،صفحہ۳۹

۷۷۔ صغانی نے کہا کہ یہ حدیث، **تارک الورد ملعون(كشف الخفاء ومزيل الالباس،الجزء ۲ ؛صفحه ۱۹ .وموضوعات صغانی،الجزء ۱ ،صفحه؛۳)**(وردکرنے والاملعون ہے)موضوع ہے۔

۷۸۔ معدن المعانی،صفحہ۱۹۶

۷۹۔ تخریج اُحادیث الاحیاء،الجزء۲،صفحہ؛۱۳۹۔ایضاً تخریج اُحادیث الاحیاء،الجزء۳،صفحہ۲۵۰

۸۰۔ فوائد الفواد،مترجم حسن ثانی نظامی، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور،مجلس پانچ ،۲۰۰۳،صفحہ۱۴۵

۸۱۔ خوان پرنعمت،صفحہ۵۱

۸۲۔ سید سیف الدین فردوسی،اورادوظائف، ناشر مکتبہ شرف خانقاہ معظم بہار شریف نالندہ،صفحہ،۱۳۹

۸۳۔ اورادوظائف،صفحہ۱۴۰

۸۴۔ ایضاً

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ اس کو ''اوراد و وظائف'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۸۸۔ سید سیف الدین فردوسی، آپ بہار شریف میں موجود شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشیں ہیں۔ جن کو بڑی درگاہ اور بڑی خانقاہ بھی کہا جاتا ہے۔ اوراد وظائف، صفحہ ۲۴۱

۸۹۔ اوراد وظائف، صفحہ ۲۴۲

۹۰۔ مکتوبات دوصدی، مکتوب، ۲۰۷، صفحہ ۴۷۶

۹۱۔ مکتوبات دوصدی، مکتوب، ۲۰۷، صفحہ ۴۷۶

۹۲۔ یہ وہی گورنر ہیں جنہوں نے سلطان محمد بن تغلق کے حکم سے راجہ ہر سنگھ کو ترہت سے معزول کر دیا تھا۔

۹۳۔ مناقب الاصفیاء صفحہ ۸۶

۹۴۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۰

۹۵۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، ملفوظ، مخ المعانی، مجلس ۱۶، صفحہ ۱۸۔ ایضاً مقصود احمد کان، فردوسی سلسلہ سلطنت عہد میں، ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۴۹

۹۶۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کو شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری سے بہت عقیدت تھی۔ یہ دونوں دیوانہ صفت لوگوں میں سے تھے۔ توحید کے اسرار کو کھول کر بیان کرتے تھے۔ یہ دونوں دہلی آئے اور یہاں بھی توحید کے اسرار و رموز پر باتیں کرنے لگے۔ یہاں کے کچھ لوگوں کو ان کی یہ عادت اچھی نہیں لگی۔ مخبروں نے بادشاہ کو ورغلایا اور ان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری اپنے کو خدا کہتا ہے۔ اس وقت تک بہت سے لوگ ان کے معتقد ہو چکے ہیں۔ اس طرح سے ان دونوں کے قتل کا منصوبہ تیار کیا۔ اس وقت فیروز شاہ تغلق بادشاہ تھے۔ بادشاہ نے محضر طلب کیا اور علمائے کرام سے اس مسئلے پر جواب طلب کیا۔ بالآخر ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس واقعہ کا اپنے فتوحات میں تذکرہ کیا ہے اور اس قتل کی تصدیق کی ہے۔ جب ان کے قتل کی اطلاع شیخ شرف الدین منیری کو ہوئی تو آپ نے برجستہ فرمایا ''جس شہر میں ایسے لوگوں کا خون بہے تعجب ہے کہ وہ شہر کس طرح آباد ہے۔'' مخبروں نے مخدوم کی یہ بات بادشاہ کو پہنچا دی۔ بادشاہ نے پھر علماء اور اکابر شہر کو بلوایا اور کہا کہ میں نے آپ لوگوں کے فتویٰ پر ان دونوں کو قتل کروایا ہے پھر شیخ شرف الدین منیری ایسا کیوں کہتے ہیں؟ سب نے یہ کہا کہ بادشاہ سلامت! ان کو یہاں دربار میں بلوایا جائے اور ان سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا؟ بادشاہ نے مخدوم جہاں کی طلبی کا پروانہ بھیج دیا۔ اسی درمیان سید جلال الدین بخاری کا خادم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سید جلال الدین بخاری کا بھیجا ہوا تبرک بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ آخر کیا بات ہے کہ بہت

دنوں کے بعد یادآوری ہوئی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ ہمارے شیخ کے پاس شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات آگئے تھےاور ہمارے شیخ خلوت نشیں ہوکراُن مکتوبات کا مطالعہ کررہے تھےاسی لئے دیر ہوگئی۔ بادشاہ کواس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ اتنے بڑے عالم، شیخ شرف الدین کے مکتوبات کا مطالعہ کررہے ہیں۔ بادشاہ کومخدوم جہاں کی طلبی کا پروانہ بھیجنے پر شرمندگی کا احساس ہوا۔فوراً دوسرا خط بھیجا کہ پہلے فرمان کورد کیا جائے اور حضرت کوآنے سے روک دیا جائے۔مناقب الاصفیاء،صفحہ۲۷۵

۹۷۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظ،گنج لایفنی،مجلس،صفحہ۵۸

۹۸۔ مکتوبات دوصدی،مجلس۹۶،صفحہ۳۸۶

۹۹۔ مکتوبات دوصدی،مجلس۹۳،صفحہ۳۷۶)

۱۰۰۔ مکتوبات دوصدی،مجلس۱۵۴،صفحہ۵۴۸

۱۰۱۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری،ملفوظ،ملفوظ الصفر،مجلس،۱۵،ناشرشرف الاشاعت گلزارابراہیم،بھینساسُور بہارشریف نالندہ،۱۴۳۴ھ،صفحہ۶۳

۱۰۲۔ مکتوبات مظفرشمس بلخی،مکتوب،۱۱۳،ماخوذازفردوسی سلسلہ سلطنت عہد میں،علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی،۱۹۸۹ء،صفحہ۱۴۹

۱۰۳۔ جگدیش پور منیر سے پورب کی جانب ۵۰میل کے فاصلے پرواقع ہے۔ڈومراؤریلوے اسٹیشن وہیں ہے۔اس وقت شاہ آباد ضلع میں واقع ہے۔ Bihar.L.S.S.C,Malley Bihar and Orissa District Gzetteer,Sahabad.p,170

۱۰۴۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ۱۴۴

۱۰۵۔ سیدضمیراحمد،سیرت الشرف،خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ،۱۹۹۴ءصفحہ۵۳۳

☆☆

باب پنجم

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے خلفاء

اور

دیگر فردوسی مشائخ

باب پنجم

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے
خلفاء ودیگر فردوسی مشائخ

فہرست

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے
خلفاء ودیگر فردوسی مشائخ

مخدوم جہاں کے خلفاء و مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے خلفاء اور مریدین نے سلسلہء فردوسیہ کو ملک کے ہر چہار جانب پہنچایا۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے مما لک میں بھی اس کا تعارف کروایا۔ بہار کے مختلف اضلاع میں فردوسی خانقاہیں قائم کیں، مثلاً پٹنہ، گیا، بھاگلپور، فتوحہ، مظفر پور وغیرہ جس کے ذریعہ دین متین کا کام انجام دیا۔

حضرت حسین نوشہء توحید بلخی فردوسی کے مطابق مخدوم جہاں کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے جن میں آپ کے تلامذہ اور مسترشدین ومعتقدین کے نام بھی شامل ہیں۔[1]

صاحب مناقب الاصفیاء کے بقول بھی مخدوم جہاں کے مریدوں کی تعداد لاکھ کے قریب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''سنا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ حسین معز بلخی نے فرمایا کہ مخدوم جہاں کے مریدوں کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی، ان میں سے چالیس واصل بحق تھے اور ان چالیس میں سے تین حضرات شیخ مظفر بلخی، ملک زادہ فضل اللہ اور مولانا نظام الدین درون حصاری مرد تھے اور ان تینوں میں بھی عشق کی آگ شیخ مظفر تک پہنچی تھی، باقی دو کے حصے میں دھواں آیا۔''[2]

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ شیخ شرف الدین منیری کے خلفاء ومریدین کی تعداد کثیر تھی، جن میں بہت سے ایسے ہیں جن کی تصنیف بھی ہے۔

شیخ شرف الدین احمد منیری کے بعض معروف ومشہور خلفاء ومریدین کے نام:

مولانا مظفر شمس بلخی، مولانا زین بدر عربی، قاضی شمس الدین حاکم چوسہ، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا نظام الدین درون حصاری، قطب الدین، شیخ عمر، شیخ سلیمان، خواجہ احمد،

امام تاج الدین، حسین نوشہ توحید بلخی، مولانا قمر الدین، مولانا تقی الدین اودھی، ابوالقاسم، مولانا ابوالحسن، قاضی شرف الدین، قاضی منہاج الدین ورون حصاری، مولانا شہاب الدین ناگوری، شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، قاضی صدر الدین، شمس الدین خوارزمی، [۳]

شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ حافظ جلال الدین، خواجہ حمید الدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خان، نجم الدین شاعر، بدر الدین ظفر آبادی، مولانا لطف الدین، احمد سفید باف، شیخ زکی الدین، مولانا نظام الدین خالہ زادہ مخدوم، مولانا احمد آمون، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عماد حالفی، حاجی رکن الدین، مولانا سید وحید الدین، سید جلال الدین، خواہر زادگان حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رستم، شیخ وجہ الدین، شیخ وحید الدین، مولانا حسام الدین، امام ہیبت خانی اور حضرت مخدوم سید منہاج الدین راستی گیلانی۔ وغیرہ

شیخ شرف الدین منیری کے چند معتقدین کے نام:

حضرت مخدوم شمس الدین سمن ارولی، حضرت مخدوم بدر الدین، بدر عالم زاہدی، عطاء اللہ شاہ بغدادی بہاری، حضرت عزیز الدین کاکوی اور حضرت احمد بہاری۔ وغیرہ [۴]

مخدوم جہاں کے ہمعصر علماء ومشائخ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (۶۳۶۔۷۲۵ھ مطابق ۱۲۳۷۔۱۳۲۴ء)، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی اودھی (۶۷۵۔۷۵۷ھ مطابق ۱۲۷۴ء۔۱۳۵۶ء)، حضرت اخی سراج پنڈوہ شریف، بنگال (م۱۳۵۷ء)، سید جلال الدین بخاری سیو ستان، سید علی ہمدانی کشمیر (۷۱۴ھ۔۷۸۶ھ مطابق ۱۳۱۴۔۱۳۸۴ء)، شیخ راجو قتال اوچھ، سلمان ساوَجی ساوَس، شیخ صفی الموسوی جار شاہان صفویہ ایران آردبیل، علاء الدولہ سمنانی خانقاہ سکاکہ سمنان، شیخ اوحد الدین اصفہانی، امام یافعی مکہ، سید امیر کلاں شام، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخارا، سید احمد چرم پوش بہار، مخدوم تیم اللہ سفید باز، مخدوم عطاء اللہ کاکوی، مخدوم شاہ حسین دھکڑ پوش (بنگال)

حضرت مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی فردوسی
(متوفی ۶۸۲ھ)

مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری کے بہت ہی چہیتے مرید اور خلیفہ خاص تھے۔ یہ شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے پہلے سجادہ نشیں ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ راہ طریقت میں بلند مقام پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ شیخ شرف الدین منیری نے آپ کے متعلق فرمایا:

''تن مظفر جان شرف الدین جان مظفر تن شرف الدین، شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین'' ۵؎

مخدوم جہاں کے اس محبت بھرے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مظفر علم وعرفان کے اس مقام تک پہنچ گئے تھے جہاں مخدوم کے دوسرے مرید وخلفا کی رسائی نہ ہوسکی۔

نام ونسب:

نام مظفر، والد سلطان شمس الدین کی نسبت سے شمس اور وطن مالوف بلخ کی نسبت سے بلخی کہلائے اور اسی نام سے معروف ومشہور ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش بلخ ہے۔ سن ولادت صحیح معلوم نہ ہوسکی، قیاس کیا جاتا ہے کہ ساتویں صدی کے آخری یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ولادت ہوئی تھی۔ ۵؎

مخدوم جہاں نے متعدد بار اپنے مکتوبات میں آپ کو مولانا، امام، شیخ اور شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، اور مکتوبات صدی کے مطابق دربارِ رسالت سے بھی مولانا کا لقب عطا ہوا۔ ۶؎

مصنف مناقب الاصفیاء نے مولانا مظفر کو ''ملک تجرید کے بادشاہ، ایوان تفرید کت شہنشاہ اور آسمان در باخت و برخواست کے آفتاب'' لکھا ہے۔ حضرت شیخ عبد الرحمٰن چشتی (۱۰۰۵ھ۔۱۰۹۴ھ) نے مرأت الاسرار میں ''آں سر حلقہ درد کشان جام وصال، آں در جمیع مقامات صاحب کمال اور آں فارغ از حوادثات سختی وتلخی توحید مست'' لکھا ہے۔ اس کے علاوہ صاحب نزہتہ الخواطر نے الشیخ الامام العالم الکبیر لکھا ہے۔

سلسلہ نسب:

بمطابق ''مطلوب المبارک'' اس طرح ہے، مظفر ابن سلطان شمس الدین بلخی ابن سید علی ابن حمید الدین ابن سراج الدین ابن سید بزرگ ابن محمود ابن سلطان ابراہیم ابن ادہم ابن سلیمان ابن ناصر الدین ابن محمد ابن یعقوب ابن احمد ابن اسحاق ابن زید ابن محمد ابن قاسم ابن علی اصغر امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم

خاندانی پس منظر:

مولانا مظفر شمس بلخی کے والد حضرت شیخ شمس الدین بلخی ریاست بلخ کے شاہزادے اور حضرت سید ابراہیم ادھم کی اولاد سے تھے۔ ہندوستان میں سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں شیخ شمس الدین شہنشاہی زندگی کو ترک کر کے اپنی اہلیہ تین لڑکوں اور ایک صاحبزادی کے ساتھ بلخ سے ہندوستان تشریف لائے اور دہلی کو اپنا مسکن بنالیا جو دہلی میں ''باغ شہزادۂ بلخ'' کے نام سے مشہور اور معروف ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ دہلی کے مہرولی میں وہ مقام سکونت سلطان التمش کے حوض شمسی اور مولانا عبدالحق محدث دہلی کے مقبرے کے متصل تھا۔[۷]

سلطان محمد تغلق نے آپ کی بڑی قدر دانی کی اور عزت بخشا، ساتھ ہی دربار میں ایک اعلیٰ عہدہ بھی عطا کیا۔[۸] دربار میں آپ کس عہدے پر فائز تھے اس کے بارے میں صاحب ''گل فردوس'' نے شعر میں اس طرح سے کہنے کی کوشش کی ہے۔:

پدر شیخ مظفر کہ بود شمس الدین   عہدۂ داشت بدہلی پی نان پیش از ایں
روزی آنکس کہ ہم او بودز اہل دیوان   چشمکے کردو اشارت بسوئے پنہان

مناقب الاصفیاء میں بھی اس کا ذکر ہے کہ آپ دربار سلطان محمد تغلق میں کسی عہدے پر فائز تھے۔ لیکن شیخ شمس الدین کو یہ عہدہ بہت دنوں تک راس نہ آئی، دربار میں سیاسی چپقلش سے دل بیزار ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ کسی کو اپنے خلاف سازش کرتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ تو نفاق ہے۔

مولانا شعیب لکھتے ہیں:

''سنا ہے کہ بندگی شیخ شمس الدین دہلی میں کسی عہدے پر فائز تھے، اہل

دیوان میں سے کسی کو آپ سے چشمک ہوگئی ، ایک روز وہ شخص آپ کے
خلاف اشارہ بازی کر رہا تھا جسے آپ نے دیکھ لیا دل میں خیال آیا کہ یہ تو
نفاق کی علامت ہے۔ پھر دہلی سے بہار چلے آئے۔''۱۰

اس کے بعد آپ نے یہ عہدہ چھوڑنے کا ارادہ کرلیا اور اپنی بیوی بچوں کو دہلی ہی میں چھوڑ کر تنہا ہندوستان کی ریاست بہار چلے آئے اور شیخ شرف الدین منیری کے خالہ زاد بھائی حضرت سید احمد چرم پوش کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بیت میں داخل ہو گئے ۔ اور اسی سرزمین کو ہمیشہ کے لئے اپنا مسکن و مدفن بنالیا۔

والدین کا بہار میں ورود:

مولانا مظفر کے والد شیخ شمس الدین دہلی سے تنہا بہار آئے اور یہاں آکر خدا کی عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے ، تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ بلخی بزرگوں میں فردوسی سلسلہ سے وابستہ آپ ہی کی واحد ایسی ذات ہے جو بہار شریف سب سے پہلے تشریف لائی ۔ الحاج مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مترجم مناقب الاصفیا کی تحقیق کے مطابق بہار اور اس کے اطراف و جوانب میں آباد بلخی خاندان کے آپ ہی مورث اعلیٰ ہیں ۔ آپ کا مزار، آستانہ مخدوم احمد چرم پوش کے صحن میں دروازے کے قریب واقع ہے ۔۱۱ مولانا کے بہار میں سکونت پذیر ہونے کی اطلاع جب ان کی اہلیہ کو ہوئی تو وہ تمام مال و متاع کو غرباء میں تقسیم کر کے اپنے بچوں کے ساتھ بہار چلی آئیں ، بقول مولانا شعیب کے شیخ مظفر نے بہار آکر اپنی اہلیہ کو خط لکھا کہ میں دنیا ترک کر چکا ہوں اور اگر تم چاہتی ہو کہ میرے ساتھ رہو تو پھر سب کچھ اپنے بیٹوں کے پاس چھوڑ کر میرے پاس چلی آؤ۔ عبارت یہ ہے:

'' اگر تمہیں ہماری موافقت منظور ہے تو مال و اسباب بیٹوں کے حوالے
کر کے یہاں چلی آؤ'' ۱۲

شیخ شمس الدین کی اہلیہ اپنے بیٹے شیخ مظفر اور شیخ معزالدین دونوں صاحبزادوں کو بلوا کر کہا کہ اب تم لوگ یہ جاگیر سنبھالو میں بہار تمہارے والد کے پاس جارہی ہوں ، شیخ مظفر اور شیخ معزالدین دونوں بھائیوں نے والد بزرگوار سے دور رہنا گوارا نہیں کیا اور کہا کہ ہم لوگ والد کی اتباع کے زیادہ لائق ہیں پھر جو کچھ بھی ان کے پاس تھا، سب کچھ لٹا دیا اور بہار چلے آئے۔

مناقب الاصفیاء میں شیخ شمس الدین بلخی کے صرف دو صاحبزادے کا ذکر ملتا ہے، مظفر اور معزالدین لیکن شرفا کی نگری، جلد اول میں تین صاحبزادوں کا ذکر ہے۔ مظفر، معزالدین اور قمرالدین۔ مظفر، ان میں سب سے بڑے تھے۔ بہر حال یہ لوگ بہار شریف آ کر یہاں شیخ چرم پوش کی خانقاہ میں مقیم ہو گئے۔ شیخ احمد چرم پوش شیخ شرف الدین منیری کے سگے خالہ زاد بھائی اور مرید و خلیفہ بھی تھے۔

بیعت وخلافت:

مولانا مظفر کے والد، شیخ چرم پوش سے مرید ہو کر خلافت حاصل کر لی اور مولانا کا معاملہ ان کے والد سے کچھ مختلف تھا۔ مولانا ایک زبردست عالم تھے اور شروع سے ہی ان کی طبیعتوں کا میلان حضرت مخدوم جہاں کی طرف تھا لیکن اس کے باوجود شیخ احمد چرم پوش کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مولانا مظفر نے ایک مرتبہ خود کہا کہ شیخ احمد چرم پوش صاحب کرامت بزرگ ضرور ہیں لیکن میرا اعتقاد اسی شخص پر جمے گا جو علم میں پختہ ہو۔[۱۳] مولانا کے اس بیان سے ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس پائے کے عالم تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر طرف شیخ شرف الدین منیری کے علم کی شہرت تھی۔ مولانا مظفر والد محترم سے اجازت لے کر شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں گئے اور ان سے بہت سے علمی سوالات کیے۔ شیخ شرف الدین منیری نے ان سبھی سوالوں کا بڑے ہی اطمینان اور محبت بھرے لہجے میں جواب دیا لیکن آپ وفور علم کی وجہ سے ہر سوال کے جواب میں کہتے کہ میں اس جواب سے متفق نہیں ہوں اور ہر جواب پر اسی کی تکرار کرتے۔

شیخ مظفر کی بیعت کے متعلق صاحب سیرت الشرف لکھتے ہیں:

''مولانا مظفر کی بیعت بھی بڑے زور وشور کے مناظرے کے بعد ہوئی''[۱۴]

لیکن شیخ شرف الدین منیری کی ذات جو اخلاق کریمانہ کا پیکر تھی چہرے پر ذرہ برابر بھی نہ غصہ اور نہ حزن و ملال کے آثار نظر آئے بلکہ آپ پر ہر مرتبہ بڑی ہی متانت کے ساتھ محبت سے ہر سوال کا جواب دیتے۔ محفل کے اختتام پر مولانا مظفر آپ کے اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو گئے اور مخدوم کے سامنے جو مردانگی دکھائی تھی اس پر نادم و پشیما ہوئے۔ پھر شیخ شرف الدین منیری نے مولانا مظفر کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر کے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

علم کی تکمیل

شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا جو کچھ تم نے علم حاصل کیا ہے وہ سب کا سب جاہ وحشمت کے لئے تھا جبکہ علم کا حصول خلوص وللٰہیت کے لئے ہونا چاہئے، اور مولانا کو دوبارہ علم حاصل کرنے اور تحقیق شروع کرنے کا حکم دیا۔ مولانا اپنے پیر کا حکم پا کر حصول علم کی خاطر دہلی چلے آئے اور یہاں آ کر ابتدا سے پڑھنا شروع کیا پھر تقریباً دو سال کا لمبا عرصہ علم کے حصول میں گزار دیا۔ اسی زمانے میں بقول شیخ شعیب کے سلطان فیروز نے درس وتدریس کی غرض سے ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ اس مدرسے کا نام ''مدرسۃ الفیر وزیہ'' تھا۔ ۱۵؎ اس مدرسے میں مدرس کے طور پر شیخ مظفر کا انتخاب ہوا، نہ چاہتے ہوئے بھی آپ نے اس عہدے کو قبول کیا پھر درس و تدریس کے خدمات انجام دینے لگے۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ آپ نے اس مدرسہ میں کتنے سال تدریسی خدمت انجام دیئے؟ اور یہ مدرسہ کہاں پر تعمیر ہوا تھا؟ ان سب کے بارے میں پوری معلومات دستیاب نہ ہوسکی۔ مناقب الاصفیا میں ہے کہ اسی مدرسے میں آپ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ ایک دن چند گانے والے آ گئے اور اپنے انداز میں کچھ گانے لگا، اس سے مولانا پر عجیب کیفیت پیدا ہوگئی اور اسی وقت مدرسے کی اوپری منزل سے نیچے کود گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کئی منزلہ تھا۔ خیر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حفاظت فرمائی اور آپ سلامت رہے ۔۱۶؎

اس کے بعد مولا مظفر درس و تدریس ترک کر کے بہار مخدوم جہاں کے پاس واپس چلے آئے۔ شاہ شعیب کے بقول مخدوم جہاں نے مولانا مظفر کو خانقاہ کے فقراء کی خدمت پر معمور کر دیا۔ کیونکہ اصل پیر وہی ہے جو حکیم حازق کی طرح ہو جو مریدوں کے احول کے مطابق اس کا علاج کرے اور مخدوم جہاں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مولانا مظفر بلا چون و چرا فقراء کی خدمت کرتے ہوئے ایک لمبا عرصہ گذار دیا، فقراء جو بھی حکم فرماتے اس کی فوراً تکمیل کرتے اور ذرہ برابر بھی ناگواری کا اظہار نہ ہونے دیتے۔

مولانا دنیاوی ناز ونعمت اور آسائش وزیبائش سے بے نیاز ہوگئے، اگر کپڑا کہیں سے پھٹ جاتا تو اس کو پیوند لگا کر سی لیا کرتے تھے۔ اسی حال میں تھے کہ ایک دن شیخ شرف الدین کی نظر اُن پر پڑ گئی دیکھا کہ جسم سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہے، جسم پر جو کپڑے ہیں وہ پھٹ چکے ہیں اور گرہ لگے ہوئے ہیں اس حال میں بھی زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

خوشم بدولت خواری وملک تنہائی کہ التفات کسے را بروزگارم نیست ۱۷؎

میں ذلت ورسوائی کی دولت اور تنہائی کی سلطنت سے خوش ہوں اس لئے کہ میرے شب و روز سے کسی کو مطلب نہیں۔

شیخ شرف الدین احمد منیری یہ حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب ان کے اندر تبدیلی آچکی ہے اور انہوں نے سلوک کی منزل طے کر لی ہے۔ حکم دیا کہ مولانا مظفر کو اب بہترین کپڑے دیئے جائیں، ان کے آرام کرنے کے لئے کشادہ، ہوادار کمرے تیار کیے جائیں، ان کے لئے آرام دہ بستر کا انتظام کیا جائے اور ان کے کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی نعمتیں مہیا کی جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن مولانا مظفر خدا کی محبت میں اس قدر گم ہو چکے تھے کہ انہوں نے ان تمام چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ زبان سے شعر گنگنایا:

جانِ آدم چوں بسر فقر سوخت   ہست جنت را بیک گندم فروخت [۱۸]

جب حضرت آم کی جان نے فقر کے اسرار کی سوزش محسوس کر لی تو انہوں نے آٹھوں جنت کو ایک دانہء گندم کے عوض میں فروخت کر دیا۔

نسب نامہ:

مطلوب المبارک، ملفوظ مولانا آموں کے حوالے سے مولا ما مظفر بلخی کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے:

مولانا مظفر بن شمس الدین بن سید علی بن سید حمید الدین بن سید سراج الدین بن سید بزرگ بن سید محمود بن ابراہیم بن سید ادہم بن سید سلیمان بن سید ناصر الدین بن محمد بن یعقوب بن احمد بن اسحاق بن زید بن محمد بن قاسم بن امام زین العابدین بن امام حسین بن شاہ مردان علی مرتضی کرم اللہ وجہہ۔[۱۹]

بلخ میں ایک صحیح النسب سید بزرگ حضرت سید سلیمان تھے، جن کی شادی بلخ کے فرمانروا سلطان ابراہیم بن ادہم بلخی کی دختر سے ہوئی، سید سلیمان کو دخترِ سلطان ابراہیم سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام ان کے نانا اور پر نانا کے نام پر سید ابرہیم ادہم بلخی رکھا گیا۔ سلطان ابرہیم بن ادہم خلیفہء دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اس طرح سید ابراہیم ادہم بلخی اپنے والد کی طرف سے زیدی سادات سے تھے اور ننھیالی سلسلہ حضرت عمر فاروق سے جاملتا ہے۔[۲۰]

حضرت ابواسحاق ابراہیم بن ادہم (۱۶۲ھ) بلخ کے رہنے والے تھے اور بادشاہ وقت تھے۔ آپ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک روز شکار کے لئے گئے تو ہاتف غیبی نے آواز دی اور غفلت کی زندگی سے آگاہ کیا۔ چنانچہ

آپ نے دنیا کی زیب وزینت ترک کرکے دنیا کو چھوڑنے والے پرہیزگاروں میں شامل ہوگئے۔ ۲۱

شیخ مظفر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے چالیس دفعہ اپنے گھر کو لٹا دیا۔ جب بھی گھر میں کوئی سامان جمع ہوتا، اسے لٹا دیتے۔ گھر لٹانے کا منظر کیسا تھا شیخ حسین کے بقول مونس القلوب میں اس طرح درج ہے:

''حضرت مخدوم شیخ حسین فرماتے تھے کہ جس زمانے میں حضرت مخدوم شیخ مظفر اپنا گھر لٹایا کرتے تھے میں اس وقت کم سن تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر نکال لیتے اور کبھی مجھ کو بھی بھول جاتے، دوسرے لوگ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ہجوم سے باہر لاتے۔'' ۲۲

مولانا مظفر کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص چاندی کے سکہ کے ساتھ ملاقات کی غرض سے آیا۔ ملاقات کے بعد سکوں کو نذرانے کے طور پر پیش کیا، مولانا مظفر نے ان سکوں کو حاضرین میں تقسیم کروادیا۔ دو سکے بچ گئے، اس کو خادم نے طاق پر رکھ دیا، جب نماز کے لئے آپ کھڑے ہوئے اور ہاتھ باندھا تو قلب مطمعین نہیں ہوتا تھا اور دو چوپائے نگاہ کے سامنے آجاتے۔ مولانا لاحول پڑھ کر نیت توڑ دیتے، جب کئی بار ایسا ہی ہوا تو خادم کو بلوایا اور کہا کہ جاکر تلاش کرو! گھر میں دنیاوی آلائش موجود ہے جس کی وجہ سے نماز میں خلل پیدا ہو رہا ہے۔ خادم نے تلاش کیا نہیں پایا، آکر کہا حضور کچھ بھی نہیں۔ مولانا نے ڈانٹ کر کہا کہ ضرور کوئی شئی ہے۔ جب خادم نے دوبارہ جاکر دیکھا تو طاق پر دو چاندی کے سکے رکھے ہوئے تھے۔ مولانا نے حکم دیا کہ پہلے اسے کسی کو دیدو، اس کے بعد نماز میں چوپایوں کی جو صورت بنتی تھی ختم ہوگئی۔

مولانا کو اپنے پیر سے بے پناہ محبت تھی جب مولانا اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تو شیخ شرف الدین منیری دروازے تک بڑھ کر استقبال کرتے، اور جب شیخ نصیر الدین جونپوری آتے تو شیخ شرف الدین منیری دوزانوں ہوکر بیٹھ جاتے، قاضی زاہد جو شیخ شرف الدین منیری کے مرید خاص میں سے تھے، اس کی وجہ دریافت کی تو مخدوم جہاں نے فرمایا:

''کیا کروں جب مولانا مظفر آتے ہیں تو دل کہتا ہوا آگے بڑھتا ہے، شاہ آتا ہے شاہ آتا ہے اور جب شیخ نصیر الدین آتے ہیں تو دل کہتا ہے کہ مولانا

آتا ہے۔''۲۳؎

مولانا مظفر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے پانچ شادیاں کی تھی لیکن سب کو طلاق دیدیا تھا۔ شیخ احمد لنگر دریا بلخی مونس القلوب کے مجلس دوم میں لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم شیخ مظفر نے ماسوی اللہ سے قطع تعلق کے سبب اپنی پانچ اہلیہ کو طلاق دیدی تھی۔''۲۴؎

ایک مرتبہ مولانا مظفر اپنے یومیہ وظائف سے فارغ ہوکر حجرے سے باہر آئے اور مخدوم جہاں سے فرمایا: جب میں ذکر وفکر میں مشغول ہوتا ہوں تو مجھے اپنی منکوحہ کا خیال آجاتا ہے ایسی صورت میں میری مشغولیت کیا فائدہ دے گی؟ اس پر شیخ شرف الدین منیری خاموش رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مولانا نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا۔ شیخ شرف الدین منیری کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا، تم کو خلوت کی ضرورت نہیں جہاں چاہو رہو، اور جس حال میں رہو، برابر ہے۔۲۵؎

مولانا کی ازدواجی زندگی کا معاملہ عجیب وغریب ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی شریک حیات سے محبت کرو (حدیث) لیکن مولانا کا معاملہ یہ ہے کہ جب کسی بیوی سے محبت ہونے لگتی تو فوراً اُسے طلاق دیدیتے۔ اسی طرح سے پانچ بیویوں کو طلاق دیدیا۔۲۶؎ مولانا کے پاس لونڈیاں بھی تھیں، اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا کہ جب کسی لونڈی سے محبت محسوس ہونے لگتی تو فوراً اُسے بھی آزاد کرکے اس کی شادی کردیتے اور شوہر کے حوالے کردیتے۔

لیکن بی بی ضیا کو جب آزاد کرکے کسی کے حوالے کرنے لگے تو بی بی ضیا نے مولانا کے قدم پکڑ لیے اور کہنے لگی مجھے اپنے سے دور مت کیجئے مجھے آپ کے خلوت غیر سے محبت ہے، خدمت میں رہنے دیجئے تاکہ دولت خدمت سے محروم نہ رہوں۔ مولانا نے بی بی ضیا کی بات مان لی اور اسے اپنے ساتھ رہنے دیا۔۲۷؎

سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کرامت سے زیادہ شریعت پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ مخدوم جہاں بار ہا اپنے خلفا سے فرماتے کہ جتنی دیر تم کرامت کے اظہار میں مشغول رہے اتنی دیر کرامت بخشنے والے سے دور رہے۔ ایک مرتبہ مولانا مظفر کرامت دکھاتے ہوئے شیخ منہاج الدین کو اپنی آستین میں کعبہ دکھادیا۔ جب اس کی شیخ شرف الدین منیری کو ہوئی تو سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اب آپ حج کو جائیں۔۲۸؎

مولانا مظفر تین بھائی تھے جن میں مولانا سب سے بڑے تھے، منجھلے معز الدین اور چھوٹے قمر الدین۔

ان میں آپس میں بڑی محبت تھی، معین الدین دردائی کے بقول ایک مرتبہ شیخ احمد چرم پوش نے کسی موقع پر مولانا مظفر کو لا ولد کہہ دیا کیونکہ مولانا کو کوئی اولاد نہیں تھی ، اس پر مولانا بہت رنجیدہ ہوئے جب اس کی خبر شیخ شرف الدین منیری کو ہوئی تو فرمایا: مظفر ملول نہ ہو، معز الدین کی اولاد تمہاری ہی اولاد کہلائے گی اور یہی ہوا بھی کہ شیخ حسین بن معز الدین بچپن ہی سے مولانا مظفر بلخی کی شفقت و محبت میں پرورش پائی اور آپ اولاد کہلائے اور مولانا کا سلسلہ نسب شیخ حسین ہی سے جاری ہوا۔ ۲۹

بقول شیخ شعیب کے شیخ حسین معز بلخی نے فرمایا کہ شیخ مخدوم جہاں کے ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے ان میں چالیس واصل بحق تھے اور ان چالیس میں تین شیخ مظفر، ملک زادہ فضل اللہ اور مولانا نظام الدین بہادر مرد تھے اور ان تینوں میں عشق کی آگ مولانا مظفر تک ہی پہنچی، باقی دونوں کے پاس صرف دھواں پہنچا۔ ۳۰

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ارباب توحید میں سے تھے۔ طریقت میں شان عظیم بلند ہمت اور حال رفیع کے مالک تھے۔ ۳۱

جس زمانے میں حضرت مخدوم جہاں راجگیر میں اپنے اوراد و وظائف میں مشغول تھے اسی زمانے میں شیخ مظفر کی مشغولی کے لئے بھی ایک حجرہ متعین کر دیا تھا۔ مولانا اس حجرہ میں چلہ کشی کیا کرتے تھے اور ابھی چلہ کے چند روز ہی گذرے تھے کہ امیر شیخو قوال یہ شعر گاتے ہوئے حجرہ کے سامنے آ گئے:

کیش ما رستم شکستن بنود عہد وفا را   اللہ اللہ تو فراموش مکن صحبت ما را

دریں دیار گذشتی و سالہا بگذشت   ہنوز بوئے تو می آید از منازلھا

عہد وفا کی رسم کو توڑنا میری فطرت نہیں، اللہ اللہ تو میری صحبت کو فراموش نہ کر۔

اس دیار سے تجھے گذرے ہوئے برسہا برس بیت گئے لیکن ابھی بھی ان مقامات سے تمہاری خوشبو مل رہی ہے۔

جب یہ شعر پڑھا گیا تو مولانا مظفر سے برداشت نہ ہوکا، اور اسی وقت چلہ توڑ کر حجرہ سے باہر نکل گئے۔ ۳۲

گنج لا یخفی اور مونس القلوب سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا مظفر کو علمائے بہار سے بحث و مناظرہ ہو گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ مسموع یعنی جو کچھ سننے میں آتا ہے، اقراء یعنی جو کچھ پڑھا جاتا ہے، مکتوب یعنی جو کچھ لکھا جاتا ہے، اور محفوظ یعنی جو کچھ دلوں میں یاد ہے حقیقتاً وہی کلام نفسی ہے بغیر حلول کے اور مولانا مظفر کا یہی

موقف تھا۔

لیکن علماء بہار کا موقف یہ تھا کہ یہ سب کلام نفسی نہیں، بلکہ کلام نفسی پر دلالت ہے۔ جب یہ بحث ومباحثہ طول پکڑ گئی تو مولانا مظفر نے فرمایا کہ تم لوگ کیا سمجھو گے! تمہارے استادوں کی سمجھ سے بھی یہ باہر ہے۔ یہ بات علماء بہار کو ناگوار گزری۔ علماء بہار نے محضر نامہ لکھا اور مولانا مظفر نے بھی ایک رسالہ لکھا اور شیخ شرف الدین منیری کی خدمت میں یہ رسالہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا، علماء بہار نے محضر لکھا ہے اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک محضر لکھوں؟ شیخ شرف الدین منیری اس رسالہ کو دیکھ کر بہت دلبرداشتہ ہوئے اور غصے میں اس رسالہ کو چاک کر کے فرمایا:

''مولانا تم میرے پاس مسلمان ہونے کو آئے ہو یا بحث ومناظرہ کرنے کو،

یہ جو تم نے لکھا ہے اسے کون سمجھے گا۔''۳۳؎

علماء بہار نے مولانا کو بلانے کے لیے دو طالب علموں کو بھیجا لیکن جب معلوم ہوا کہ مولانا مخدوم جہاں کے پاس گئے ہیں تو یہ لوگ بھی وہاں پہنچے لیکن باہر ہی پتہ لگ گیا کہ اس مسئلے میں مخدوم جہاں بھی مولانا مظفر کے ہم خیال ہیں اس لیے پھر سب کے سب واپس لوٹ گئے اور اس محضر کو دہلی کے علماؤں کے پاس بھیجا۔ لہٰذا دہلی کے عالموں نے بھی وہی جواب دیا جو مولانا مظفر کے تھے۔۳۴؎

شیخ شرف الدین منیری سے خط وکتابت

مولانا امام مظفر بلخی کے نام لکھے گئے مکاتیب کے مجموعے کا نام ''مکتوبات بست وہست'' ہے۔ مولانا کو اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں رہنا دشوار تھا اور تربیت بھی ضروری تھی اس لیے آپ نے مخدوم جہاں کو خطوط لکھے۔ شیخ شرف الدین منیری ان کو تشفی بخش جواب لکھا کرتے تھے۔ مولانا کو مخدوم جہاں نے جو خطوط لکھے اس کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی۔ مخدوم جہاں نے تنبیہ کر رکھی تھی کہ ہر کس وناکس کو یہ خطوط نہ دکھایا کرو۔ اس لیے مولانا اُن تمام خطوط کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔

وفات نامہ میں حضرت مولانا زین بدر عربی لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہاں وصال سے لے کر دن قبل ۵/ شوال کو مولانا شہاب الدین نے، مولانا مظفر بلخی اور شیخ نصیر اللہ جونپوری کا نام لیا اور فرمایا ''ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوگا۔'' آپ نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا ''مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے اور مولانا

نصیرالدین بھی اسی طرح ہیں۔'' خلافت کے لیے جو شرائط واوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے ان غریبوں کو فتنۂ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔۳۵

شیخ شرف الدین منیری نے اپنے خطوط میں اکثر مولانا اور امام کے لقب سے مخاطب کیا ہے۔ مولانا اور مخدوم جہاں کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس کی تعداد تو تقریباً دوسو ہے لیکن مولانا نے اپنے پیر کی وصیت کے مطابق وصال سے پہلے یہ وصیت کردی تھی کہ یہ تمام خطوط میری لاش کے ساتھ قبر میں دفن کردیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن صرف ۲۸ خطوط جو الگ رکھے ہوئے تھے وہ دفن ہونے سے رہ گئے۔ بعد میں اپنی ۲۸ خطوط کے مجموعہ کا نام ''مکتوبات بست وہست'' کے نام سے خانقاہ معظم بہار شریف سے چھپ کر منظر عام پر آیا۔

سیروسیاحت

مولانا مظفر بلخی کی زندگی کا بڑا حصہ سیروسیاحت میں گزرا۔ آپ نے بے شمار تبلیغی دورے کیے۔ مثلاً دہلی، ظفرآباد، جونپور، بنگال، مکہ مکرمہ اور عدن کا سفر کیا۔ بنگال کے شہر سنارگاؤں میں آپ کے پیرومرشد حضرت مخدوم جہاں نے حصولِ علم کی خاطر ایک لمبا عرصہ گزارا تھا، اس لیے آپ کو بھی بنگال سے بڑا لگاؤ ہوگیا تھا۔ آپ نے یہاں سنارگاؤں میں دوسال قیام کیا اور اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت اپنے پیرومرشد کے پیغام کو آگے بڑھایا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام زیادہ تر مکہ مکرمہ میں گزرا پھر وہیں سے عدن چلے گئے۔ ان ممالک میں سلسلہ فردوسیہ کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت اوراد وظائف میں بھی اپنا وقت گزارا۔ آپ کے قلم وعمل کا شہرہ اس قدر تھا کہ عدن میں آپ ''پیر ہندی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔۳۶

مسند سجادگی

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے انتقال کے وقت آپ بہار شریف میں نہیں تھے بلکہ عدن میں تھے جیسے ہی پیرومرشد کے وصال کی خبر آپ تک پہنچی فوراً بہار شریف تشریف لے آئے۔ آپ کے آنے سے پہلے ہی مخدوم الملک کی خانقاہ میں مسند سجادگی کا مسئلہ چھڑ چکا تھا، شیخ شرف الدین منیری کے بعض مریدین نے لوگوں کو کلاہ دینا شروع کردیا تھا۔ چونکہ شیخ شرف الدین منیری اپنے وصال سے پہلے مولانا مظفر بلخی کی عدم موجودگی میں کسی کو بھی اپنا نائب اور مسند سجادگی پر معمور نہیں کیا۔ اس لیے ہر وہ شخص جس کے

پاس بھی حضرت مخدوم الملک کی کوئی بھی چیز موجود تھی مثلاً کلاہ، کرتا وغیرہ اسی کو مسند سجادگی کے حصول کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔ جب مولانا مظفر بلخی نے مخدوم الملک کے بعض مریدین کو کلاہ تقسیم کرتے دیکھا تو ان لوگوں سے کلاہ دینے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ آپ لوگ مسند سجادگی کی سند پیش کریں لیکن کسی خلیفہ کے پاس یہ سند موجود نہ تھی۔ اس کے جواب میں مولانا شہاب الدین مانک پوری و دیگر لوگوں نے کیا کہا، ان کے متعلق صاحب تاریخ فردوسیہ لکھتے ہیں:

''مولانا شہاب الدین مانک پوری نے کہا میرے پاس حضرت مخدوم جہاں کی ٹوپیاں ہیں، بعض نے کہا کہ حضرت مخدوم الملک نے مجھ کو اپنا غلاف دیا تھا، اس سے دیتا توں۔'' ۳۷

دوران بحث ومباحثہ لوگوں نے مولانا مظفر بلخی سے بھی پوچھا کہ آپ کیا حجت رکھتے ہیں؟ مخدوم الملک نے اپنے آخری ایام میں مولانا مظفر بلخی کے نام اجازت نامہ تحریر فرما کر حضرت حسن نوشہ توحید بلخی کے سپرد کر دیا تھا اور یہ تاکید کر دی تھی کہ جب مولانا مظفر عدن سے واپس آئیں تو اپنی یہ امانت دیدینا اس وقت تک اسے سنبھال کر رکھو۔ مولانا نے فوراً حضرت حسین نوشہ توحید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''میاں حسین جاؤ اور حضرت مخدوم الملک نے مجھ کو جو اجازت نامہ خاص مرحمت فرمایا تھا، وہ لے آؤ۔'' ۳۸

حضرت حسین نوشہ توحید ابھی چند قدم گئے ہوں گے کہ مولانا نے انھیں لانے سے روک دیا اور وہاں موجود لوگوں سے فرمایا:

''صاحبو! میں نے ایسا پیر نہیں کیا ہے جو مر جائے۔ آؤ ہم سب لوگ خود شیخ ہی سے پوچھ لیں وہ جس کو فرمائیں وہی خلیفہ ہو۔'' ۳۹

یہ کہہ کر مولانا مظفر مخدوم جہاں کے مزار کی طرف بڑھے لیکن وہاں قاضی مخدوم عالم بھی موجود تھے انھوں نے ایسا کرنے سے روکا:

''تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ فتنہ وفساد قائم ہو۔ میں جانتا ہوں کہ جب یہ مزار اقدس پر کھڑے ہو کر عرض کریں گے تو حضرت مخدوم الملک ان کو ضرور

جواب دیں گے۔‘‘[۴۰]

قاضی عالم کی باتوں سے سب نے اتفاق کیا اور نادم ہوئے اور پھر اسی وقت مولانا مظفر بلخی کو بالاتفاق مسند سجادگی پر بٹھا دیا گیا۔ مولانا مظفر بلخی حضرت مخدوم الملک کے پہلے سجادہ نشیں ہوئے اور پھر اس کے بعد سجادہ نشینی کا یہ سلسلہ آپ کے خاندان میں تقریباً ایک سوتیں سال تک باقی رہا۔ آپ کے خاندان سے بہار شریف میں خانقاہ شیخ شرف الدین منیری کے آخری سجادہ نشیں حضرت شیخ حافظ درویش بلخی تھے۔ ان کے بعد مسند سجادگی کا سلسلہ بلخی خاندان سے شیخ شرف الدین منیری کے خاندان میں منتقل ہوا، اب تک اسی پر جاری ہے۔

شرفاء کی نگری میں ہے کہ بلخی خاندان کے آخری سجادہ نشیں شیخ حافظ درویش بلخی نے از راہِ محبت واحترام شیخ شرف الدین کے ایک بزرگ حضرت مخدوم شاہ بھیکھ فردوسی کو مسند سجادگی پر بٹھا کر خود علاحدہ ہو گئے اور موضع پیور نزد پھلواری شریف پٹنہ میں ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کر لی پھر کئی پشتوں کے بعد حضرت سید برہان الدین بلخی نے موضع فتوحہ، ضلع پٹنہ میں ایک خانقاہ فردوسیہ، شرفیہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں سے سلسلہ فردوسیہ کی تعلیمات ہنوز جاری وساری ہے۔[۴۱]

تصنیفات

حضرت مولانا مظفر بلخی کا بہت سارا وقت سفر میں گزرا لیکن اس کے باوجود مکہ، مدینہ اور عدن میں دوران قیام بہت کچھ لکھا۔ آپ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی ہے جو ’’مکتوبات مظفر بلخی‘‘ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ اس میں ۱۸۱ خطوط ہیں۔ ان میں خطوط نمبر ۱۴۸، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۹ میں واضح طور پر بنگال کے سلطان غیاث الدین کو مخاطب کیا ہے اور انھیں فرائض منصبی پر دیانت داری کے ساتھ عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔[۴۲]

اس کے علاوہ مولانا کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں۔

دیوان مولانا مظفر بلخی (Print)

شرح عقائد نسفی وعقائد مظفری

رسالہ مظفریہ در ہدایت درویش

شرح مشارق الانوار[۴۳]

شرفاء کی نگری میں ۱۲۳ مکاتیب کا مجموعہ شاید ''مکتوبات مولانا مظفر'' کی طرف اشارہ ہے لیکن ۱۸۱ مکاتب پر مشتمل مجموعہ ہے۔ مؤلف ''حیات ثبات'' کے بقول مکتوبات کی تعداد دوسو کے قریب ہے لیکن مؤلف تاریخ فردوسیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ۱۸۸ دستیاب ہوسکے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھے ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب مکتوب ملا کر ایک سو اٹھاسی حاصل ہوئے۔[۴۴]

گنج لا تخفی اور مونس القلوب میں ایک اور رسالے کا ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولانا مظفر کو بہار کے کچھ علماء سے بحث ومباحثہ ہوگیا۔ مولانا مظفر بلخی کا کہنا تھا کہ مسموع یعنی جسے سنا جائے اور مقرہ یعنی جسے پڑھا جائے اور مکتوب یعنی جو کچھ لکھا جائے اور محفوظ یعنی جو کچھ دیوان میں یاد ہے، حقیقتاً وہی کلام نفسی ہے بغیر حلول کے۔[۴۵]

جبکہ علمائے بہار کا کہنا یہ تھا کہ یہ سب کلام نفسی نہیں بلکہ کلام نفسی پر دال ہے۔ بحث جب طول پکڑ گئی اور دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی باتوں کو ماننے کو تیار نہیں ہوا تو پھر علمائے بہار نے ایک ''محضر'' لکھا، مولانا مظفر نے بھی ایک رسالہ لکھا جس میں دلائل منقول اور معقول پیش کیا۔ صبح کو اسے لے کر مخدوم الملک کے حضور میں اس رسالہ کو پیش کیا، عرض کیا کہ علمائے بہار نے محضر لکھا ہے، اگر حکم ہو تو میں بھی ان کا جواب دوں۔ مخدوم الملک اس رسالہ کو دیکھ کر برہم ہوگئے اور اسی وقت اس رسالے کو چاک کر دیا اور فرمایا:

> ''مولانا تم میرے پاس مسلمان ہونے کو آئے ہو یا بحث ومباحثہ کرنے کو
>
> مناظرہ کرنے کو؟ یہ جو تم نے لکھا ہے اسے کون سمجھے گا۔''[۴۶]

اس رسالے کو چونکہ شیخ شرف الدین منیری نے فوراً چاک کر دیا تھا، اس لیے یہ رسالہ محفوظ نہ رہ سکا۔ مولانا مظفر مخدوم جہاں کی ناراضگی دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور پہلو میں بیٹھ گئے۔ جب مولانا کو آنے میں دیر ہوئی تو علماء بہار نے دو طالب علموں کو بھیجا تا کہ مولانا کو بلا کر لائیں۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ مولانا مخدوم الملک کے پاس گئے ہیں تو وہ لوگ بھی وہاں پہنچے لیکن پہلے ہی معلوم ہوگیا کہ اس مسئلے پر مولانا مظفر کا جو موقف ہے وہی حضرت مخدوم الملک کا بھی ہے۔ واپس لوٹ گئے اور پھر اس محضر کو دہلی کے علماء کے پاس بھیجا۔ علمائے دہلی نے بھی وہی باتیں ثابت کیں جو مولانا مظفر نے ثابت کی تھی۔[۴۷]

مولانا کے مکتوبات کی چند جھلکیاں

مولانا مظفر بلخی کے مکتوبات فارسی میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے کیا ہے۔اسی ترجمہ سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

پہلا مکتوب توکل اور یقین کے بیان میں:

میرے نہایت عزیز بھائی مولانا ظہیر الدین سلام مطالعہ کرو۔

عرض یہ ہے کہ تم برادر عمر باقی ماندہ کو غنیمت شمار کرو اور اس سے آخرت کا توشہ اور راہِ خرچ بناؤ، عمر کا جس قدر حصہ گزر چکا، اس کا تدارک تو ممکن نہیں ہے۔اب جو حصہ عمر کا باقی رہ گیا ہے وہ بھی لایعنی باتوں میں ضائع ہو جائے۔افسوس ہزار افسوس تم نے جب فقر کا راستہ اختیار کیا ہے تو فقیروں کے طور طریقے پر چلو اور ان کی باتوں کو اپنی پونجی بناؤ۔

مکتوب سوم ہمت بلند اور اس کے اندر قدم رکھنے میں:

بڑے عزیز بھائی قاضی شرف الدین، اللہ تعالیٰ تمہیں ہمت کے ساتھ مشرف کرے۔فقیر حقیر مظفر شمس کی طرف سے سلام و دعاء مطالعہ فرماؤ۔

اے دوست ایک بات ہے جو کہ ہمیں اور تمہیں ابدی ماتم میں بٹھال دے۔آہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ابدی ماتم میں بٹھالا بھی ہے کیونکہ میں بدنصیب اس ماتم کی لیاقت نہیں رکھتا۔یہ ماتم راہ اعلیٰ کے بدنصیبوں کی بدنصیبی کا ہے۔اقبال مند تاجور لوگ ان بداقبالوں کے جوتیوں کی خاک کو سرمہ بنانے کے آرزومند ہیں۔

شیخ الاسلام شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز وصال کے وقت فرماتے ہیں:

''ہم لوگ وہی دیوانے ہیں۔ہم لوگ وہی دیوانے ہیں۔تیسری بار فرمایا ہم لوگ دیوانوں کے جوتیوں کی خاک ہیں۔''

یہ بداقبال لوگ وہی دیوانے ہیں جو تم نے سنا، یہ ماتم ان ہی لوگوں کا ماتم ہے اور خوشی ان ہی لوگوں کی خوشی ہے۔ہمارے تمہارے جیسے ہوا و ہوس کے بندوں کو نہیں چاہیے کہ ان لوگوں کا ذکر یا اُن کے ماتم اور خوشی اور ادبار کا ذکر کریں۔اور ایک بات ہے۔

اے دوست وہ بات یہ ہے کہ فضلاء علماء، حکماء اور اولیاء سب کے سب اس ایک بات پر متفق ہیں کہ قیمت

المرء ہمتہ یعنی مرد کی قیمت اس کی ہمت ہے اور آج جس کی ہمت کا گھوڑا دنیا کی حسد سے آگے نہیں جا تا وہ آج بھی اندھا ہے اور کل بھی اندھا ہے اور آخرت سے بے نصیب ہے۔

مکتوب صد وشصت ودوم درعبارت کلمات دیوانگان وبیان بزرگی شیخ شرف الدین پانی پتی بجانب خان ہمایوں دستور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سلام ودعا، تعریض کردونمودہ آمد۔ در پانی پت شیخ شرف الدین پانی پتی بود کہ سی سال طعام نخورد وقتے یخنی وجغرات پیش او بردندے بارے یخنی درجغرات تر کردے بجوشیدے وبیروں انداختے گوئند آں یخنی ہر کہ خوردے دیوانہ شدے۔ وقتے مکتوب بے برسلطان علاء الدین نوشتہ بود بریں عبارت کہ علاء خوطی ایں حکایت درزمین ما معروف ومشہورست۔ ہر کسے بوشیدہ نیست۔ ایں غزل شیخ راست سہ بیت مرا یاد بود آں ایں ست۔ ابیات

روز با خوش پسران نرد وفا می بازم

شب ہمہ شب بشرا بے وشمع می شازم

ز ملامت چہ گزید است کہ عاشق بخم

ز جلاجل چہ گریزست کہ من شہبازم

باز بر کوئے شرف مدعیان کو ر شوند

روزہا خوش پسران مرد دغامی بازم

مولانا مظفر شاعری میں اپنا تخلص ''برہان'' رکھتے تھے۔

وقت وصال

مونس القلوب کے مطابق مولانا مظفر تین بھائی تھے، مولانا مظفر سب سے بڑے، ان کے بعد شیخ معزالدین اور سب سے چھوٹے قمر الدین تھے۔[۴۸]

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی وفات کے بعد مولانا مظفر حضرت مخدوم جہاں کے مسند سجادگی پر بیٹھنے کے بعد پھر مکہ معظّمہ چلے گئے، اس مرتبہ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی شیخ معزالدین اور آپ کے بھتیجے شیخ حسین بن معزالدین تھے۔ مکہ مکرمہ میں شیخ معزالدین پر مرض کا غلبہ ہوا۔ مولانا مظفر بلخی

سے کہنے لگے:

''معزالدین مناسب تو یہ تھا کہ پہلے مجھے جانے دیتے اس لیے کہ میں تم سے بڑا ہوں پھر اپنے پیرہن کے گریبان کو پکڑ کر فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بس یہی پیرہن ہے۔''۴۹

مناقب الاصفیاء کے مطابق ۹ ر شوال کو شیخ معزالدین کا انتقال ہو گیا اور مکہ میں ہی بی بی خدیجہ اور فضیل بن عیاض کی تربت کے قریب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔۵۰

بھائی کے انتقال کا مولانا کے دل پر بہت اثر ہوا۔ مولانا شیخ حسین کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ سے عدن کے لیے روانہ ہوئے۔ راہ میں آپ کا پیرہن پھٹ گیا۔ آپ نے درزی کو پیوند لگانے کے لیے کہا۔ اس پر حضرت شیخ حسین نے عرض کیا کہ نیا کپڑا موجود ہے حکم ہو تو حاضر کروں۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں، اسے تم ہی پہنو پھر عمامہ باندھنے کی درخواست کی گئی۔ اس کے لیے بھی مولانا راضی نہ ہوئے اور کہا کہ تم ہی باندھو، میں نہیں باندھوں گا۔ شیخ حسین نے کہا کہ اس طرح کے الفاظ زبان پر نہ لایا کریں۔ ہم لوگ بیچارے تو اس امید میں ہیں کہ آپ کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوں تا کہ آپ ہماری نماز جنازہ پڑھائیں تا کہ وجہ نجات ہو۔ مولانا مظفر نے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور فرمایا کہ اللہ تمہاری دعاء کو قبول نہ کرے۔

عدن میں ایک عرصہ گزرنے کے بعد مولانا مظفر کسی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ تقریباً اکتیس روز تک بیمار رہے۔ کھانا پینا سب ترک کر دیا تھا۔ گفتگو بھی کم کر دیا تھا۔ اگر کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتے کہ اس وقت مجھے تنگ نہ کرو اور مجھے اپنے کام میں مشغول رہنے دو۔ ایسی ہی چلتا رہا۔

ایک صبح شیخ حسین کو حکم دیا کہ مجھے اٹھاؤ اور تکیہ کا سہارا دو۔ آج میں نے خواب میں اپنے پیر کو دیکھا ہے ملاقات ہوئی ہے۔ اس خواب کا ایک رمز من کر من أحب لقاء الله احب الله لقائه (جو اللہ کی ملاقات کو محبوب بنا لیتے ہیں اللہ بھی اس کی ملاقات محبوب بنا لیتا ہے۔) جب مرض بڑھنے لگا تو اپنے برادر زادہ شیخ الاسلام شیخ حسین پر اپنی اور اپنے پیروں کی تمام نعمتیں نثار فرمائیں اور الوداع کہا اور فرمایا کہ بہار خطے چلے جاؤ اور کچھ نصیحتیں کیں پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی مشغولیت میں ۳ ر رمضان المبارک ۷۸۸ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ مناقب الاصفیاء میں سن وفات درج نہیں ہے۔۵۱

آپ کا مزار عدن میں ہے اور ''روضہ ہندی'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ آپ کی تاریخ وصال ''بہار شریف'' سے نکلتی ہے۔

حسین نوشہ توحید بلخی

(م ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء)

نام ونسب:

آپ کا نام حسین اور نوشہ توحید، وسمندر توحید القابات ہیں۔آپ معزالدین بلخی کے بیٹے اور مولانا مظفر بلخی کے بھتیجے اور پسر معنوی ہیں۔آپ کا آبائی وطن بلخ تھا، جہاں سے آپ کے دادا شمس بلخی، دہلی ہوتے ہوئے بہار شریف میں آ کر سکونت اختیار کر لی اور یہیں مخدوم احد چرم پوش سے مرید ہوئے۔

آپ کا تعلق حسینی سادات میں سے ہے۔آپ کا نسب نامہ حضرت آموں مرید وخلیفہ شیخ شرف الدین منیری کے ملفوظات تحقیقات المعانی کے مطابق اس طرح ہے:

حسین نوشع توحید بن مولانا معزالدین بن سلطان شمس بن سلطان سید علی بن حمیدالدین بن سراجالدین بن محمود بن سلطان ابراہیم ادہم بن سید سلیمان بن سید ناصر بن محمد بن یعقوب بن احمد بن اسحاق بن زید بن قاسم بن علی اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید دشت کربلا بن شاہ مرداں علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہ۔۵۲؎

ولادت

مونس القلوب ملفوظ حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخی کے مطابق حضرت حسین نوشہ توحید کی ولادت ظفر آباد (جونپور یوپی) میں ہوئی:

> ''حضرت مخدوم شیخ حسین قدس اللہ سرہ العزیز کی ولادت ظفر آباد میں ہوئی۔''۵۳؎

یہاں شیخ حسین کی دادی اور سلطان شمس الدین بلخی کی شریکِ حیات اپنے فرزندوں کے ساتھ کافی مدت تک قیام کیا تھا۔۵۴؎ تاریخ ولادت کے سلسلہ میں مؤرخین خاموش ہیں مرأۃ الکونین میں ۷۵۴ھ درج ہے۔ جوسن عیسوی کے مطابق ۱۳۵۳ء ہوتا ہے۔۵۵؎

مناقب الاصفیاء کی روایت کے مطابق شیخ حسین کی پیدائش پر شیخ شرف الدین منیری بہت خوش ہوئے

اوراس سے پہلے کہ ظفرآباد جونپور سے ولادت کی خبر آئے، شیخ شرف الدین نے پہلے ہی آپ کے چچا مولانا مظفر بلخی کو یہ خوش خبری سنادی اور مبارک باد دی کہ تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔[۵۶]

مولانا مظفر نے عرض کیا کہ میری بیوی بھی نہیں پھر مجھے بیٹا کہاں ہوگا؟ مخدوم جہاں نے فرمایا: تمہارے بھائی مولانا معزالدین کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور معزالدین کے فرزند تمہارے فرزند ہیں۔

مناقب الاصفیاء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مظفر بلخی کو کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے مولانا مظفر سے کہا کہ مولانا تمہارے اندر سوزش ہے، تم سے اولاد نہیں ہوگی۔ اور از راہِ شفقت فرمایا کہ دلگیر نہ ہو۔ مولانا معز الدین کی اولاد تمہاری ہی اولاد ہوگی اور تمہارا فیضان اسی سے جاری ہوگا۔[۵۷]

تعلیم وتربیت

شیخ حسین بچپن ہی سے اپنے چچا مولانا مظفر بلخی کی تربیت میں رہے۔ مولانا حسن اسلوبی کے ساتھ شیخ حسین کی تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ دوسری طرف شیخ شرف الدین منیری کی نگاہ شفقت و محبت نے بھی آپ کی تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ شیخ شرف الدین منیری نے آپ کے بچپن میں ہی پیشن گوئی کردی تھی کہ آپ عظیم منصب پر فائز ہونگے۔ آپ کے بچپن کے حوالے سے ایک واقعہ ''مونس القلوب'' ملفوظ احمد لنگر دریا بلخی میں اس طرح درج ہے:

> ''ایک مرتبہ مولانا مظفر بلخی فردوسی، شیخ شرف الدین کو وضو کرا رہے تھے اور شیخ شرف الدین کی دستار مصلے پر رکھی ہوئی تھی، ادھر سے حسین نوشۂ توحید کھیلتے ہوئے آئے اور مصلے پر رکھے ہوئے دستار کو سر پر رکھ کر نماز پڑھنے لگے۔ مولانا مظفر کی نظر جب ان پر پڑی تو بڑا تعجب ہوا، حسین کو ڈانٹنے لگے، اس پر شیخ شرف الدین منیری مسکرا کر فرمایا: مولانا مظفر، کیوں ڈانٹے ہو، وہ بچہ اپنی جگہ کو پہچانتا ہے۔''[۵۸]

مولانا مظفر مکہ معظّمہ جانے لگے تو شیخ حسین کو بھی ساتھ لے کر مکہ معظّمہ گئے اور وہاں چار سال تک قیام کیا۔ اس دوران حرم کعبہ کے اندر شیخ شمس الدین خوارزمی سے قرأت قرآن وشاطبی کی تعلیم حاصل کی۔ اسی زمانہ میں

شیخ شمس الدین حلوائی قرأت سبعہ کے ماہر تھے اوران کی شہرت کا غلغلہ حلب، شام، مصر، مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں تھا، ان سے ملاقات ہوئی۔ شیخ حسین نے موقع کو غنیمت جانا اوران سے قرأت سبعہ سیکھی اور مکہ معظّمہ میں ہی خطیب عدن سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اس حوالے سے نزہۃ الخواطر کی عبارت یہ ہے:

نشأ فی حجر الشیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ المنیری وبایعه ثم تلقی عن علمه الشیخ مظفر بن شمس الدین البلخی وسافر معه الی الحرمین الشریفین فحج و زار وأقام بمکة المبارکه أربع سنین وقرأبها القرآن و "الشاطبیة" علی الشیخ شمس الدین الخوارزمی واخذ القرأت السبع عن الشیخ شمس الدین الحلوی وکان الحلوی فرید عصره فی القرأت والتجوید لم یکن له مثل فی زمانه فی مصر ولا فی الشام ولافی ارض الحجاز وقرأ حسین بن المعز صحیح مسلم وصحیح البخاری علی معه المظفر وأسند الحدیث بها عن الخطیب العدنی .۵۹؎

مولانا مظفر نے اپنے بھتیجے کو صحیح مسلم، صحیح بخاری از اول تا آخر لفظاً لفظاً پڑھایا اوراس کے معانی ومطالب بھی سمجھائے۔

جس زمانے میں شیخ حسین مکہ معظّمہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سند لے رہے تھے تو ایک حدیث نظر سے گزری، یہ اصل میں ایک تسبیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں چار کلمے پانچ بار پڑھتا ہوں اگر میرے ان کلمات کو ان تسبیحات سے موازنہ کرو جن کو تم پڑھتی ہو تو میرے کلمات کا وزن بڑھ جائے گا سنو وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللّٰه عند خلقه ورضاء نفسه وزنه عرشه ومداء کلمته.۶۰؎

شیخ حسن دائم بلخی کو ایک شب یہ خیال گزرا کہ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیحات ہیں کیوں نہ اسی طرز پر درود پاک کی ترتیب دے دی جائے۔صاحب مونس القلوب کی روایت ہے:

''جب حضرت شیخ وہاں صحیح بخاری کی سند لے رہے تھے اور حدیث مذکور الصدر پر پہنچے تو ایک رات حضرت شیخ کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ تسبیحات ہیں کثیر المعانی ہیں، کیوں نہیں ان سے درود ترتیب دے دوں اسی کے بعد حضرت نے یہ درود ترتیب دے دی۔''[۶۱]

شیخ حسین بن معز بلخی نے جو درود ترتیب دی تھی وہ مندرجہ ذیل ہے:

اللّٰھم صلی علی محمد وعلی آل محمد عدد خلقک ورضا نفسک وزینة عرشک ومداد کلماتک.[۶۲]

اے خدا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اپنی تمام مخلوقات کی تعداد میں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت فرما اپنی ذات پاک کی خوشنودی کی مقدار میں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اپنے عرش کے وزن کے مقدار میں اور رحمت نازل فرما اپنے کلمات کے مقدار میں۔

یہ سب شیخ شرف الدین منیری اور مولانا مظفر کی تربیتوں اور صحبتوں کا نتیجہ تھا کہ مولانا حسین صلاحیت مند علماء میں شمار ہونے لگے۔تفسیر قرآن اور احادیث کریمہ میں عبور حاصل کر لیا تھا، عربی اور فارسی زبان پر مکمل دسترس حاصل تھی''اوراد فصلی'' اس کا ثبوت ہے۔تعلیم وتربیت میں عام طور پر زبانی وعظ ونصیحت سے کام لیا جاتا ہے یہ طریقۂ تربیت جو زیادہ اثر انداز نہیں ہو پاتا بلکہ زبان وبیان کے ساتھ ساتھ اگر عملی کردار بھی ادا کیا جائے تو یہ طریقۂ تربیت کارگر ثابت ہوتی ہے اور اس کے اچھے نتیجے بھی حاصل ہوتے ہیں۔مولانا مظفر بلخی نے شیخ حسین کی تربیت میں زبانی نصیحت کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اہم رول ادا کیا۔چنانچہ شیخ حسین نماز تہجد کے عادی کس طرح بنے مولانا مظفر نے اس کے لیے کون سا طریقہ اپنایا اس کے لیے خود لکھتے ہیں:

''مخدوم مولانا مظفر نے مجھ کو تہجد کا عادی اس طرح بنایا کہ نماز تہجد کے لیے

اٹھانے سے پہلے ثرید تیار کر کے رکھتے تھے جب میں جاگتا تو فرماتے حسین

پہلے نماز پڑھ لو پھر ثرید کھاؤ اس طرح مجھ کو تہجد کا عادی بنا دیا۔٦٣

شیخ حسین کتاب ''عوارف المعارف'' جو حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے پڑھا کرتے تھے۔ نصاب کتاب مخدوم جہاں نے پڑھائی اور فرمایا کہ نصف جونپور جا کر حضرت بدیع الدین شاہ مدار (۴۴۲ھ-۸۳۸ھ) سے پڑھ لینا۔صاحب مرأت الاسرار لکھتے ہیں:

'' آپ نے نصف کتاب عوارف المعارف حضرت شیخ شرف الدین سے

پڑھی تھی. جب حضرت شیخ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شیخ حسین کو فکر لاحق

ہوا۔آپ نے آنکھ کھول کر فرمایا بابا حسین فکر مت کرو، میرے بعد حضرت شیخ

بدیع الدین شاہ مدار اس ولایت میں آئیں گے تو تم ان سے باقی نصف

کتاب پڑھ لینا۔''٦٤

''تاریخ سلاطین شرقی'' میں تھوڑا اضافہ کے ساتھ اس طرح ہے:

''مخدوم جہاں نے شیخ حسین سے فرمایا کہ تم پریشان نہ ہو اس کتاب کو یعنی

''عوارف المعارف'' کو جونپور جا کر سید بدیع الدین قطب المدار سے پڑھ

لینا وہ چار کتب سماوی کے حافظ ہیں۔لیکن ابھی وہ جونپور نہیں آئے اور وہ

ضرور آئیں گے۔جب حضرت قطب المدار جونپور آئے تو حسین نوشۂ توحید

بلخی جونپور آئے،اور قطب المدار سے کتاب ختم کی۔''٦٥

کچھ عرصے بعد جب حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (م:۷۸۲-۶۶۱ھ) کا وصال ہو گیا اور حضرت بدیع الدین شاہ مدار (۴۴۷ھ-۸۳۸ء) جونپور تشریف لائے تو آپ بھی بہار شریف سے جونپور چلے آئے۔شاہ مدار کے بارے میں آتا ہے کہ آپ بے حد حسین وجمیل تھے اور ہر وقت اپنے چہرے پر برقعہ لگائے رہتے تھے۔لیکن جیسے ہی شیخ حسین شیخ مدار کے پاس تشریف لائے، شیخ مدار نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور فرمایا'' آؤ توحید کے سمندر میں خوش آمدید میں تمہارے انتظار میں تھا۔٦٦

حضرت شاہ بدیع الدین مدار اپنے وقت کے ولیٔ کامل گزرے ہیں۔آپ ہاشمی خاندان اور سادات میں سے ہیں۔٦٧

والد کا نام سید علی۔آپ حلب میں یکم شوال ۲۴۲ھ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔نام بدیع الدین اور لقب ''قطب مدار'' سے معروف ومشہور ہوئے۔آپ کی تعلیم مولانا حذیفہ شامی کی نگرانی میں شروع ہوئی۔کم عمری میں ہی قرآن مجید کے حافظ ہو گئے اور بارہ سال کی عمر میں مختلف علوم وفنون میں اچھی خاصی استعداد حاصل کر لی۔

تحصیل علوم ظاہری کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور طیفور نامی شخص سے بیعت ہوئے۔اور خرقہ خلافت سے سرفراز کیے گئے۔آپ حرمین شریفین کی زیارت کی پھر ہندوستان تشریف لائے اور ہندوستان کے صوبہ گجرات میں کچھ عرصہ قیام کیا پھر کچھ دن ہندوستان میں گزار کر پھر حج کے لیے رخصت سفر بناندھا۔حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد بغداد، نجف اشرف، ہوتے ہوئے پھر ہندوستان تشریف لائے۔آپ نے مختلف ملکوں اور شہروں کا سفر کیا بالآخر ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع قنوج کے مکن پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

آپ کا وصال ۱۷ر جمادی الاول ۸۳۸ھ کو ہوا۔''ساکن بہشت'' مادہ تاریخ وفات ہے۔آپ کا مزار مکن پور میں واقع ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا شیخ قطب المدار کے بارے میں یہ فرمانا کہ وہ ''چار کتب سماوی کے حافظ ہیں''، محل غور ہے۔اس لیے کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی آسمانی کتابیں اپنی اصل حالت میں موجود نہیں ہے۔پھر حضرت قطب المدار کو یہ کتابیں کیسے یاد ہو گئیں؟ یا ہو سکتا ہے کہ مخدوم جہاں کے فرمان کا کوئی اور مطلب ہو۔

تذکرہ نگاروں نے ''نوشہ توحید'' کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک شخص حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے توحید کے معنی پوچھے۔آپ نے فرمایا کہ حسین سے پوچھ لو اس وقت حسین گھوڑے پر سوار پان کھا رہے تھے اور خلاف واقعہ پان کی پیک گھوڑے کے منہ سے گری تو آپ نے فرمایا کہ یہی توحید کا معنی ہے۔جب حضرت مخدوم جہاں نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ حسین نوشہ توحید ہے۔پھر اسی وقت سے آپ کو نوشہ توحید کہا جانے لگا۔''٦٨

بیعت وخلافت

شیخ حسین نوشہ توحید بلخی کی تعلیم وتربیت شیخ شرف الدین منیری اور مولانا مظفر بلخی دونوں سے ہوئی تھی اور دونوں نے ہی آپ کو مرید کیا تھا لیکن خلافت میں اختلاف ہے بعض تذکرہ نگار نے آپ کو مولانا مظفر کا خلیفہ بتایا ہے اور بعض نے مخدوم جہاں کا۔ جس زمانے میں آپ اپنے چچا مولانا مظفر کے ساتھ عدن میں تھے اور مولانا کا آخری وقت آیا تو مولانا نے آپ کو جو سند خلافت اور سند حدیث عطا فرمائی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ حسین، شیخ شرف الدین منیری کے مرید ہیں۔ خلافت کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ عبارت یہ ہے:

''فقیہ حسین مذکور مرید بندگی شیخ الاسلام والمسلمین مخدوم شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری است''٦٩؎

شاہ امین احمد فردوسی اشعار میں لکھتے ہیں:

شیخ عالم شرف الحق کہ علم ہر سویست
شیخ بے واسطہ غیر مرید اویست
لیک دستانہ خلافت زعم خود دارد
نیز ارشاد اجازت زعم خود دارد٧٠؎

حضرت عبدالرحمٰن چشتی کی تحریروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ حسین مولانا مظفر ہی کے خلیفہ تھے، ان دنوں جب آپ اپنے چچا کے ساتھ زیارت حرمین کے لیے گئے ہوئے تھے اور عدن میں قیام کے دوران جب شیخ مظفر کے وفات کا وقت قریب آیا تو مشائخ فردوسیہ کا خرقۂ خلافت شیخ حسین کو عطا کر کے ان کو اپنا سجادہ نشیں مقرر کر دیا۔ آپ یہ خرقۂ خلافت لے کر اپنے وطن بہار تشریف لائے اور شیخ شرف الدین احمد منیری کی خانقاہ میں مسند سجادگی پر تشریف فرما ہوئے اور مردین کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔ پھر ہمیشہ کے لیے یہیں سکونت اختیار کر لی۔٧١؎

شیخ احمد لنگر دریا بلخی جو آپ کے فرزند رشید ہیں آپ کی خانقاہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

''سبحان اللہ کیا خانقاہ تھی۔ تقریباً تیس چالیس صوفیا ہمیشہ باوضو، متوجہ الی اللہ اور ذکر وفکر میں مشغول رہا کرتے تھے اور ان میں چند ایسے تھے جو طے کے روزے میں تھے۔''٧٢؎

کچھ ناقدین اور تبصرہ نگار، صوفیہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ صوفیہ اپنے مریدین کو تعلیم حاصل کرنے سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ صوفیہ کے نزدیک حصولِ تعلیم توجہ الی اللہ اور تعلق باللہ کے لیے روکاوٹ بنتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف الزامات ہیں بے شمار دلائل ہمارے پاس موجود ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صوفیہ کی جماعت اپنے معتقدین و متوسلین کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ وہ پہلے ذکر و مراقبہ پر حصولِ تعلیم کو مقدم رکھیں پھر اس کے بعد اس دنیا میں قدم رکھیں۔ چنانچہ شیخ احمد لنگر دریا بلخی لکھتے ہیں کہ خانقاہ میں موجود لوگوں کے پاس بیٹھنے میں مجھے بہت اچھا لگتا تھا چنانچہ اس میں میری دلچسپی بڑھی اور میں راتوں کو بھی ان کے ساتھ بیٹھنے لگا جب اس کی خبر میرے دادا بزرگوار شیخ حسین کو ہوئی تو انھوں نے تنبیہ کی اور فرمایا:

''شیخ احمد! ابھی آپ کو ان لوگوں کی صحبت میں نہیں جانا چاہیے، جب وقت آئے گا تو سب کچھ ہو جائے گا۔ اس وقت ان کاموں میں لگنے سے تحصل علم میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی ابھی آپ مزید علم حاصل کیجیے۔''[۳]

بقول پروفیسر معین الدین:

''شیخ حسین حضرت معز الدین بلخی کے صاحبزادے اور مولانا مظفر کے تربیت یافتہ اور خلیفہ ہیں۔''[۴]

سید قیام الدین فردوسی کے بقول:

''حضرت شیخ حسین نوشہ توحید بلخی قدس سرہ بن شیخ معز الدین شمس بلخی حضرت مولانا مظفر بلخی کے بھتیجے اور پسر معنوی ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت حضرت مخدوم جہاں فردوسی اور مولانا مظفر بلخی دونوں سے ہوئی۔ آپ کو بیعت مخدوم جہاں فردوسی اور خلافت و سجادگی مولانا سے ملی تھی۔''[۵]

''گوہرستان'' میں شیخ عزیز اللہ بنارسی نے لکھا ہے کہ شیخ حسین بغیر کسی واسطہ کے شیخ شرف الدین منیری کے مرید ہیں اور خلافت اپنے چچا مولانا مظفر بلخی سے حاصل کیا، جن کے ساتھ تقریباً چالیس سال سفر میں گزارے۔

''وہی بلا واسطۂ غیری مرید حضرت سلطان المحققین شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری است وخلافت از عموی بزرگوار خود شیخ مظفر بلخی دارد، چہل سال در سفر وحضر باعموی خود مصاحب بود۔''۶ے

مذکورہ تمام تفصیلات کے باوجود یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیخ حسین نے تقریباً چالیس سال کا ایک لمبا عرصہ شیخ مخدوم جہاں کی تربیت میں گزارا اس دوران مخدوم جہاں نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا ہو۔

شیخ حسین کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔آپ کی پہلی شادی کھیری بازید پور میں ہوئی جن سے دو صاحبزادے حضرت سلیمان بلخی اور حضرت سیف الدین بلخی تھے اور دوسری شادی آپ کے چھوٹے چچا شیخ قمر الدین بلخی کی صاحبزادی بی بی عروس سے ہوئی جن سے شیخ حسن دائم جشن بلخی فردوسی پیدا ہوئے جو اپنے والد کے بعد سجادہ نشیں ہوکر سلسلے کو آگے بڑھایا۔

شیخ حسین کے بارے میں آتا ہے کہ یہ اپنے مریدوں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے بیٹوں کا بھی امتحان لیا۔

جب کوئی مرید ہونے کی غرض سے آپ کے پاس آتا تو پہلے آپ اس کا امتحان لیتے اور امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ جو کوئی مرید ہونے کی غرض سے حاضر ہوتا اس کے پاس پانی وضو کے لیے اور روٹی کے ساتھ تھوڑی سبزی بھیج دیتے۔اگر وہ اتنے پر ہی قناعت کر کے وضو کر لیتا اور کھانا کھا لیتا تو اس کو خانقاہ میں رہنے کی اجازت دے دیتے اور جو اس پر قناعت نہیں کر پاتا اسے کہہ دیتے کہ یہ مسرف اس راہ کے لائق نہیں ہے۔

تصنیفات

میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو زبان عربی اور فارسی پر مہارت حاصل تھی اسی لیے آپ نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور عربی اور فارسی زبان میں بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائیں۔

شیخ حسین کا زیادہ تر وقت وعظ و نصیحت اور درس و تدریس میں گزرتا تھا اس لیے کہ یہ آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔اس کے لیے اسفار بھی کیا کرتے تھے،لیکن پھر بھی سفر وحضر حتیٰ کہ جہاں کہیں بھی موقع ملتا ان میں سے کچھ وقت تصنیف وتالیف کے لیے بھی نکال لیتے۔آپ نے جو کتابیں تصنیف کیں ہیں وہ سب دستیاب

نہیں ہیں اس وقت صرف اس کا نام باقی رہ گیا ہے۔ کچھ تو امتداد زمانہ کی وجہ سے خرد برد ہو چکے ہیں، اور کچھ خانقاہوں کی زینت ہیں۔ آپ نے مکتوبات وملفوظات اور، اوراد ووظائف کے لیے بھی کتابیں تصنیف کیں جو آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔مکتوبات:

مکتوبات کا یہ مجموعہ ۱۳۳ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ آپ کے یہ مکاتیب بالکل مخدوم الملک کے مکتوبات کے طرز پر لکھا ہے اور جس طرح سے شیخ شرف الدین منیری نے دعوے کی ہر دلیل قرآن وحدیث سے پیش کیا ہے ٹھیک شیخ حسین کا انداز بھی اسی نہج پر قائم ہے۔ لہٰذا یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یہ مکتوبات بھی قرآنی تفسیر، احادیث کی توضیح اور پند ونصیحت پر مبنی ہے۔ اس میں زیادہ تر جوابی مکتوبات شامل ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتوبات حسین کے متعلق لکھتے ہیں کہ شیخ حسین کی تصانیف بہت مشہور ہیں اور آپ نے شیخ شرف الدین قدس سرہ کے مکتوبات کی طرز پر لکھے ہیں اور حقائق ومعارف کے جوہر لٹائے ہیں۔

''اورا نیز مکتوبات ست برطرز مکتوبات شیخ بزرگ متضمن

اسرار توحید وباعث براختیار تجرید بزبانی لطیف وبیانی عجیب

جملہ از وی نقل کردہ می شود''۷۷؎

اس مکتوبات کے مرتب شیخ حسن دائم جشن بلخی ہیں جو آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔ اس میں صرف ۱۳۳ مکاتیب ہیں اس مکتوبات کا مخطوطہ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ بہار شریف کے کتب خانے میں موجود ہے۔ دیکھنے سے لگتا ہے کہ یہ نامکمل ہے کچھ مکاتیب ادھر ادھر ہو گئے ہیں اس کے کاتب اور سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

۲۔ملفوظات:

ڈاکٹر علی ارشد شرفی صاحب کے بقول گنج لاتخفیٰ کے نام سے آپ کا ایک بڑا ہی قیمتی ملفوظ ہے جس کے جامع آپ کے مرید وخلیفہ مولانا نعمت اللہ ہیں۔ اس ملفوظ میں کل ۷۵ مجلسیں ہیں۔ تاریخ فردوسیہ میں نقل ہے کہ گنج لاتخفیٰ مخدوم الملک کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے جامع شیخ حسین نوشہ توحید بلخی ہیں یہ سراسر غلط ہے۔

۳۔حضرات خمس:

یہ ایک عربی رسالہ ہے، اور حضرات خمس کے نام سے تجلی خداوند تعالیٰ کے موضوع پر ایک بہت ہی قیمتی اور معلوماتی رسالہ ہے۔ مصنف تاریخ سلسلہ فردوسیہ نے لکھا ہے کہ ''حضرات خمس'' کی شرح ''کاشف الاسرار'' کے نام سے آپ کے فرزند رشید مولانا شیخ حسن دائم جشن نے کیا ہے اس کتاب تک میری رسائی نہیں ہو سکی۔

۴۔رسالہ قضاوقدر:

یہ رسالہ مسئلہ قضاوقدر کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ یہ چند اوراق پر مشتمل ہے اس رسالے میں پانچ تمہید ہیں جن میں مسئلہ قضاوقدر پر گفتگو کی گئی ہے۔ مزید فرقۂ قدریہ و جبریہ اور مثنویہ کیسے وجود میں آئے، اس کا مدلل رد کرتے ہوئے جماعت اہلِ سنت کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ پانچوں تمہیدات اس طرح سے ہیں:

(۱) **التمهيد الاول فى بيان حقيقة الخير والبشر**

(۲) **التمهيد الثانى فى بيان الحكمة فى خلق الشر**

(۳) **التمهيد الثالث فى بيان اخراج الشر عن حد الرضا**

(۴) **التمهيد الرابع فى بيان اختيار العبد والافعال**

(۵) **التمهيد الخامس فى بيان حكمة الانقياد**

۵۔رسالہ توحید خاص:

یہ رسالہ ایک جوابی رسالہ ہے اور مختصر ہے، اس میں وحدۃ الوجود کے مسئلے پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

۶۔رسالہ اخص الخواص:

یہ رسالہ بھی مختصر ہے اور صرف آٹھ صفحات پر مشتمل قلمی رسالہ ہے اس کے نام سے ہی واضح ہو رہا ہے کہ یہ رسالہ خواص کے لیے لکھا گیا ہو۔ اس میں بھی مسئلہ وحدۃ الوجود کو ہی موضوع بنایا گیا ہے اور دلیلوں سے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے شروع کی عبارت یہ ہے:

''بدانکه نظما ونثراً نبشة آمد واين رساله اخص

الخواص نانهاده شد تا سالكان اله ومتصوفان

درگان متعبين دل مطالعه كنند حق تعالىٰ بفضل

اعـظـم مسبـب وصـول شـان گـردانـد بـمـنـد
و کرمہ۔''۸ے

۷۔رسالہ در بیان ہشت چیز:

یہ رسالہ بھی قلمی اور غیر مطبوعہ ہے اہلِ علم کے لیے بہت ہی معلوماتی ہیں۔

۸۔رسالہ وجود عالم وہدایت عالم:

یہ رسالہ بھی اپنے آپ میں بہت ہی کار آمد معلوماتی اور سلوک وتصوف پر مبنی ہے۔

۹۔رسالہ دراخلاق نبوی:

اس رسالہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۱۰۔اورادہ فصلی:

اوراد و وظائف اور ذکر واذکار کے لیے یہ مجموعہ بہت ہی مستند ہے۔ عام طور پر جو اوراد و وظائف کے مجموعے ملتے ہیں اس میں کسی دعاء کے بارے میں کسی معتبر کتابوں کا حوالہ درج نہیں ہوتا۔ اس کتاب میں اس کمی کو دور کر دیا گیا ہے۔ صاحب کتاب اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

> ''حمد ونعت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کے بعد یہ پتہ چلا کہ اوراد و وظائف کے سلسلے میں متاخرین نے جتنی خبریں دیں ہیں جس میں کثیر فضائل اور نایاب روایتیں ہیں ان میں کی اکثر سند مشہور اور متداول کتابوں میں جو کہ علماء اور محدثین کے درمیان شہرت رکھتی ہیں موجود نہیں ہیں۔''۹ے

صاحب کتاب نے ہر دعاء کو لکھنے کے بعد راوی کے نام کے ساتھ ساتھ معتبر کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۱۱۔دیوان شاعری

آپ کا غیر مطبوعہ ناتمام فارسی دیوان بھی ہے جو خانقاہ بلخیہ فردوسیہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ حسین بہترین شاعر بھی تھے۔اور شاعری میں اپنا تخلص حسین رکھتے تھے۔اس دیوان کے کاتب کا نام عبدالعلی شعیبی فردوسی ہے۔اسی دیوان سے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

ای صفای چہرۂ تو داد صوفی راصفا

سجدہ گاہ ابرویت محراب اہل اصطفا

زلف وعارض چوں ید بیضا ومار موسوی

خال وخطش چوں بلال ہمنشیں مصطفا

گہ دو لعلش بادہ گردد گہ خورد خون جگر

گہ دو چشمش دل نوازد گہ کند جو روجفا

یار زیبا گرزند خنجر بہ فرقم دم مکش

کاند ریں رہ شرط کار دوستی باشد وفا

گر حسین از تیغ ہجران کشتہ گردد باک نیست

ہر حسینی عاقبت دارد یزیدی درقفا

دوسری جگہ کہتے ہیں:

ماخودی را جملۂ توحید ناب افکندہ ایم

صورت تلبیس را از رخ نقاب افکندہ ایم

سیمرغ وارگوشہ وحدت گزیدہ ایم

بیرون زہر دو کون طلب آسیان ما

موسیٰ وشم زشاخ درخت وجود خود

درگوش جان ندای انا الحق مقرراست

از جزوکل ہر آنچہ تصور کند خیال

ہر زرہ ای زنور حقیقت مصور است

درکائنات ہرچہ بہ صورت مقید است

از مخزن وجود برین شکل آمدہ است

در معرفت مقام مدیدم ورای این

کیں صورت ومعانی یک ذات واحد است

من کہ درکنگرہ عشق تولا زدہ ام

سکہّ برعین دوعالم بہ تجلا زدہ ام

چوں بہ خلوت گہ صوفی بہ جز الابنود

غم الا نخورم زانکہ ہمہ رازدہ ام

بہ فلک گر علم جاہ بر آرم شاید

کہ زرارات شہی کوس تولاّ زدہ ام

آخری ایام اور وصال

شیخ حسین کے فرزند رشید حسن دائم جشن ہمیشہ اپنے والد کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔اوران سے دین ودنیا کے حوالے سے بہت کچھ حاصل کرتے رہتے تھے۔جب شیخ حسین مرض الموت میں گرفتار ہوئے اوراس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں تھا کہ اب قضا آنی ہے اوراسی حالت میں کئی دن گزر گئے تو ایک دن ہمت کر کے حسن دائم جشن نے کہا کہ ''ہم پر جو دینی اور دنیاوی مشکلات پیش آتی تھیں آپ کے سامنے پیش کر کے شکوک وشبہات دور کرلیا کرتے تھے۔اب حضور کی جدائی کا وقت قریب ہے اس کے بعد میرا کیا حشر ہوگا کس کے پاس جاؤں گا۔''

شیخ حسین نے اس کا علمی جواب عنایت فرمایا اور کہا:

''کیوں پریشان ہوتے ہو تمھیں معلوم نہیں کہ جو تصوف ایک شیخ کو دنیا میں حاصل ہوتا ہے اس عالم میں پہنچ کر دو چند ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں روح محبوس اور مقید ہے۔ فوراً بذات خود مشرق و مغرب میں نہیں جاسکتی، لیکن قالب سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتی ہے اور پلک مارتے ایک جہاں کا کام کر سکتی ہے۔ تم کو جو مشکلات پیش آئیں میری طرف توجہ کرنا اور شیخ مخدوم الملک سے عرض کرنا انشاء اللہ سب کام ہو جائے گا۔

آپ کا وصال ۲۴ر ذی الحجہ ۸۴۴ ہجری مطابق ۱۶ر مئی ۱۴۴۱ء منگل کے دن ظہر کے وقت ہوا اور آپ کا آستانہ مخدوم جہاں کے آستانے سے پچھّم کی طرف کچھ فاصلے پر موجود ہے اور وہ محلّہ اس وقت پہاڑ پور کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ ہر سال ۲۴ر ذی الحجہ کو بعد نماز عصر آپ کے مزار پر قل پڑھا جاتا ہے۔

حضرت شیخ حسن دائم جشن بلخی فردوسی

(م ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء)

شیخ حسن دائم بلخی خاندانِ بلخیہ کے تیسرے بزرگ ہیں جو اپنے والد شیخ حسین نوشہ توحید بلخی آستانہ خلافت پانے کے بعد شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے مسند سجادگی پر بیٹھے اور تقریباً گیارہ سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔آپ نے ظاہری اور باطنی ہرطرح کی تعلیمات اپنے والد محترم ہی سے حاصل کیا تھا۔اور آپ کا زیادہ تر وقت والد محترم کی خدمت میں ہی گزرتا تھا۔آپ اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔

آپ بچپن سے ہی سخی تھے اور آپ کے اندر فیاضی بہت تھی۔شیخ احمد مونس القلوب میں لکھتے ہیں کہ والد ماجد کے اندر ایثار کی صفت بے انتہا تھی جو کچھ بھی انہیں ملتا کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے، یہاں تک کہ حضرت مخدوم حسین جو کچھ بھی خرچ کے لیے دیتے تھے وہ بھی دو چار دن میں خرچ کر دیتے تھے۔ایک دن شیخ مخدوم حسین نے فرمایا:

> ''میاں حسن کو جو ہمت ہے اگر ساری دولت سمیٹ کر ان کے دے دی جائے تو وہ سب کو خرچ کر ڈالیں گے۔میاں صاحب کی سخاوت اور ہمت کا تو یہ حال ہے کہ اگر ہم ان کے حوالے کر دیئے جائیں تو یہ ہم کو بھی کسی کو بخش دیں۔''۸۰

مسند سجادگی کا عہدہ سنبھالنے کے بعد پیری مریدی کا سلسلہ چلتا رہا۔اور ہزاروں لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوکر سلسلہ فردوسیہ میں داخل ہوتے رہے لیکن ایک مرتبہ اچانک چند دنوں کے لیے بیعت وخلافت اور مقراض رانی کو ترک کر کے خود کو اِن چیزوں سے الگ کرلیا اور ذکر وفکر میں لگ گئے۔

شیخ احمد کے بقول جب بیعت وخلافت کو ترک کر دیا تو ایک رات خواب میں آپ کے والد ومرشد شیخ حسین کی زیارت ہوئی۔فرمایا کہ میرے کاروبار کو کیوں جاری نہیں رکھا؟ اس کے جواب میں آپ نے جو

جواب دیا ہے اس کے لیے مونس القلوب کی عبارت درج ذیل ہے:

''کہا کہ بیعت لیتے وقت میری نظر اپنے آپ پر گئی کہ جو خود آلودگی اور گندگی میں ڈوبا ہوا ہو، وہ دوسروں کا ہاتھ کیسے پکڑے اور دوسروں کو کیسے توبہ کرائے۔''۸۱

شیخ احمد فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار نے کہا کہ میرا جواب سن کر شیخ حسین نے اپنی آستین سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر میرے ہاتھ میں دیا۔ جب میں نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ سلسلہ فردوسیہ کے بزرگوں کا شجرہ تھا اور سبز روشنائی سے لکھا ہوا تھا۔ فرمایا پڑھو اور اپنا نام دیکھو چوبیس پیروں کے اوپر لکھا ہوا ہے۔ اگر اور بھی دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے پیچھے دیکھو۔ جب پیچھے کی طرف دیکھا تو حضرت مخدوم مولانا مظفر کھڑے ہیں، ان کے پیچھے حضرت مخدوم جہاں ہیں اور ان کے پیچھے خواجہ نجیب الدین فردوسی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم تک چلا گیا ہے۔۸۲

اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد شیخ حسین نے پھر اپنے صاحبزادے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، جس کی پیٹھ پر ایسے ایسے پیشوا ہوں اسے کیا پرواہ۔ جب صبح ہوئی اور آپ نیند سے بیدار ہوئے تو پھر سے بیعت لینے اور مقراض رانی وغیرہ کا کام شروع کر دیا۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں ان کے بارے میں شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید کو اولیاء میں وہی اعزاز حاصل ہے جو جبرئیل کو ملائکہ میں۔۸۳

آپ کی طرف ایک قول کو منسوب کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حالت وجد و کیف میں آپ نے کہہ دیا ''**سبحانی ما اعظم شانی**'' یعنی میں پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے۔ اس قول کے متعلق ایک مرتبہ ایک شخص نے شیخ حسن سے سوال کیا کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ ''**سبحانی ما اعظم شانی**'' کہتے تھے اور جب انتقال کا وقت آیا تو ثابت ہوئے اور کہنے لگے: **ان قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فانا للیوم مجوسی اقطع زاری واقول اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** یعنی اگر میں نے کسی دن ''**ما اعظم شانی**'' کہا تو آج میں مجوسی ہوں۔ اب میں اپنے زنار کو توڑتا ہوں اور **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ** کہتا ہوں۔ یہ تو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف لوٹنا ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں شیخ حسن نے جواب دیا کہ یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آنا نہیں بلکہ یہ اعلیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے کیونکہ اس سے پہلے **سبحانی ما اعظم شانی** کہہ کر پا کی کی اضافت اپنی ہی طرف کرتے تھے اور اس پا کی کو خود اپنے ہی اندر دیکھتے اور پاتے تھے۔ جب سب میں یہ دیکھا تو اس فرق سے توبہ کی، اب توحید مقید سے توحید مطلق میں آ گئے اور کہنے لگے: **ان قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فانا الیوم مجوسی... الی آخرہ۔**۸۴

تصنیفات

شیخ حسن دائم کی چند تصنیفات بھی ملتی ہیں مثلاً

☆ **کاشف الاسرار**

یہ اصل میں شیخ حسین نوشہ توحید بلخی کی عربی تصنیف ''حضرات خمس'' کی شرح ہے جس میں آپ نے اپنی قابلیت کے جوہر بکھیرے ہیں۔ یہ شرح فارسی میں ہے۔ کاشف الاسرار میں ایک جگہ انسان کے سات اعضاء کو سات دروازوں سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو لوگ اپنے ان ساتوں اعضاء پر قابو پالے گئے ان کے لیے وہ دروازے جنت کے سات دروازے کی طرح ہو جائیں گے اور اگر اپنے ان سات اعضاء پر قابو نہ کر سکے اور بھٹکتے رہے تو یاد رکھو کہ وہی دروازے جہنم کے سات دروازے ثابت ہو جائیں گے۔۸۵

☆ لطائف المعانی

اس میں توحید کے معانی اور اسرار و رموز سے بحث کی گئی ہے۔

ایک مرتبہ قاضی شہ بن خطاب بہاری نے شیخ احمد لنگر سے پوچھا کہ شیخ حسن قدس اللہ سرہ العزیز کے مزار سے متعلق سوال کیا کہ کیا شیخ حسن نے اپنی تدفین کی جگہ کے متعلق اپنی حیات ہی میں وصیت کر دی تھی؟ کیوں کہ شیخ حسن کا مزار شیخ حسین کے مزار کی پائنتی میں ہے۔ اس کے بارے میں اور آپ کے وصال کے آخری ایام کے متعلق شیخ احمد لنگر بلخی نے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:

> ''اس کا معاملہ یہ ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ علیل ہو گئیں اور ان کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی۔ ایک روز حضرت والد بزرگوار جو کئی دنوں سے پہاڑی کے اوپر تشریف فرما تھے جب

وہاں سے آئے تو دیکھا کہ میں، میرے بھائی بہن اور سب لوگ حضرت والدہ محترمہ کے پلنگ کے چاروں طرف بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ حضرت والد بزرگوار نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ کا دل بہت مضطرب اور بے چین ہوگیا، اور فرمایا: میں ان بچوں کی بے مادری نہیں دیکھ سکتا۔ میرا ہاتھ پکڑا اور یہاں آگئے اور مخدوم شیخ حسین کے پائینتی میں سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور جہاں پر آپ کا مزار شریف ہے، اپنے دست مبارک سے اس جگہ کی نشاندہی کر دی۔ والدہ صاحبہ پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ میری جگہ میری آپ کی پائینتی میں ہے۔ حضرت والد صاحب کو وہیں بخار آنے لگا، اتنا تیز ہوگیا کہ گھر آنا مشکل ہونے لگا، آخر ڈلہ کر کے کسی بھی طرح گھر لایا گیا۔''[۸۶]

اپنے والد کے مزار سے جب گھر آئے تو طبیعت میں کوئی بہتری نہ ہو پائی اور مسلسل بیماری کی وجہ سے بہت ہی کمزور ہو گئے اور بالآخر گھر آنے کے دو تین دن کے بعد ۲۱ر شعبان ۸۵۵ھ بمطابق ۱۸ر ستمبر ۱۴۵۱ء بروز سنیچر مخدوم شیخ حسن کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی تاریخ وصال ''بوئے گل بہار شرف'' سے نکلتی ہے اور ''ذریعہ دولت'' میں سن وفات کو اس طرح سے کہا گیا ہے

گزیدہ از غم خواجہ حسن سر انگشت

بگفت طبع کہ وے گل بہار شرف

۸۵۵ھ

آپ کا انتقال والدہ ماجدہ سے پہلے ہوگیا لیکن اسی سال اور اسی ماہ صرف آٹھ دن بعد ۲۹ر شعبان ۸۵۵ھ بمطابق ۲۶ر ستمبر ۱۴۵۱ء بروز اتوار، والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسی

(۱۴۲۳ھ مطابق ۱۴۸۶ء)

نام شیخ احمد، کنیت ابی القاسم اور لقب برہان الدین۔آپ حضرت حسن دائم جشن بلخی کے صاحبزادے ہیں اور شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے چوتھے سجادہ نشیں ہوئے۔آپ کی ولادت شب ۲۷؍رمضان المبارک ۸۲۶ھ بمطابق ۵؍ستمبر ۱۴۲۳ء بروز جمعرات کو ہوئی تھی۔بچپن سے متعلق معلومات کا پتہ نہیں چلتا ہے۔مختصر یہ کہ گاہے بگاہے آپ کے والد حضرت حسن دائم نے جو بھی واقعات آپ کے بچپن کے متعلق بتائے ہیں اس کو خود شیخ نے اپنے ملفوظات مونس القلوب میں نقل فرمادیا ہے۔

آپ کی ولادت کے وقت آپ کے دادا حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی نے چند عبارت عربی میں بطور یادداشت کے لیے لکھ دیا تھا جس کو ایک عرصے بعد آپ نے خود ہی اپنے ملفوظات مونس القلوب میں نقل کروادیا۔آپ کہتے ہیں کہ میرا ولادت نامہ حضرت مخدوم شیخ حسین نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمایا تھا:

ولو الولد الاعز المسمیٰ شیخ احمد بن حسن المقلب برهان الدین الکنی بابی القاسم انبته اللّٰه نباتاً حسناً فی لیلة سبع وعشرین من شهر المبارک رمضان عمت شاله فی سنة ست وعشرین ثمان مائة اللهم اجعله من احبائه وسلمه من الاسواء وافعل بنا وبه ما انت له اهل ولا نفعل بناوبه ما ونحن اهله یا مولانا برحمتک یا ارحم الراحیمین. [۸۷]

بہت معز زلڑکے کی پیدائش ہوئی ہے اس کا نام شیخ احمد بن حسن ہے۔برہان الدین لقب اور ابی القاسم کنیت ہے۔اللہ تعالیٰ نے شب ستائیس رمضان المبارک ۸۲۶ میں بہت اچھے طریقے پر اسے پیدا کیا۔اللہ تعالیٰ اس کو اپنے محبوبوں میں شامل کرے اور ہر خرابی سے اس کو محفوظ رکھ۔میرے اور اس کے ساتھ وہی کریں جس کے اہل ہیں، اور میرے اور اس کے ساتھ وہ نہ

کریں جس کے ہم دونوں اہل نہیں۔اے مولا اور اے ارحمٰن الرحمین۔اپنی

رحمت کے صدقے میں رحم فرما۔''

آپ نے خود فرمایا کہ جب میری ولادت کا وقت قریب آیا اور والدہ محترمہ کو دردزہ شروع ہوا، اس وقت حضرت مخدوم حسین دادی صاحبہ کے ساتھ تشریف لائے اور اسی حال میں ڈولہ کر کے میری والدہ محترمہ کو اپنے گھر لے گئے اپنی ہی گھر میں میری ولادت کروائی اور فرمایا''یہ میرا بیٹا ہے، میرے گھر میں آج خواجہ جنید آئے ہیں۔''۸۸؎

مونس القلوب سے پتہ چلتا ہے کہ پیدائش کے بعد احمد لنگر دریا بلخی کی آنکھیں تقریباً چالیس دن تک مسلسل بند رہیں۔گھر کے سارے افراد بہت پریشان ہوئے کہ آخر کیوں آنکھ نہیں کھول رہے ہیں۔حضرت شیخ مخدوم حسین روزانہ نماز چاشت پڑھ کر تشریف لاتے اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیتے اور لوگوں کو تشفی دیتے کہ ٹھیک ہو جائے گا۔اور یہ عمل چالیس روز تک مسلسل کرتے رہے آخر کار چالیسویں دن جب آنکھیں کھلیں تو سب سے پہلے اپنے دادا شیخ حسین نوشہ توحید بلخی کے چہرے کو دیکھا۔شیخ احمد اپنے دادا کی صحبت میں تربیت پانے لگے۔

آپ کے دادا بارہا فرماتے''مجھے امید ہے کہ میرے نام سے فاتحہ پڑھا کرو گے اور میری ٹوٹی پھوٹی دیوار پر چھاپہ ڈالدو گے۔۸۹؎

شیخ احمد اپنے دادا شیخ حسین سے علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی، دوران حصولِ تعلیم آپ کے دادا نے آپ کو بے حد قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔شیخ احمد کہتے ہیں کہ میں اپنے جد امجد حضرت حسین نوشہ توحید بلخی کی خدمت میں تھا کہ انھوں نے ایک دفعہ بڑی محبت اور شفقت بھرے انداز میں میری طرف دیکھا اور فرمایا:

''احمد ہم تو کچھ نہ ہوئے لیکن تم اگر محنت سے پڑھو اور معرفت حاصل کرو تو

کچھ ہو جاؤ گے، تم سے ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا نام رہے گا۔''۹۰؎

آپ کے جد امجد نے آپ سے کئی مرتبہ فرمایا کہ تھوڑی بھی استعداد پیدا کر لو تا کہ میری بات سمجھ میں آنے

لگےاس کے بعد تو پھر میرا کام ہے۔آپ کے اندر جب تھوڑی بہت استعداد پیدا ہوگئی تو آپ کے دادا نے حکم دیا کہ ''عقیدہ'' پڑھ لو، علالت کے باوجود عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نصفی'' مولانا مظفر کی تحریر کردہ تشریح کے ساتھ پڑھائی اور دعاؤں سے نوازا۔۹۱

ایسا لگتا ہے کہ شیخ احمد کی مکمل تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور آپ کے والد اور جد امجد شیخ حسین استاذ ہونے کا فرض نبھاتے ہوئے خونِ جگر سے آپ کو سینچا اور اعلیٰ مقام تک پہونچایا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کبھی مدرسہ نہیں گئے۔اس کے باوجود عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل کرلیا تھا اور اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔

آپ کے نام کے آخر میں ''لنگر دریا'' لکھنے کی وجہ اس واقعہ میں پنہاں ہے جس کو شیخ احمد لنگر دریا بلخی نے مونس القلوب میں سفر مکہ کے دوران جو خطرہ لاحق ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

> ''جب میں مکہ کے سفر پر تھا اور میرا جہاز عتبہ جابر کے مقام پر ڈوبنے لگا، اس وقت لوگوں کے اضطراب اور بے چینی کا یہ عالم ہوا کہ ایک دوسرے پر گرنے لگے، یہاں تک کہ لوگ میرے کاندھے پر چڑھ گئے، ایک دو روز اسی حال میں گزر گیا۔ کسی کو کھانا پینا اور پیشاب پاخانہ بھی یاد نہ رہا ایک عجیب اور وحشت کا ماحول ہوگیا۔ اسی حال میں میری بیٹی بی بی فاطمہ کو نیند آ گئی (اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاید مع اہل وعیال سفر میں تھے) اس نے خواب میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کو دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں فکر نہ کرو جہاز کو میں نکال دوں گا۔''۹۲

مزید آگے لکھتے ہیں:

> ''اللہ نے میری خواہش پوری کی اور اپنے عام کرم اور قدیم شفقت کے ذریعے ہر ایک کو اس طوفان سے نجات مل گئی۔''۹۳

شاید اسی واقعہ کے بعد سے ہی آپ کا خطاب ''لنگر دریا'' پڑ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمد لنگر دریا بلخی سماع میں موسیقی کو پسند کرتے تھے۔ ساتھ ہی اگر کوئی یونہی درمیان سماع رقص کرنے لگتا تو اس کی اصلاح بھی فرماتے تھے۔ ذریعہ دولت کے حوالے سے تاریخ فردوسیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن سماع ہو رہا تھا اور شیخ احمد بھی اس مجلس میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص اٹھا (رقص کرنے کے لیے) آپ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا:

''رقص کرنا، تالیاں بجانا، پاکوبی کرنا اور آستین جھاڑنا اس وقت تک بے معنی اور فعلِ عبث ہے جب تک کہ کوئی ایسا کرنے سے پہلے اپنی خودی نفسانیت، کبر و حسد اور مال و دولت پر لات نہ مارے پھر یہ شعر پڑھا۔'' ۹۴

رقص وقتے مسلّمت باشد　کاستین بر دو عالم افشانی

ارغنون کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ارغنون ایک ساز ہے، جب بوڑھے اور جوان قوال ساٹھ ستر کی تعداد میں جمع ہوتے، وہ ساز ایک ساتھ بجاتے تو اس وقت نہ ہوش باقی رہتا اور نہ عقل کام کرتی۔ اسی ساز کو ارغنون کہا جاتا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

عجب نہ بود کہ باآواز بصبح نالۂ عالم
اگر درگوش ایں مطرب نوائے ارغنون افتند ۹۵

ترجمہ: صبح کا وقت ہو، نالۂ وفریاد کی آواز آ رہی ہو اور اس وقت ارغنون کی آواز اگر کانوں میں آ جائے تو پھر اس وقت کے عالَم کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

آپ کی خانقاہ کا مشہور قوال تھا جس کا نام تھا ''پیارا کمانچی'' اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا اللہ کا کمال اور اس کی شان ہے کہ جس نے سوکھی ہوئی لکڑی سے ایسی آواز نکال دیتا ہے، جس کو خود بجانے والا بھی نہیں جانتا کہ یہ آواز کہاں سے نکل رہی ہے اور اس آواز کی حقیقت کیا ہے۔ پیارا کمانچی بھی وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا: جی ہاں حضور! بجانے والا تو بس اتنا ہی جانتا ہے کہ جب اس طرح ہاتھ چلائے گا تو ایسی آواز نکلے گی اس کے علاوہ اور کوئی معلومات اس کو نہیں ہوئی۔

شیخ احمد کو شیخ شرف الدین منیری سے بے انتہا محبت تھی اور ہمیشہ آپ حضرت مخدوم سے استفادہ کیا کرتے

تھے جب کبھی آپ کو کسی بھی طرح کی دقت پیش آتی تو مخدوم جہاں کے آستانے پر جا کر عرض گزار ہوتے اور مسئلے کا تصفیہ ہو جاتا تھا۔ آپ کی شیخ شرف الدین منیری سے عقیدت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم لوگوں کو شیخ شرف الحق والدین کے غلاموں میں شامل کیا۔ پھر فرمایا کہ تمام مسلمانوں پر اللہ کے پانچ شکر واجب ہے۔ مثلاً:

۱۔ پہلا شکر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا۔

۲۔ دوسرا شکر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے جاندار بنایا جمادات نہیں۔

۳۔ تیسرا شکر اس بات کا کہ حیوانوں میں انسان بنایا۔

۴۔ چوتھا شکر اس بات کا کہ اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔

۵۔ پانچواں شکر اس بات کا کہ افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا۔

پانچوں شکر بتانے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ پر چھٹا شکر بھی واجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے ہم سب کو حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے غلاموں میں شمار کرایا۔

تصنیفات

آپ کی چند کتابیں بھی ہیں جو دستیاب ہیں۔ مثلاً:

مونس القلوب

یہ ایک ملفوظ ہے جو فارسی زبان میں ہے اس کے جامع حضرت قاضی شہ بن خطاب بہاری ہیں۔ مناقبت الاصفیاء مصنف حضرت شیخ شعیب کے بعد یہی وہ دوسری مستند کتاب ہے جس میں فردوسی بزرگوں کا تذکرہ ملتا ہے اوران کی خدمات کا پتا چلتا ہے، اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو یہ کتاب فردوسی مشائخ کے تذکروں کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

گنج لاتخفی

یہ کتاب تصوف میں ہے، جس میں شیخ احمد نے تصوف کے دقیق مسائل پر گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ۔

دیوان اشعار فارسی

آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو فارسی میں ہے اور مطبع حنفیہ پٹنہ سے چھپ چکا ہے۔ اس دیوان میں ۹۸ غزل، ۴ مثنوی، ۱۷ قطعہ جو مفردات پر مشتمل ہے اور ۲۸ بیت شامل ہیں۔

اس دیوان کا آغاز حمد ونعت کے طویل نظم سے ہوئی ہے۔ دیوان کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ شیخ احمد فارسی کے بڑے استاذ تھے۔ برق صاحب کے بقول شیخ احمد لنگر دریا کی تصوف اور شاعری میں وہی حیثیت تھی جو نویں ہجری میں حضرت عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ء۱۴۱۴-۱۴۹۲) کا ان کے معاصر میں تھا۔ شیخ احمد نے چند ایسی غزلیں بھی رقم کی ہیں جو بالکل حضرت جامی کے طرز پر ہیں۔ حضرت جامی آپ کے معاصر میں سے تھے اور لگتا ہے کہ اس زمانے میں دیوان جامی، بہار پہنچ چکی تھی جو آپ کے پاس موجود تھی۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب آپ حج کے بعد واپسی میں ایران ہوکر لوٹے ہوں اور ایران میں حضرت عبدالرحمٰن جامی سے ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے آپ کی جلالت علم اور قابلیت کو دیکھ کر اپنا دیوان پیش کیا ہو، لیکن یہ صرف اندازے سے ہی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کی کوئی بھی معلومات کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

مثال کے طور مولانا جامی کی غزل کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

فردا کہ دوست کشتۂ خود راند کند
خیز د زخاک وبار دگر جان فدا کند
شد رومی دوست قبلۂ ماکو امام شہر
تادر نماز خویش بہ ما اقتدا کند
بس پیر سال خوردہ کہ چو طفل خرد سال
در مکتب تو لوح محبت ہجا کند
حاشا کہ من لباس سلامت کشم بہ دوش
گر عشق از پلاس ملامت ردا کند
مسکین فقیر می کند انکار و بد دوست

با اوبگو کہ دیدۂ جان راجلا کند۹۶

شیخ احمد لنگر کے غزل کے چند اشعار:

گر یاد ہیچ پردہ زروی توا کند

ہر دم ہزار لطف برین ہی نوا کند

چشم تو نیم ہست اگر تیغ برکشید

چہ فتنہ ہا کہ برسر مردم فضا کند

اغنی کہ ہر کرشمہ بہ سازی تو کارہا

گر بخت یار گرد دو بامن صفا کند

دریاد برداز سر زلف تو نکہتی

بس طعنہ ہا کہ برسر مشکِ خطا کند

من با رقیب تو بہ مدارات جان دہم

لیک او برین حقیر مواسا کجا کند۹۶

مولانا جامی کے غزل کے چند اشعار:

خانمان گر گست ویران لشکر کز اقبال عشق

برسر کوی بلاداریم محنت خانہ ای

بید لان رانست رہ درعشرت آباد اصول

بعد از ایں ما وفراق وگوشۂ ویران ای

احمد لنگر دریا بلخی:

خانمان کردم خراب ازعشقت ای زیبابسر

می روم بی جان ودل اندرچی جانانہ ای

سرنتا بد از کمند زلف تو احمد ز جود

گرچہ رانی برسر او ارّہ ہمچون شانہ ای

حضرت شیخ احمد کے دیویان میں حضرت حافظ شیرازی کے لکھے گئے طرز پر بھی اشعار ملتے ہیں جس سے آپ کی صلاحیت وقابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔حالانکہ حافظ شیرازی آپ سے بہت پہلے کے ہیں حافظ شیرازی کا عہد ۷۲۶۔۷۹۲/ ۱۳۲۵۔۱۳۹۰ء تک ہے۔لگتا ہے کہ دیوان حافظ شیرازی بھی اس وقت آپ کو دستیاب ہو چکی تھی چند اشعار درج ذیل ہیں:

حافظ:

آنکس کہ بہ دست جام دارد
سلطانی جسم مدام دارد
آبی کہ خضر حیات از ویافت
در میکدہ جو کہ جام دارد
سر رشتۂ جم بہ جام بگدار
کاین رشتہ از و نظام دارد
بیرون زلب تو ساقیا نیست
در دور کسی کہ کام دارد

شیخ احمد لنگر دریا

آن کس کہ بہ دست جام دارد
اسباب خوشی مدام دارد
آزاد دلی زننگ از نام
سلطان جہاں غلام دارد
ہر دل کہ ہوای اور گزیند

نی ننگ کسی نہ نام دارد

در شوخی و دلبری و مستی

چشمش ہنری تمام دارد

مردہ بہ خدا کہ زندہ گردد

عینی صفت اور کلام دارد

اس کے علاوہ آپ نے حضرت سعدی سیرازی کے وزن پر بھی اشعار لکھے ہیں جو بیش قیمت ہیں۔ آپ کا وصال ۱۹؍رمضان المبارک ۸۹۱ھ بمطابق ۲۰؍ستمبر ۱۴۸۶ء کو ہوا۔ تاریخ وصال ''ہوائے طبیعت بوئے گل بہار شرف'' سے نکلتا ہے اور تاریخ وصال پر ایک قطعہ بھی ہے۔

چو شیخ احمد بلخی کہ بود منبع فیض

بہ خلد رفت شدہ سال رحلتش فیاد

۸۹۱ھ

دوسرا قطعہ

بہ باغ خلد خرامید احمد بلخی

کہ بود بر سخنش ناقۂ تتار شرف

پرید بوز کلامم چو سال برخوندم

ہواء طیت بوئے گل بہار شرف ۸۹۱ھ ۱۴۸۶ء

خاندانِ بلخیہ

سلطان سید شمس الدین بلخی

مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی | حضرت قمر الدین شمسی بلخی | حضرت معز الدین شمس بلخی

بی بی عروسہ

از ہمسرہ نخستیں | حضرت حسین نوشہ توحید بلخی

از ہمسرہ دوم

حضرت حسین جشن دائم بلخی

حضرت احمد لنگر دریا بلخی

حضرت ابراہیم سلطان بلخی

سید سلمان بلخی | سید سیف الدین بلخی

حضرت ابراہیم سلطان بلخی فردوسی

۸۹۱-۹۱۴ھ بمطابق ۱۴۸۶-۱۵۰۸ء

حضرت ابراہیم سلطان بلخی، حضرت احمد لنگر دریا بلخی کے صاحبزادے اور خلیفہ مجاز تھے اور شیخ شرف الدین منیری کے پانچویں سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل بھی اپنے والد محترم ہی سے کی۔ بڑے ہوکر اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کر کے حضرت مخدوم الملک کے پانچویں سجادہ نشین مقرر ہوئے اور اس مسند سجادگی پر تقریباً ۲۲ سال کا لمبا عرصہ گزارا۔

آپ کی ولادت سنہ ۸۹۱ھ بمطابق ۱۴۸۴ء میں ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں کا مالک بنایا تھا۔ خاندان بلخیہ کے فردوسی مشائخ کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ فردوسیہ کے تاریخ وفات کو ایک قطعہ کے اندر پیش کر دیتے تھے۔ صاحب تاریخ فردوسیہ لکھتے ہیں:

> ''ان بلخی خاندان کے فردوسی مشائخ کے اندر قطعہ وفات کے لکھنے میں، لکھنے والے نے بڑا وصف یہ پیدا کر دیا ہے کہ ذرا ذرا سی بامعنی اور برمحل اضافت کے بڑھا دینے سے تاریخ رحلت نکال لیا ہے۔''[۹۷]

مثال کے طور پر مولانا مخدوم مظفر بلخی کا سنہ وفات ''بہار شرف'' سے نکالا ہے اور جب شیخ حسین کا سنہ وفات نکالنا ہوا تو صرف لفظ ''گل'' بڑھا کر ''گل بہار شرف'' کر دیا اسی طرح شیخ حسن ابن شیخ حسین کے سنہ وفات نکالا تو شروع میں صرف ''بوئے'' کا اضافہ کر کے ''بوئے بہار شرف'' کر دیا۔ اس سلسلہ کی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے جب مخدوم ابراہیم سلطان بلخی فردوسی کا تاریخ وفات نکالنا ہوا تو صرف ابتدا میں لفظ ''موج بادیہ'' بڑھا کر موج بادیہ بوئے گل بہار شرف'' کر دیا گیا۔

آپ کی علمی قابلیتوں کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ آپ کی کوئی تصنیف بھی ہوگی لیکن بہت تلاش کے باوجود آپ کی کوئی بھی تصنیف نظر سے نہیں گزری اور نہ تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس کا کہیں تذکرہ کیا

ہے۔کر کیا ہے اس لیے بہت زیادہ معلومات آپ کے متعلق نہ مل سکا۔آپ سے سلسلۂ فردوسیہ کی کئی شاخیں نکلیں اور اطراف میں پھیلیں۔

آپ کا وصال بھی اسی سنہ میں ہوا جس میں آپ کے والد ماجد کا ہوا تھا یعنی ۱۹ر رمضان ۹۱۴ھ آپ کا سنہ وصال مندرجہ ذیل قطعہ سے نکلتا ہے:

بہ سال رحلت مخدوم شیخ ابراہیم
کہ بود فقر و فنارا از وشعار شرف
بہ صبح صدق صد اخیر شد نسیم نفس
کہ موج بادیہ بوئے گل بہار شرف ۹۱۴ھ

حافظ درویش بلخی فردوسی
اورعہدۂ سجادگی کی منتقلی

شیخ حافظ درویش بلخی فردوسی حضرت ابراہیم سلطان کے صاحبزادے اور خلیفہ ہیں۔آپ شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے چھٹے سجادہ نشیں ہوئے۔آپ کے ابتدائی اور نہ بعد کے زمانے کے حالات کا پتہ چلتا ہے لیکن آپ نے ایک ایسا کام کیا جو آپ کے پیشروں کی قسمت میں نہیں تھا۔شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے سجادہ نشین اب تک خاندان بلخیہ سے بنتے آرہے تھےان کا کسی بھی طرح سے شیخ شرف الدین منیری سے نسبی تعلق نہیں تھا۔

شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری ایک باعمل صوفی بزرگ تھے اور کثیر الکتب بزرگوں میں آپ کا نام سرفہرست رہتا ہے۔آپ اپنے بعد مسند سجادگی پر اپنے بیٹے شیخ ذکی الدین کو نہ بٹھا کر مولانا مظفر بلخی کے حق میں نصیحت کی تھی۔شیخ شرف الدین منیری کے وصال کے وقت مولانا مظفر موجود نہ تھے وہ عدن میں تھے، جب وہاں سے بہار شریف آئے تو نصیحت کے مطابق مخدوم الملک کی خانقاہ کے پہلے سجادہ بنے۔مولانا مظفر چونکہ بلخی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اِن کے بعد تسلسل کے ساتھ چھ سجادہ نشیں بلخی خاندان ہی سے ہوئے۔اور خاندان بلخیہ میں یہ سلسلہ فردوسیہ تقریباً ایک سوتیس سال تک چلتا رہا۔اس کے بعد جب شیخ حافظ درویش بلخی فردوسی سجادہ بنے تو آپ ہی نے اپنے عہد سجادگی میں شیخ شرف الدین منیری کے خانوادے کے ایک صوفی بزرگ شاہ بھیکا کو جو خانوادۂ مخدوم جہاں سے تھے از راہ محبت وعقیدت مسند سجادگی پر بیٹھا کر خود سجادگی سے الگ ہوگئے۔خاندانی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ بھیکھ اس وقت بڑی درگاہ (مخدوم جہاں کی درگاہ، بڑی درگاہ کے نام سے مشہور ہے) بہار شریف میں اپنی صحت وتندرستی کے لیے قیام پذیر تھے۔تاریخ فردوسیہ کے مطابق بعض لوگوں کے بقول اور بعض تذکروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ بھیکا کو احتراق کا مرض

لاحق ہوگیا تھا، اور وہ اس بیماری سے چھٹکارا پاکر صحت یات ہونے کی غرض سے شیخ شرف الدین منیری کے آستانے پر حاضر ہوئے تھے۔ بعد میں یہ مرض آپ سے دور بھی ہوگیا۔ خانوادۂ مخدوم الملک میں ہونے کی وجہ سے سارے لوگ آپ کا بہت ہی ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ شیخ حافظ درویش بلخی بھی آپ کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا کرتے اور ادب کرتے تھے۔ شاہ بھیکھ کے بعد سے عہدۂ سجادگی، خانوادۂ شیخ شرف الدین منیری میں چلی آرہی ہے۔

حضرت شاہ محمد بھیکھ، شیخ امام الدین کے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت شاہ بصیر الدین نور شامی سے بیعت تھے اور وہ حضرت شاہ صدر الدین رضا سے ان کو مولانا نصیر الدین سمنانی سے اور ان کو مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے۔ گویا چوتھی سیڑھی میں جا کر شاہ بھیکھ کا سلسلۂ بیعت شیخ شرف الدین منیری سے جا ملتا ہے۔

آپ کی کوئی تصنیف دستیاب نہ ہوسکی۔

حضرت شاہ امین احمد فردوسی

۱۲۸۷-۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳-۱۸۷۰ء

حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی، حضرت شاہ امیر الدین فردوسی کے فرزندار تھے آپ اپنے والد ماجد کے بعد شیخ شرف الدین منیری کی خانقاہ کے ۲۳ویں سجادہ نشیں ہوئے اور تقریباً آپ نے ۳۴ سال کے لمبے عرصے تک خانقاہ معظم میں اپنی خدمات انجام دیں اور فرائض کی ذمہ داریوں کو نبھانے میں اہم رول ادا کیا۔

آپ کی ولادت ۲۳/رجب ۱۲۴۸ھ بروز سموار کو شب میں ہوئی۔ آپ کا نام امین احمد تھا لیکن آپ کے والد محترم محبت میں آپ کو ''جی میاں'' کہہ کر پکارتے تھے اور آپ کے مریدان وعقیدت مند ''جناب حضور'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ سلسلہ فردوسیہ میں آپ پہلے شخص ہیں جن کو ہر خاص وعام نے ''جناب حضور'' کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں اور یہ سلسلہ بہ ایں جاں رسید کہ جو بھی خانقاہ معظم کا سجادہ نشیں بنیں گے ان کو ہمیشہ کے لیے ''جناب حضور'' سے ہی پکارا جائے گا۔ اور آج بھی موجودہ سجادہ نشیں سید سیف الدین فردوسی کو ''جناب حضور'' ہی کہ کر پکارا جاتا ہے۔

صاحب شرفاء کی نگری لکھتے ہیں کہ'' آپ کا نسب حضرت سید وحید الدین چلہ کش مشہدی رضوی کے واسطے سے حضرت امام علی موسی رضا علیہ السلام اور مادری نسبت شیخ شرف الدین منیری سے ہو کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہم عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا ہے۔ یعنی آپ مادری اور پدری دونوں طرف سے سید ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کے لیے باضابطہ ملک مولوی عنایت حسین مرحوم ساکن موضع بھنڈاری ضلع پٹنہ مقرر کیے گئے۔ آپ انھیں سے عربی زبان کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جب آپ کی ابتدائی تعلیم مکمل ہوگئی تو پھر حضرت مولانا حاجی سید وزیر الدین ساکن موضع سیدی ضلع پٹنہ کو تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا جو اپنے آپ میں علم کے سمندر تھے اور علوم ظاہر و باطن پر کمال کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان سے آپ نے فقہ، اصول وغیرہ پڑھیں۔

ان کے علاوہ مولانا محمد موسیٰ ملتانی خلیفہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی چشتی فخری سے بھی تعلیم حاصل کی جو اُن دنوں سہسرام کے مدرسہ میں مدرس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔فن منطق اور فلسفہ میں مہارت حاصل تھی۔ایک لمبے عرصے تک مولانا موسیٰ ملتانی سے کسب علم حاصل کرتے رہے۔تاریخ فردوسیہ کے مطابق بیس اکیس سال کی عمر میں آپ کو علوم ظاہری سے فراغت حاصل ہوگئی چونکہ آپ بڑے زہین تھے۔اس عہد میں علم طب کی بھی چند کتابیں آپ نے پڑھ لی تھیں۔اس کے علاوہ شعروشاعری کا شغف شروع ہی سے آپ کے اندر تھا۔ذہین اتنے کہ اساتذہ تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔حیات ثبات کے حوالے سے تاریخ فردوسیہ میں لکھا ہے کہ مولانا سید حاجی وزیرالدین فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں امین احمد کو پڑھاتا نہیں تھا بلکہ خود پڑھتا تھا۔ہدایہ پڑھانے میں شب کو میں کتاب دیکھ لیا کرتا تھا پھر بھی پڑھنے کے وقت یہ ایسے ایسے ذہانت کے سوالات اور نکات نکالا کرتے تھے کہ میں متحیر ہوجاتا تھا۔'' ۹۹

شاہ امین احمد شاندار کاتب بھی تھے شاندار کاتب بھی تھے۔خط نسخ اور نستعلیق دونوں میں ان کو مہارت حاصل تھی۔ان کا معمول تھا کہ جب کبھی اپنے رشتہ داروں یا مریدوں کو خط لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو خود اپنے ہاتھوں سے لکھا کرتے تھے۔

شاہ امین احمد کو والد محترم کی طرف سے بہت ساری جائیدادیں ملی تھیں۔آپ کی دو شادی ہوئی تھیں۔پہلی شادی راجہ بہادر علی خان مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تھی جہاں سے پچاس ہزار سے زیادہ کی سالانہ آمدنی ملتی تھی ،لیکن کبھی آپ نے اس مال ودولت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ یہ مال ودولت آپ کو کبھی غافل کرسکا۔شاہ امین کے وقت میں مال ودولت کی بہت زیادہ فراوانی تھی۔آپ بہت زیادہ سخی تھے اسی لیے کب کہیں سے دولت آتی اسے فوراً غربا میں تقسیم کردیا جاتا تھا،مال ودولت اس کثرت سے غربا ومساکین اور ضرورت مندروں میں تقسیم کردیا کہ آپ کے آخری وقت تک پہنچتے پہنچتے بہت کم رہ گیا تھا۔صاحب تاریخ فردوسیہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''دولت اور تنگدستی دونوں ان سے مغلوب رہی۔ قالین اور بوریا میں کوئی تمیز نہیں رکھا۔ قیمتی اور معمولی دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے لیکن دونوں کا فرق ان کے یہاں مفقود تھا۔''۱۰۰؎

علوم ظاہری کے حصول کی خاطر جو مناسب انتظام ہوسکتا تھا وہ سب کیا گیا لیکن علوم باطنی میں خود آپ کے والد محترم نے خوب رہنمائی کی اور پوری توجہ کے ساتھ راہ سلوک طے کراتے رہے۔ اس کے بعد والد محترم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت سید جمال علی بلخی فردوسی شعیبی کے ہاتھ پر سلسلہ فردوسیہ شطاریہ میں بیعت ہو گئے۔

شاہ امین احمد فردوسی کے بیعت ہونے کا واقعہ حیات ثبات میں اس طرح نقل ہے:

''ملک العشاق مولانا امام مظفر شمس بلخی کے مزار پر حاضر ہیں اور خاک مزار کو ہاتھوں سے لیتے ہیں اور سینہ پر ملتے ہیں، خواب سے بیدار ہوئے تو دل کو ہمہ تن حضرت سید شاہ جمال علی بلخی سجادہ نشیں حضرت مخدوم شاہ شعیب کی طرف متوجہ پایا، حکم والد ماجد اور عقیدت میں یک رنگی پیدا ہوگئی۔ وقت اور موقع نے مساعدت کی یعنی اسی سال شیخ شرف الدین منیری کے عرس میں حضرت ممدوح شیخپورہ سے بہار شریف تشریف لائے اور جناب میر سعادت علی مرحوم کے مکان میں حسبِ معمول مقیم ہوئے۔ آپ نے شاہ الٰہی بخش مرحوم کو اپنے والد مرحوم کو اپنے والد ماجد کے حضور میں بھیجا کہ شیخپورہ سے حضرت تشریف لائے ہیں اب کیا حکم ہوتا ہے۔ حضور عالی نے سنتے ہی شاہ موصوف سے فرمایا کہ شیرنی منگاؤ اور حضرت سے کہو کہ شب کی دعوت ماحضر قبول فرمائیں اور ''جی میاں'' کو شرف بیعت سے سرفراز فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے دعوت قبول فرمائی اور کمرہ پر تشریف لاکر ۷؍شوال المکرّم

۱۲۷۱ھ کو سلسلہ عالیہ فردوسیہ شعیبیہ میں بیعت طریقت لی۔ پیر ومرشد نے
تعلیم فرمائی اور تا زمانۂ حیات بدرجہ غایت شفقت وعنایت مبذول فرماتے
رہے اور بذریعہ خط وکتابت بھی ارشاد فرماتے رہے۔''[۱۰۱]

شاہ امین احمد فردوسی کے پیر کس طرح خط وکتابت کے ذریعہ ان کی تربیت فرماتے تھے مثال کے طور پر ایک خط ملاحظہ کریں:

''شاہ صاحب عزیز دولھا، سلمہ تعالیٰ بعد سلام ومسنون
مطالعہ خط العزیز رسیدہ سرور ساخت فی الحقیقت کہ از ماہ
صفر علیل بودہ ام تپ خفیف می ماند، اگرچہ بالفعل بہ ظاہر
تب نیست لیکن گاہ گاہ قارورہ رنگین می شود و حرارت قلب
باقی است بہ سبب آں اگر سرخ می شود بھرحال شکر اوست۔
آں برادر کارخود کہ لازم گرفتہ اند غافل نہ مانند و خود را
معطل نہ گزارند، چندے مشقت بر خود اختیار کنید آخر راحت
ابدی است۔ ایام جمعیت خاطر مدام باد بحرمتہ النبی وعلی الہ
الکرام والسلام۔ جمال علی [۱۰۲]

آپ کے شیخ شاہ جمال علی نے آپ کو اجازت نامہ اور خلافت نامہ بھی عطا کیا تھا۔ جب فردوسی جمال علی کا ۱۲۷۷ھ میں انتقال ہو گیا تو جناب حضور شاہ امیر الدین فردوسی کو اپنے پیر کے وصال کا سخت صدمہ ہوا پھر آپ حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پور خلیفہ، شاہ یحییٰ علی نورآبادی کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے صحبت میں رہ کر بہت کچھ حاصل کیا اور آپ سے بھی اجازت وخلافت کی سند حاصل کی۔[۱۰۳]

اپنے استاد مکرم حضرت مولانا محمد موسیٰ چشتی سے بھی جناب بحضور نے سلسلہ عالیہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ فخریہ کی اجازت حاصل کی۔

آپ جس سلسلہ شعیبیہ میں بیعت ہوئے وہ دراصل سلسلہ فردوسیہ، ہی ہے حضرت شعیب علیہ الرحمہ کی نام کی طرف نسبت کر کے سلسلہ فردوسیہ شعیبیہ کہا جاتا ہے۔اس کا شجرہ اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت شاہ جمال علی بلخی فردوسی سجادہ نشیں شیخو پورہ

۲۔ حضرت شاہ یوسف علی

۳۔ حضرت شاہ دھومن

۴۔ حضرت شیخ آگاہ

۵۔ حضرت شیخ جاہ

۶۔ حضرت شیخ ماہ

۷۔ حضرت شاہ نورالدین

۸۔ حضرت شاہ عبدالعزیز

۹۔ حضرت شیخ عبدالرزاق

۱۰۔ حضرت شاہ عبدالفتاح

۱۱۔ حضرت شاہ جلال

۱۲۔ حضرت شاہ فیروز

۱۳۔ حضرت شیخ نظام الدین

۱۴۔ حضرت شاہ خدابخش

۱۵۔ حضرت شیخ مظفر

۱۶۔ حضرت شیخ منصور

۱۷۔ حضرت شیخ بہاءالدین

۱۸۔ حضرت مخدوم شیخ شعیب

۱۹۔ حضرت مخدوم شیخ حسن

۲۰۔ حضرت مخدوم شیخ حسین

۲۱۔ حضرت مولانا مظفر شمس بلخی

۲۲۔ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

شاہ امین احمد فردوسی کو فارسی زبان میں عبور حاصل تھا، انہوں نے ایک درجن کتابیں جو زیادہ تر مثنوی پر مشتمل ہے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ قادر الکلام شاعر تھے۔ شاعری میں اپنا تخلص ''ثبات'' لکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شجرات الطیبات

۲۔ سلسلۃ الاولی

۳۔ گل فردوس

۴۔ گل بہشتی

۵۔ روضۃ النعیم

۶۔ عبرت افزا

۷۔ شید ومشید

۸۔ رسالہ علم نجوم

۹۔ رسالہ علم رمل

۱۰۔ مجموعہ رباعیات

۷۳ سال زندہ رہنے کے بعد آپ کا وصال ۱۲/ مئی ۱۹۵۳ء، ۵/ جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ ایک بج کر ۵۵ منٹ پر شب میں ہوا۔

شیخ ذکی الدین فردوسی
(ولادت ٦٨٦ھ)

شیخ ذکی الدین فردوسی ابن شیخ شرف الدین احمد منیری کی ولادت اپنے نانا مولانا ابوتوامہ کے گھر شہر سنار گاؤں میں ہوا جو اس وقت بنگال میں واقع ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جب سنار گاؤں میں مخدوم جہاں کو اپنے والد کے انتقال کی خبر ملی تو آپ صرف اپنے بیٹے ذکی الدین کو ساتھ لے کر واپس منیر تشریف لے آئے اور اپنی والدہ سے کہا کہ ذکی الدین کو میری جگہ سمجھئے اور مجھے آزاد کیجئے تاکہ میں جہاں چاہوں جاؤں۔ اجازت ملنے پر شیخ شرف الدین منیری مرشد کی تلاش میں نکلے۔ یہاں پر مؤرخین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ مخدوم الملک جب سنار گاؤں سے منیر تشریف لائے تو ساتھ میں صرف آپ کے صاحبزادے ذکی الدین تھے یا صاحبزادیاں بھی تھیں؟ اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ سلسلہ فردوسیہ کی بنیادی حیثیت رکھنے والی کتاب ''مناقب الاصفیا'' میں بھی اس کے متعلق واضح ثبوت نہیں ملتے۔ اس میں صرف مختصر میں اتنا لکھا ہے کہ سنار گاؤں میں مخدوم جہاں کو ایک صاحبزادہ تولد ہوا اور اسے اپنے ساتھ لے کر منیر تشریف لائے۔

> ''مخدوم نے علاج کی غرض سے نکاح کیا۔ جس سے ایک صاحبزادہ تولد ہوا۔ صاحبزادہ کو اپنی والدہ محترمہ کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کو میری جگہ سمجھئے۔''[۱۰۴]

مذکورہ عبارت سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ ایک صاحبزادہ تولد ہوا اور اسی کو لے کر سنار گاؤں سے منیر تشریف لائے۔ اس کے علاوہ سیرت الشرف میں ایک صاحبزادہ اور دو صاحبزادی کا ذکر ملتا ہے۔ مزید یہ بھی ہے کہ صرف ذکی الدین زندہ رہے باقی دو ایام طفولیت ہی میں منیر آنے سے قبل ہی انتقال کر گئے۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ سنار گاؤں ہی میں مدفن ہوئے۔

> ''مخدوم کو تین اولادیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک صاحبزادہ شاہ ذکی الدین

زندہ رہے باقی دو ایام طفولیت ہی میں قبل آنے منیر کے سنار گاؤں میں انتقال

کر گئے۔ اور اپنی ماں کے ساتھ زمین بنگالہ کی آغوش میں جا لیٹے۔''۱۰۵

مذکورہ دونوں روایت کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری کی تین اولادیں تو تھیں لیکن جب مخدوم سنار گاؤں سے منیر آئے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی بہو بادام اور دونوں صاحبزادیاں بی فاطمہ اور بی زہرہ کے علاوہ ذکی الدین بھی تھے اور ان تینوں کا مزار بھی منیرہ میں ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مخدوم جہاں کی دونوں صاحبزادیوں کی شادی بھی منیر میں ہی ہوئی ہے۔ چنانچہ ''آثار منیر'' کی عبارت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی ایک بیٹی کی شادی آپ کے بھتیجے کے ساتھ ہوئی اور دوسری بیٹی کی شادی شاہ قمر الدین سے ہوئی۔ عبارت ملاحظہ کریں:

''شاہ خلیل الدین احمد فردوسی منیری (سگے بھائی مخدوم جہاں) آپ کے

مرید و خلیفہ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری ہیں اور بہار شریف میں اپنے

برادر بزرگ اور محترم پیر کے زیرِ پائیں آسودہ ہیں۔ آپ کے صاحبزادے

شاہ اشرف منیری بن شاہ خلیل الدین منیری کی شادی حضرت مخدوم جہاں

شرف الدین احمد منیری کی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے ہوئی جن سے

صاحبان منیر کا سلسلۂ صاحبزادی حضرت بی بی زہرہ کی شادی، شاہ قمر الدین

بن مولانا میر شمس الدین مازندرانی سے ہوئی۔ آپ مخدوم جہاں کے خویش

ہیں۔ دونوں صاحبزادیوں کے مزارات بڑی درگاہ منیر میں ہیں۔''۱۰۶

''آثار منیر'' کی عبارت سے ملتی جلتی عبارت ''شرفا کی نگری'' جلد ا میں بھی ہے عبارت یہ ہے:

''اپنے والد کے وصا کی خبر پا کر شیخ شرف الدین منیری وطن واپس لوٹنے کا قصد فرمایا اور اپنی اہلیہ حضرت بی بی بہودام، صاحبزادے شیخ ذکی الدین اور دو صاحبزادی بی بی فاطمہ اور بی بی زہرہ کے ساتھ منیر تشریف لائے۔''۱۰۷

ایسا لگتا ہے کہ صاحب ''شرفا کی نگری'' سید قیام الدین صاحب نے ''آثار منیر'' سے مدد لی ہے کیونکہ

آثار منیر ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی اور ''شرفا کی نگری ۱۹۸۶ء میں اور ان دونوں حوالوں کے علاوہ کسی بھی تاریخی کتابوں میں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ سنارگاؤں سے شیخ شرف الدین منیری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ منیر تشریف لائے۔

اب صرف ان حوالوں کا ذکر کیا جارہا ہے جس میں صرف ''مناقب الاصفیاء'' کو بنیاد بنا کر لکھا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری جب سنارگاؤں سے منیر آئے تو ان کے ساتھ صرف ذکی الدین تھے۔ مناقب الاصفیاء کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ یہ فردوسیہ سلسلے سے متعلق تمام کتابوں سے قدیم ہے اور اس کے مصنف شاہ شعیب، مخدوم جہاں کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ اس لیے بیشتر مؤرخوں نے مناقب الاصفیاء ہی سے مدد لی ہے۔ چنانچہ ''سیرت الشرف'' میں سید ضمیر الدین صاحب لکھتے ہیں:

> ''حق یہ ہے کہ مخدوم مولانا ابوتوامہ کی صاحبزادی کو حبالۂ نکاح میں لائے تھے اس سے مخدوم کے تین اولاد ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحبزادہ شاہ ذکی الدین زندہ رہے باقی دو ایام طفولیت ہی میں قبل آنے منیر کے سنارگاؤں میں انتقال کر گئے اور اپنی ماں کے ساتھ زمین بنگالہ کی آغوش میں جا لیٹے۔ ۱۰۸؎

مسٹر پول جیکسن ایک معروف مؤرخ ہیں جنھوں نے شیخ شرف الدین منیری کی مکتوبات جو فارسی میں ہے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام The Hundred رکھا انھوں نے بھی اپنی دونوں کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ مخدوم جہاں صرف اپنے بیٹے ذکی الدین کے ساتھ ہی واپس ہوئے تھے۔ عبارت یہ ہے:

> "He also monished the daughter of his hanbali mentor and had one son with whom he returned to maner on receiving

word of his father's death. He left his young wife behind in sonargaon and adopted a life of celibacy." 109

مسٹر پول جیکشن کی ایک کتاب: "The way of a sufi Sharfuddin maneri" صفحہ پر لکھتے ہیں:

"When he returned to manerhe entrusted his young son, zakiuddin, to his mother this son is referred to several times" 110

پروفیسر حسن عسکری نے بھی اپنی مشہور کتاب "Islam and Muslims in medivel Bihar" میں مناقب الاصفیاء ہی سے مدد لے کر لکھا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری اپنے صرف ایک لڑکے ذکی الدین کے ساتھ ہی منیر تشریف لائے تھے انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"He had a son, Zakiuddin whom he placed under his mother, when he returned to maner after his father's death" 111

مذکورہ تمام شواہد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری صرف اپنے بیٹے ذکی الدین کو ساتھ لے کر منیر آئے تھے۔

شیخ ذکی الدین جس وقت منیر پہونچے اس وقت آپ کی عمر ۳ سے ۴ سال کے قریب تھی، اس لیے آپ کا سال پیدائش ۶۸۶ اور ۶۸۷ کے درمیان ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ منیر آنے کے بعد شاہ ذکی الدین کی تعلیم وتربیت، شفیق ومہربان دادی بی بی رضیہ عرف بڑی بوا کی نگرانی میں ہوتی رہی۔ شیخ شرف الدین منیری کی والدہ محترمہ ایک متقی پرہیزگار خاتون تھی، آپ شاہ شہاب الدین پیر جگجوت کی بیٹی تھیں جن کا مزار سبل پور کے قریب

پٹنہ میں ہے اور کچی درگاہ کے نام سے معروف ومشہور ہے۔[۱۲] پیر جگجوت شاہ شہاب الدین کا وطن اصلی کاشغر تھا، اور آپ صاحب سلطنت تھے اس کے باوجود خدا شناس تھے۔ خدا کا خوف اس قدر تھا کہ سلطنت کو ترک کر کے خدا کی راہ میں نکل پڑے اور شیخ شہاب الدین سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) سے دولت بیعت حاصل کی اور پھر ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو کر بلند مقام حاصل کیا۔ ایک لمبے عرصے کے بعد آپ کو بھی ہندوستان کی سرزمین پسند آئی اور آپ نے ہندوستان کے صوبہ بہار کے پٹنہ شہر کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا۔ آپ نے خانقاہ قائم کی جس کے ذریعہ عرصۂ دراز تک رشد وہدایت کا کام انجام پاتا رہا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے گھرانے میں ہر طرح کی خوبیاں عطا فرمائی تھیں، آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی کی شادی شاہ یحییٰ منیری (پدر مخدوم جہاں) سے ہوئی اور آپ ہی کے بطن سے شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی ولادت ہوئی۔ صاحب آثار منیر لکھتے ہیں:

''پیر جگجوت کے خاندان میں ایک وقت میں چودہ قطب تھے جو اپنے اپنے دور میں یگانۂ روزگار تھے۔''[۱۳]

سید احمد چرمپوش آپ ہی کے نواسے تھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ آپ کے نام کے ساتھ پیر جگجوت کا لقب آپ کے پیر ومرشد کا دیا ہوا ہے۔ آپ کا مزار اور چبوترہ خام ہے یعنی مٹی کا ہے اور اوپر کوئی چھت یا گنبد نہیں ہے، شاید اسی لیے کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مزار کے چاروں کونے پر لکڑی کے کھمبے کھڑے ہوئے ہی۔ یہ مزار گنگا کے بالکل کنارے پر ہے۔

شیخ ذکی الدین اپنی دادی صاحبہ کی صحبت میں رہ کر دین ودنیا کی کامیابی حاصل کرتے رہے اور جب جوان ہوئے تو اپنے والد کی راہ پر چل دیئے۔ بقول سید قیام الدین نظامی کے دوران سفر والد بزرگوار کی پیشن گوئی کے مطابق ایک دریا کے کنارے پر ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، یہ بزرگ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ شیخ ذکی الدین نے اس بزرگ سے بیعت حاصل کی۔ اس بزرگ موصوف نے رشد وہدایت کی تلقین کی اور ساتھ ہی پانچ بیڑے پان عطا کئے۔ اس وقت یہ عام رواج تھا کہ خانقاہوں میں پان پیش کئے جاتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں جب شیخ شرف الدین منیری آئے تو محبوب الٰہی نے آپ کو پان دے کر رخصت کر دیا تھا۔ چنانچہ شاہ ذکی الدین کو پیر ومرشد نے پان کا بیڑہ دے کر یہ ہدایت

کردی کہ ایک خود کھائیں، دو اپنے والد کو اور دو اپنی دادی صاحبہ کو دیدیں، اس کے بعد رخصت فرمایا۔ جب آپ واپس آرہے تھے تو راہ میں ایک پان آپ نے کھالیا اس سے آپ پر کیفیت پیدا ہوئی اس کے بعد اپنے والد اور دادی صاحب کا پان بھی خود ہی کھالیا اور جنگل کی راہ لی اور اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جنگلوں میں آپ نے ایک لمبا عرصہ گزارا۔ بالآخر والد اور پیر کی نصیحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنگال کے شہر کوڑہ کلاں (کورکہہ) پہنچے اور پھر مخدوم نگر ضلع بردوان کو اپنا تبلیغی مرکز بنایا جو بیربھوم کے نام سے معروف ومشہور ہے اور یہیں پر آپ کا آرام گاہ بھی ہے۔ آپ کی شادی سید شاہ کوڑہ کلاں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے آپ کی ایک صاحبزادی بی بی بارکہ پیدا ہوئی۔ شیخ شرف الدین احمد منیری کے سب سے چھوٹے بھائی شیخ حسین الدین بن یحییٰ منیری کو کوئی اولاد نہ تھی جس کی وجہ سے انھوں نے شیخ ذکی الدین کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور ہر وقت سفر ہو یا حضر کبھی ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کا انتقال بھی یہیں مخدوم نگر میں ہی ہوا اور مزار مخدوم نگر ضلع بردوان بیربھوم میں ہے۔ شیخ ذکی الدین کی اہلیہ بھی بیربھوم میں ہی مدفن ہیں۔

مآخذ ومصادر

۱۔ سید قیام الدین نظامی فردوسی، شرفاء کی نگری، جلد۱، ناشر نظامی اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۶۴

۲۔ حضرت شاہ شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء، اردو ترجمہ، مترجم، ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، مکتبۂ شرف، خانقاہ عظم، بہار شریف، نالندہ ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۷۷

۳۔ نوٹ: صاحب سیرت الشرف کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہو کر منصب صدارت پر فائز تھے، یہ صحیح نہیں کیوں کہ شمس الملک متوفی المما لک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبنی میں منصب صدارت پر مامور تھے آٹھویں صدی ہجری شروع ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے، حضرت نظام الدین اولیاء انہیں کے شاگرد رشید تھے۔ ہوسکتا ہے صاحب سیرت الشرف کو نام میں کوئی مغالطہ ہوا ہو یا حضرت مخدوم سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی ہوں۔ دعوت وعزیمت، مولانا ابوالحسن ندوی، ج ۳، صفحہ ۲۳۸

۴۔ قیام الدین نظامی، شرفا کی نگری،، جلد۱، ناشر نظامی اکیڈمی کراچی پاکستان، ۱۵۵۹ء، صفحہ ۶۴

۵۔ شیخ شرف الدین منیری، مکتوبات صدی، ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان، چوک کراچی، سن ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۰

۰۵۔ مولانا عبدالروف اورنگا آبادی، مولانا مظفر شمس بلخی، معارف، ستمبر ۱۹۵۲ء، شبلی اکیڈمی، مطبع، معارف، اعظم گڑھ، یو، پی

۶۔ مکتوبات بست وہست، مکتوبات، ہشت و یک، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی، یو پی

۷۔ مولانا عبدالروف اورنگا آبادی، مولانا مظفر شمس بلخی، معارف، ستمبر ۱۹۵۲ء، شبلی اکیڈمی، مطبع، معارف، اعظم گڑھ، یو، پی

۸۔ شرفا کی نگری، جلد۱، صفحہ ۹۵

۹۔ مناقب الاصفیا، صفحہ، ۲۹۹

۱۰۔ مناقب الاصفیا، صفحہ، ۲۹۹

۱۱۔ مناقب الاصفیا، صفحہ، ۲۹۹

۱۲۔ مناقب الاصفیا، صفحہ، ۲۹۹

۱۳۔ مناقب الصفیا، صفحہ ۲۹۴

۱۴۔ سید ضمیر احمد، سیرت الشرف، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ۱۹۹۴ء، صفحہ ۹۴

۱۵۔ عبدالحی بن فخر الدین، نزہۃ الخواطر، دار ابن حزم، بیروت لبنان، ۱۹۹۹، صفحہ ۲۸۲

۱۶۔ مناقب الاصفیا، صفحہ ۲۹۵

۱۷۔ مناقب الاصفیا، ص ۲۹۵

۱۸۔ مناقب الاصفیا، ص، ۲۹۶

۱۹۔ شیخ احمد آموں، ملفوظ، مطلوب المبارک، مترجم، علی ارشد شرفی، شرف الاشاعت، خانقاہ بلخیہ فردوسیہ بہار شریف، ۲۰۱۴ء، صفحہ ۸۳

۲۰۔ شرفا کی نگری، جلد ا، صفحہ ۹۴

۲۱۔ عبدالرحمٰن بن حسین سلمی، طبقات صوفیہ، ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱ء، صفحہ ۳۸

۲۲۔ شیخ احمد لنگر دریا بلخی، ملفوظ، مونس القلوب، ناشر مکتبہ شرف بہار شریف نالندہ، بہار، ۲۰۱۰ء، صفحہ ۱۷۳

نوٹ:

ڈاکٹر علی ارشد شرفی سجادہ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ بہار شریف کے بقول مشائخ فردوسیہ کے حوالے سے 'مناقب الاصفیا' کے بعد 'مونس القلوب' ملفوظ حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسی جس کے جامع قاضی شہ بن خطاب بہاری ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جو مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی (م ۱۳۸۱ء) حضرت مخدوم شیخ مظفر بلخی فردوسی (م ۱۳۸۶ء) حضرت مخدوم شیخ حسین نوشہ ءتوحید بلخی (م ۱۴۴۱ء) حضرت مخدوم شیخ حسین دائم بلخی فردوسی (م ۱۴۵۱ء) اور صاحب ملفوظ مونس القلوب، حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسی (م ۱۴۸۶ء) رضوان اللہ علیہم جیسی شخصیتوں کی عظمت ورفعت، تعلیم وتربیت اور ان کے مسلک ومشرب پر اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ مونس القلوب، صفحہ ۲ پیش لفظ

۲۳۔ شرفا کی نگری، ج ۱، صفحہ ۹۷، مونس القلوب، قلمی، تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۲۵۴

۲۴۔ مونس القلوب، صفحہ ۳۸

۲۵۔ محمد معین الدین دردائی، تاریخ فردوسیہ، مطبع تاج پریس، باری روڈ (دھامی ٹولہ) گیا، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۲۵۵

۲۶۔ نوٹ:۔

مولانا کا بار بار شادی کرنا اور بار بار طلاق دینا یہ عالم کی شان نہیں، مجھے لگتا ہے کہ اس میں تذکرہ نگاروں نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، یا یہ معاملہ مولانا کی آخری بیوی سے متعلق ہو۔ اسی طرح ایک عالم دین سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک ساتھ پانچ منکوحہ رکھے۔ البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یکے بعد دیگرے پانچ شادیاں کیں اور پھر طلاق دی گئیں۔

۲۷۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۲۵۶

۲۸۔ مناقب الاصفیا،صفحہ،۲۹۹

۲۹۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ،۲۵۰

۳۰۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ،۲۷۸

۳۱۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی،مرأت الاسرار،ضیاء القرآن پبلی کیشنز،گنج بخش لاہور،۱۹۹۳ء،صفحہ ۱۰۵

۳۲۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ،۲۹۸

۳۳۔ ماخوذ شاہ فرزند علی منیری،وسیلۂ شرف وذریعہ دولت،مطبع داراحسن،محلّہ گورہٹہ پٹنہ،۱۳۱۳ھ،تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۰

۳۴۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۳۶۰

۳۵۔ شرفا کی نگری،جلد ا،صفحہ ۵۷

۳۶۔ شرفا کی نگری،جلد ا،صفحہ ۹۷

۳۷۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۲

۳۸۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۲

۳۹۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۲

۴۰۔ (تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۲

۴۱۔ شرفا کی نگری،جلد ا،صفحہ ۹۹

۴۲۔ ذریعہ دولت انگریزی،صفحہ ۸۴ S.H.Askani JBRSU56, Vol. xlii. ppii, pp. 188-193

Maulana Siyid Abdul Rauf Maa. 1958, Vol. lxxii, no. 6, pp. 440-455

۴۳۔ ذریعہ دولت انگریزی ترجمہ،صفحہ ۸۴

۴۴۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۶۲۷

۴۵۔ مونس القلوب،صفحہ ۱۷۴

۴۶۔ مونس القلوب،صفحہ ۱۷۴

۴۷۔ تاریخ فردوسیہ،صفحہ ۲۶۰

۴۸۔ مونس القلوب،صفحہ،۳۸۱

۴۹۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ ۳۰۰

۵۰۔ مناقب الاصفیاء،صفحہ ۳۰۱

۵۱۔ شرفا کی نگری، صفحہ ۹۹

۵۲۔ تحقیقات المعانی، مترجم علی ارشد شرفی فردوسی، صفحہ ۳۸

۵۳۔ مونس القلوب، صفحہ ۴۲۶

۵۴۔ معارف، ستمبر ۱۹۵۲ء

۵۵۔ اوراد شرفی مختصر احوال بقلم ڈاکٹر علی ارشد شرفی، شرف الاشاعت، گلزار ابراہیم، بہار شریف، نالندہ۔

۵۶۔ مناقب الاصفیاء صفحہ ۴۲۶

۵۷۔ مونس القلوب صفحہ ۴۲۵ -- مونس القلوب قلمی، صفحہ ۲۹۶

۵۸۔ مونس القلوب، قلمی، صفحہ ۱۸۶

۵۹۔ نزہۃ الخواطر، صفحہ ۲۴۵

۶۰۔ ترمذی، باب الدعاء ۶۷/ ۱۳ و ابوداؤد، کتاب الصلوۃ باب التسبیح بالحصی ۳۶۹/ ۴ و ابن ماجہ، فی کتاب الادب: باب فصل التسبیح ۲/ ۴۲۳

۶۱۔ مونس القلوب، صفحہ ۱۵۲

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ مونس القلوب، قلمی، ۱۷۸، تاریخ فردوسیہ، ص ۱۸۷

۶۴۔ مرأت الاسرار، صفحہ ۱۲۲

۶۵۔ سید اقبال احمد، تاریخ سلاطین شرقی، اور صوفیاء جونپور، پبلشر ادارہ شیراز ہند، ۱۹۸۸ء

۶۶۔ مرأۃ الاسرار، صفحہ ۱۲۲

۶۷۔ سفینۃ الاولیاء (فارسی) وتذکرۃ الکلام فی تاریخ خلفاء عرب والاسلام مدار اعظم صفحہ ۲۸، تذکرہ اولیاء پاک و ہند، صفحہ ۱۷۱

۶۸۔ تاریخ سلاطین شرقی، اور صوفیاء جونپور، صفحہ....

۶۹۔ اوادہ فصلی، صفحہ ۸

۷۰۔ شاہ امین احمد فردوسی، گل فردوس در احوال خواجگان فردوس، فارسی، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۴ء، صفحہ ۲۰۱ ر

۷۱۔ مرأت الاسرار صفحہ ۲۳۲

۷۲۔ مونس القلوب، صفحہ ۱۵۵

۷۳۔ مونس القلوب، صفحہ ۱۰۶

۷۴۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۳۸۳

۷۵۔ شرفا کی نگری، جلد ا، صفحہ ۱۰۰

۷۶۔ سجادہ نشینان بہار، صفحہ ۱۴۴، بحوالہ، گنج ارشدی حصہ چہارم، صفحہ ۱۴۶، و بہ حوالہ وسیلۂ شرف

۷۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، فاسی، مطبع مجتبائی دہلی، صفحہ ۱۲۲

۷۸۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۲۹۳

۷۹۔ اورادہ فصلی، مقدمہ

۸۰۔ مونس القلوب مترجم، صفحہ ۸، قلمی صفحہ ۶۱

۸۱۔ مونس القلوب صفحہ ۵۶

۸۲۔ صفحہ ۳۰۶ مجلس ۴۷، مونس القلوب

۸۳۔ تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار مترجم اردو، صفحہ ۹۴

۸۴۔ مونس القلوب، صفحہ ۶۷، قلمی صفحہ ۳۶

۸۵۔ کاشف الاسرار صفحہ ۵، مطبوعہ مطبع الذیج پٹنہ، ماخوذ تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۳۲۰

۸۶۔ مونس القلوب، صفحہ ۳۶۳، مترجم

۸۷۔ مونس القلوب، قلمی صفحہ ۱۸۸، مترجم، صفحہ ۲۷۸

۸۸۔ مونس القلوب، صفحہ ۲۷۹

۸۹۔ مونس القلوب، صفحہ ۲۸۰

۹۰۔ مونس القلوب قلمی، ص ۸۸، تاریخ فردوسیہ، ص ۲۳

۹۱۔ آئینۂ مخدوم جہاں، صفحہ ۱۱۳

۹۲۔ مونس القلوب، صفحہ ۳۴۲، قلمی، صفحہ ۲۳۳

۹۳۔ ایضاً

۹۴۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ ۳۲۴

۹۵۔ مونس القلوب، صفحہ ۳۳۷

۹۶۔ دیوان جامی، صفحہ ۹۵، مطبع علمی ایران صفحہ ۲۴۴ ماخوذ از سجادہ نشینان بہار، صفحہ ۱۱۷

۹۷۔ تاریخ فردوسیہ، ص ۳۵

۹۸۔ تاریخ فردوسیہ صفحہ۳۹۸

۹۹۔ تاریخ فردوسیہ صفحہ۳۹۸

۱۰۰۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ۴۵۵

۱۰۱۔ ماخوز از حیات ثبات، صفحہ ۱۳۷، بحوالہ تاریخ فردوسیہ صفحہ۴۰۲

۱۰۲۔ ایضاً

۱۰۳۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ۴۵۴

۱۰۴۔ مناقب الاصفیاء، صفحہ۲۶۵

۱۰۵۔ سیرت الشرف، صفحہ۵۲-۵۱

۱۰۶۔ آثار منیر، صفحہ۳۳

۱۰۷۔ شرفا کی نگری، جلد۱، صفحہ۶۹

۱۰۸۔ سیرت الشرف، صفحہ:۵۱

۱۰۹۔ The hundred by:Paul Jackson, S.J. Introduction, P.2 published press newyork, Ramsey. Toronto

۱۱۰۔ Paul Jackson, S.J. the way to a Sufi Sharfuddin Maneri, P.53 Idarah-i-Adabiyat Delhi

۱۱۱۔ Prof. S.H. Askari, Islam and Muslims in Medival Bihar, P. 98, Khuda Bakhs Oriental Public Library Patna

۱۱۲۔ آثار منیر، صفحہ۲۹

۱۱۳۔ آثار منیر، صفحہ۳۰

۱۱۴۔ تاریخ فردوسیہ، صفحہ۳۲۹